STALKER'S TRIAL AND DEATH OF JESUS CHRIST.

یسوع مسیح

کی

گرفتاری اور موت

مصنفہ

ڈاکٹر جیمس سٹاکر صاحب

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی-لاہور

سنہ ۱۹۰۵ع

بار اول　　P. A. B. S., LAHORE.　　۱۰۰۰ جلد

فہرست کتب جدید

مسیح کی تعلیم:۔ پادری ڈاکٹر جیمس رابرٹسن صاحب کی تصنیف ہے یہ کتاب چاروں انجیلوں بلکہ دین عیسوی کی کنجی ہے۔ اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو عیسوی مذہب کے سمجھنے اور بنیادی باتیں جاننے اور رُوحانی قوّت اور ایمان کی ترقی کرنے اور دلوں کو مسیح کی طرف زیادہ مائل کرنے میں مدد ملیگی۔ واعظوں اور منادوں کے لئے ایک عمدہ کتاب ہے ۸/

یادِ محبوب صبح و شام کے لئے۔ پادری میکڈف صاحب کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جس میں مہینے بھر کے لئے صبح و شام کے واسطے خاص خاص تفکّرات و مراقبات درج ہیں۔ اُن کے ذریعہ عاشق اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہوکر راز و نیاز اور دُعا و مناجات کے پیرائے میں اپنی دلی آرزوؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ قیمت ۴/ سلف ۶/ مجلد ۸/ +

بزرگان بائبل کے حالات۔ یہ ایک نئی طرز کے رسالے ہیں۔ ان میں بزرگان بائبل کی سوانح عمریاں اُنہی کی زبان سے بیان کی گئی ہیں جن سے بائبل کے قصص اور اُن کے متعلق رُوحانی اور اخلاقی اسباق ذہن نشین ہوجاتے ہیں۔ آدم و حوّا ۱/ + ابراہیم ۱/ ربقہ ۱/ +

تاریخ بائبل۔ مصنّفہ ڈاکٹر بلیکی صاحب۔ جس میں بائبل کے مفصل اور تاریخی حالات اور دیگر اقوام کی تاریخیں جن کا اُن میں ذکر آیا ہے۔ دی گئی ہیں۔ صفحہ ۵۰۰۔ قیمت ۱؎

یسُوع مسیح کی گرفتاری اور موت۔ جس میں عمدہ تاریخی حالات کے اخلاقی نصائح بھی نکالے گئے ہیں۔ اور خاصکر صلیب کے ساتوں کلموں پر جو خداوند یسُوع مسیح کی زبان سے نکلے مفصل بحث کی ہے۔ علم دوست اصحاب کیلئے نہائت مفید ہے۔ از ڈاکٹر اسٹاکر صاحب۔ قیمت ۱۲/

یسوع مسیح
کی
گرفتاری اور موت

مفید عام اسٹیم پریس لاہور

فہرست مضامین

یسوع مسیح
کی گرفتاری اور موت

پہلا باب
گرفتاری

ہم اس کتاب میں اپنے خداوند کی زہنی زندگی کے آخری حالات کا مطالعہ اُس وقت سے شروع کرتے ہیں۔ جب کہ وہ عدالت کے پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ یہ گرفتاری آدھی رات کے وقت باغ گتسمنی میں وقوع میں آئی +

یروشلم کی مشرقی جانب کو زمین کدرون کے نالہ تک ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ اور اس نالہ کے دوسری جانب کوہ زیتون واقع ہے۔ پہاڑی کی ڈھلوان سطح پر شہر کے باشندوں نے بہت سے باغ اور باغیچے لگا رکھے تھے۔ اور یہ گتسمنی کا باغ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔ ہم پختہ طور پر نہیں کہہ سکتے۔ کہ وہ احاطہ جو آج کل پہاڑی کے دامن میں حاجیوں کو بتایا جاتا ہے درحقیقت وہ وہی مقام ہے۔ نہ یہ کہ وہ ٹھیک پر اسنے

زیتون کے درخت جو اس باغ میں کھڑے ہیں وہی درخت ہیں جن کے سایہ میں ہماری منجی پر وہ جانکنی کی حالت طاری ہوئی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ مقام اس مقام سے بہت دور نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جس مقام کا پتہ روایت سے ملتا ہے۔ وہی حقیقی مقام ہو *

جانکنی کی حالت میں ابھی کچھ تخفیف ہوئی تھی کہ (جیسا کہ مقدس متی لکھتا ہے) "دیکھو یہوداہ جو بارہ میں سے ایک تھا آیا اور اس کے ساتھ ایک بڑی بھیڑ" وہ شہر کے مشرقی دروازے کے رستہ سے آئے تھے۔ اور اب باغ کے پھاٹک پر پہنچ گئے تھے۔ چاند کی چودھویں تھی۔ اور لوگوں کی دھندلی صورتیں گرد آلود سڑک پر آتی ہوئی صاف نظر آتی تھیں *

مسیح کی گرفتاری عدالت کے دو تین پیادوں کے ذریعہ وقوع میں نہیں آئی تھی۔ وہ ایک بڑی بھیڑ تھی۔ گو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ یہ لوگوں کا ایک بے ترتیب اژدحام تھا۔ چونکہ یہ گرفتاری مذہبی جماعت کی تحریک سے وقوع میں آئی تھی۔ اس لئے اُن کے خادم یعنی لاویوں کی پولیس جو ہیکل کی حفاظت پر متعین تھی سب سے آگے تھی۔ لیکن چونکہ اُس وقت یسوع کے ساتھ کم سے کم گیارہ جانباز آدمی موجود تھے۔ اور یہ بھی خوف تھا کہ شہر کو واپسی کے وقت شائد اُس کے پیرووں کی بیشمار جماعت اُس کی حمایت پر اُٹھ کھڑی ہو۔ یہ مناسب سمجھا گیا تھا کہ رومی گورنر سے درخواست کر کے سپاہیوں کی ایک کمپنی بھی بہم پہنچائی جائے۔ جو عید فسح کے موقع پر انتظامی ضرورتوں کے خیال سے قلعہ انٹونیا میں جو ہیکل کے

سر پر واقع تھا مُقیم تھے۔ اُن کے علاوہ صدر مجلس کے بعض ممبر بھی بذاتِ خود ہمراہ چلے آئے تھے۔ تاکہ اس کارروائی میں کبھی قسم کا خلل واقع نہ ہونے پائے۔ یہ مخلوط جماعت تلواروں اور لاٹھیوں سے مسلح تھی۔ یا غالباً یوں کہنا چاہیئے کہ تلواریں رومی سپاہیوں کے پاس تھیں اور لاٹھیاں ہیکل کی پولیس کے پاس۔ اور اُن کے پاس لالٹینیں اور مشعلیں بھی تھیں۔ جو وہ غالباً اس خیال سے ساتھ لے آئے تھے کہ شاید یسُوع اور اُس کے پیروؤں کی باغ کے کُنجِ تنہائی میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑ جائے۔ الغرض یہ ایک خوفناک جماعت تھی جو ہر طرح سے اس مُہم کو کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے پر کمربستہ معلوم ہوتی تھی ✤

ا

اس جماعت کا رہنما یہوداہ تھا۔ اس شخص کی عام خصلت اور اس کے جرم کی ماہیت کی نسبت آئندہ بہت کچھ ذکر ہوگا۔ لیکن یہاں ہم فقط اس قدر کہنا چاہتے ہیں کہ اُس طریق میں جو اُس نے اپنے مقصد کو پُورا کرنے میں اختیار کیا۔ کئی ایک پہلو تھے جو خاص کر قابل نفرت معلوم ہوتے ہیں ✤

اُس نے فسح کی بے حرمتی کی۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ کہ اچھے دن میں اچھا کام کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر کام بُرا ہو تو ایک مُقدّس روز میں کرنے سے اُس کی بُرائی اَور بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ عید فسح سال بھر میں نہائت مُقدّس موقع سمجھا جاتا تھا۔ اور فسح کے ہفتہ میں خاص کر یہ شام نہائت مُقدّس تھی (یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مسیحی مُلک میں کوئی شخص خاص

کرسمس یعنی عید تولد کے روز کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے +

اُس نے اپنے آقا پر اُس کے کنج عزلت میں جہاں وہ ذکر و فکر اور عبادت کے لئے جایا کرتا تھا حملہ کیا۔ گتسمنی کا باغ یسُوع کو بہت ہی مرغوب تھا۔ اور یہوداہ کو خوب معلوم تھا کہ وہ وہاں کس مطلب کے لئے جایا کرتا ہے۔ مگر اُس نے اس امر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ بلکہ برخلاف اس کے اُس نے اپنے آقا کی اس عادت سے فائدہ اُٹھایا +

مگر سب سے بڑی بات (جس کی وجہ سے بنی انسان اُسے کبھی معاف نہیں کرینگے) وہ نشان تھا۔ جس کے ذریعہ سے اُس نے یہ ٹھیرایا تھا۔ کہ وہ یسُوع کو اُسکے دشمنوں پر ظاہر کر دیگا۔ اغلب ہے کہ وہ اُس بھیڑ سے آگے آگے کچھ فاصلہ پر چل رہا تھا۔ گویا یہ دکھانے کو کہ وہ اُن کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ اور اُن سے پہلے بھاگ کر اس غرض سے آیا ہے کہ اُس کو اُس کے خطرے سے خبردار کر دے۔ اور اُس مصیبت کی حالت میں اُس کے ساتھ اپنی ہمدردی ظاہر کرے۔ اور اُس نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اور دہاڑیں مار کر کہنا شروع کیا۔ "خداوند۔ خداوند"۔ اور نہ صرف اُسے بوسہ ہی دیا بلکہ بڑی گرمجوشی سے اور کئی بار۔ جیسا کہ انجیل کے یونانی لفظ[1] سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک دنیا میں سچی اور خالص محبت کا وجود ہے۔ ہر ایک شخص جس نے کبھی اس محبت کے نشان (یعنی بوسہ) کو

---

[1] جو یونانی لفظ یہاں استعمال ہوا وہ وہی ہے۔ جو اس گنہگار عورت کے قصہ میں استعمال ہوا ہے۔ جو خداوند کے قدموں کو تیل ملکر بوسہ دیتی تھی +

استعمال کیا ہے۔ اُس شخص کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھیگا۔ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو دل انسانی اور اُس کی تمام شرافت کے خلاف سرزد ہؤا ہے۔ مگر کوئی شخص اُس کی خوفناک صورت کو محسوس کرنے کی ایسی قابلیت نہیں رکھتا جیسے کہ یسوع۔ یقیناً یسوع کے دل پر اُس سے سخت چوٹ لگی ہوگی۔ اُس رات کو اور دوسرے دن اُس کے چہرہ پر قسم قسم کے دھبے نظر آتے تھے۔ پسینہ خون کے پسینے کی شکل میں ہویدا تھیں۔ طمانچوں کے گہرے نشان تھے۔ وہ تھوک سے آلودہ ہو رہا تھا۔ کانٹوں کے تاج سے لہولہان تھا۔ مگر ان میں سے کسی چیز نے اُس کے دل کو ایسا نہ چھیدا ہوگا جیسا اس بوسہ نے۔ ایک اور شخص۔ جس کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک ہؤا ہوگا۔ کہتا ہے۔ "دشمن تو نہیں تھا جو مجھے ملامت کرتا۔ نہیں تو میں اُس کی برداشت کرتا۔ نہ میرا کینہ رکھنے والا تھا۔ جو مجھ پر بالادستی کرتا تھا۔ تب میں اُس سے چھپ جاتا۔ بلکہ تو میرا ہم رتبہ آدمی۔ میرا اُلفتی بندہ اور میرا جان پہچان تھا۔ کہ ہم مل کے خوش اختلاطی کرتے تھے۔ اور گروہ کے ساتھ خدا کے گھر میں جایا کرتے تھے" (زبور ۵۵ : ۱۲-۱۴) پیشتر اس کے کہ اُس نے بوسہ دیا۔ یسوع نے اُسے اُسی پیارے لقب یعنی دوست کے نام سے یاد کیا۔ لیکن جب وہ بوسہ دے چکا تو وہ یہ کہنا دینے والا سوال کرنے سے باز نہ رہ سکا کہ "اے یہوداہ کیا تو بوسہ لے کر ابن آدم کو پکڑواتا ہے؟"

بوسہ شاگردی کا نشان تھا۔ مشرقی ممالک میں شاگرد اپنے ربیوں یعنی اُستادوں کو بوسہ دیا کرتے تھے اور غالباً یسوع اور

حفاظت سے لے جانا" ٭

سچ تو یہ ہے کہ بجائے اُس کے پکڑنے کے وہ خود پکڑے گئے وہ ایک کمینہ اور پُر دغا کام میں مشغول تھے۔ اُنھوں نے ایک نمکحرام شخص کو اپنا رہنما بنایا تھا۔ اور اُمید کرتے تھے کہ مسیح کو یا تو سوتے ہیں یا چپ چاپ اور چوری چوری جا پکڑینگے اور اگر وہ جاگتا بھی ہوگا تو غالباً وہ بھاگ کھڑا ہوگا۔ اور آخر کار وہ اُس کا تعاقب کر کے اُسے کسی کنج تنہائی میں لرزاں و ترساں حالت میں جا پکڑینگے۔ وہ اُسے بیخبر جا پکڑنا چاہتے تھے لیکن جب وہ خود بلا دھڑک اُن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور اُن سے خود پوچھ پاچھ کرنے لگا تو وہ متحیّر ہو گئے۔ اور اُنھیں اپنا ڈھنگ بدلنا پڑا جس کے لئے وہ بالکل تیار نہیں تھے۔ اس طور سے گویا اُس نے اُن سب کو وہاں کھڑا کر کے گویا شرم و خجالت کا تختۂ مشق بنا دیا ٭

اب اُن کی تمام تیاریاں کیسی بیہودہ معلوم ہونے لگی ہونگی۔ یہ سپاہی اور تلواریں اور لاٹھیاں مشعلیں اور لالٹینیں جو اب چاندنی چاندنی میں پھیکی معلوم دے رہی تھیں۔ بھلا کس مصرف کی تھیں؟ یسوع نے اُنھیں یہ بات اچھی طرح محسوس کرا دی۔ اور اُنھیں گویا جتا دیا کہ وہ کس رُوح و مزاج کے آدمی ہیں۔ اور اُس کی مزاج اور رُوح سے کس قدر ناآشنا ہیں۔ "تم کسے ڈھونڈتے ہو؟" اُس نے دوبارہ اُن سے یہی سؤال کیا تا کہ وہ اس امر کو اچھی طرح معلوم کر لیں۔ کہ اُنھوں نے اُسے نہیں پکڑا بلکہ وہ خود اپنے کو اُن کے حوالہ کر رہا ہے۔ یہ موقع بالکل اُسی کے ہاتھ میں تھا۔

اُس نے پھر خاص کر صدر مجلس والوں کو مخاطب کر کے جو غالباً اس وقت پسِ پشت رہنا زیادہ پسند کرتے۔ اور اُن کی ان تمام تیاریوں کی طرف اشارہ کر کے اُن سے سؤال کیا کہ "کیا تم ڈاکو جان کے تلواریں اور لاٹھیاں لیکر میرے پکڑنے کو نکلے ہو؟ میں ہر روز تمہارے پاس ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا"۔ وہ تن تنہا تھا اور اگرچہ جانتا تھا کہ کس قدر لوگ اُس کے مقابلہ میں ہیں تو بھی ہرگز نہ ڈرا۔ وہ ہر روز ہیکل میں تعلیم دیتا رہا یعنی سب سے زیادہ عام جگہ میں۔ اور ایسے اوقات میں جب سب لوگ اُسے دیکھ سکتے تھے۔ لیکن وہ جو ایسے طاقتور اور ہتھیار تھے۔ تو بھی اُس سے ڈرتے رہے۔ اور اس لئے اُنہوں نے اس شرارت کے لئے آدھی رات کا وقت پسند کیا ہے۔ اور پھر فرمایا "یہ تمہاری گھڑی اور ظلمت کا اختیار ہے" یہ آدھی رات کا وقت تمہارا ہے کیونکہ تم ظلمت کے فرزند ہو۔ اور جو طاقت تمہیں میرے خلاف حاصل ہے وہ بھی ظلمت کی طاقت ہے ؀

اس سبطِ یہوداہ کے "شیر" نے اِس موقع پر یہ الفاظ فرمائے۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے ہی الفاظ وہ اُس دن بھی کہیگا جب کہ اُس کے دشمن اُس کے پاؤں کے نیچے کئے جائینگے۔ "بیٹے کو چومو۔ تا نہ ہووے کہ وہ بیزار ہو اور تم راہ میں ہلاک ہو جاؤ۔ جب اُس کا قہر یکایک بھڑکے مبارک وہ سب جن کا توکّل اُس پر ہے" (زبور ۲ : ۱۲) ✤

۳

اس امر کو بار بار یاد دلانا نامناسب نہیں کہ یہ وُہی فتح تھی۔ جو مسیح نے باغ کے اندر حاصل کی تھی۔ جو اس فتح یابی کا جو اُس نے

باغ کے دروازے پر حاصل کی باعث تھی۔ وہ قوت اور دبدبہ جو اُس نے اس موقع پر ظاہر کیا دُعا اور بیداری سے حاصل ہُوا تھا +

یہ امر اُن لوگوں کی حالت کے ساتھ مقابلہ کرنے سے جنہوں نے دُعا و بیداری سے کام نہیں لیا تھا۔ اور بھی زیادہ واضح اور بیّن ہوجاتا ہے۔ اُن کیلئے ہر ایک چیز بطور ناگہانی آفت کے وارد ہوئی۔ جس سے وہ اندھے اور حیرت زدہ ہوگئے۔ وہ گہری نیند سے جگائے گئے۔ اور آنکھیں ملتے ہوئے اور ڈگمگاتے ہوئے آگے بڑھے۔ جب یسوع پر لوگوں نے ہاتھ ڈالا تو اُن میں سے ایک بولا۔ "کیا ہم تلوار چلائیں"؟ اور جواب کا انتظار کئے بغیر وار کر بیٹھا۔ لیکن کیسی بیہودہ ضرب! نیم خفتہ آدمی سے اور کیا اُمید ہوسکتی ہے! سر کے بجائے اُس نے صرف کان کاٹ ڈالا۔ اور اس ضرب کا اُسے سخت خمیازہ بھی اُٹھانا پڑتا۔ اگر یسوع کامل اطمینان کے ساتھ پطرس اور اُن تلواروں کے درمیان جو اُس کے مارنے کے لئے اُٹھی ہونگی نہ آجاتا۔ اُس نے فرمایا۔ کہ "یہی بس ہے" اس طرح سے سپاہیوں کو روک رکھا۔ اور اُس آدمی کا کان چھو کر اسے بھلا چنگا کر دیا۔ اس طور سے اپنے بیچارے شاگرد کی جان بچائی +

یقیناً یسوع ضرور متبسم ہُوا ہوگا۔ جب اُس نے پطرس سے فرمایا کہ "اپنی تلوار میان میں کر۔ کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں۔ وہ سب تلوار سے ہلاک کئے جائینگے"۔ تلوار کی جگہ میان کے اندر ہے نہ باہر۔ اُس کا کھینچنا اس معاملہ میں بے محل ہے۔ اور جو لوگ کسی معقول وجہ کے یا باختیار حاکم کے حکم کے بغیر تلوار کھینچتے ہیں۔ اُنہیں جان کے

بدلے جان دینی پڑیگی ۔

لیکن اس سے بڑھکر اُس نے اُس اعلے درجے کی فصاحت کے ذریعہ جس سے اُس نے اپنے دشمنوں سے کلام کیا۔ پطرس پر یہ ثابت کردیا کہ اُس کا فعل اس موقع پر کیسا بے محل تھا۔ یہ فعل اُس کے اُستاد کے رتبہ کے زیبا نہ تھا۔ "کیونکہ میں اپنے باپ سے منت کرسکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے پاس ابھی موجود کردیگا" اور ایسے بڑے لشکر کے مقابلہ میں یہ چھوٹی سی جماعت جو مشکل سے سو دو سو آدمی کے قریب ہوگی۔ کیا حقیقت رکھتی ہے ؟ اس کے علاوہ یہ فعل نوشتوں کے بھی خلاف ہے۔ "وہ نوشتے کہ یُونہی ہونا ضرور ہے کیونکر پُورے ہونگے" اور یہ اُس کی اپنی منشاء اور اُس کے باپ کی مرضی کے بھی خلاف ہے "جو پیالہ باپ نے مجھ کو دیا کیا میں اُسے نہ پیوں" ؟

بیچارہ پطرس ! اس موقع پر جو کچھ اُس سے ہوُا۔ وہ ٹھیک اُس کی طبیعت کے تقاضا کے مطابق تھا۔ اُس کے فعل میں ایک قسم کی راستی اور شرافت تو تھی۔ مگر وہ فعل ہی بے موقع تھا۔ کاش وہ گتسمنی کے اندر بھی ایسی ہی آمادگی ظاہر کرتا اور جو کچھ اُسے کہا گیا تھا اُس پر عمل کرتا۔ جیسا کہ وہ گتسمنی کے باہر جو کچھ اُسے نہیں کہا گیا تھا کرنے کو تیار تھا ! اس سے کہیں بہتر ہوتا اگر وہ باغ کے اندر رُوحانی تلوار کھینچتا اور اُس کان کو کاٹ ڈالتا جو ایک لونڈی کے دھمکی سے اُسے گمراہ کرنے کا وسیلہ بنا ! پطرس کے چلن نے اس موقع پر بھی دوسرے موقعوں کی طرح ثابت کردیا کہ محض گرمجوشی جب وہ مسیح کی رُوح ومزاج

پر مبنی نہ ہو ہماری رہنما بننے کی ہرگز لائق نہیں ہے ÷

۴

شاید پطرس کو اُس عہد و اقرار نے جب اُس نے سخت قسم کھا کر یہ کہا تھا کہ خواہ اُسے مرنا ہی کیوں نہ پڑے وہ مسیح سے چمٹا رہیگا۔ اس امر پر آمادہ کیا کہ اپنے آقا کے واسطے کچھ نہ کچھ کر بیٹھے۔ مگر اوروں نے بھی تو وہی بات کہی تھی۔ کیا وہ اب اُنہیں یاد تھی؟ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ سب اُسے بھول گئے تھے۔ جان کے خطرے کے سامنے وہ سب کچھ بھول گئے۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی پڑ گئی۔ بعض اوقات بیماری کی حالت میں خصوصاً جب کوئی دماغی بیماری ہو۔ تو اس قسم کے عجیب اثرات دیکھے جاتے ہیں۔ وہ چہرہ جس پر سالہا سال کی تادیب و تربیت نے شائستگی اور وجاہت کی مُہر ثبت کی ہوئی تھی۔ دفعتہً سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ اور اُس کی جگہ پھر وہی اصلی گنوارپن عود کر آتا ہے۔ اسی طرح اپنے آقا کی گرفتاری کے خوف نے جو ان شاگردوں پر جنہوں نے دُعا کے ذریعہ اپنے کو تیار نہیں کیا تھا دفعتہً آن پڑا۔ کچھ عرصہ کے لئے سالہا سال کی عقیدت کو ضائع کر دیا۔ اور وہ پھر گلیل کے نرے مچھوے کے مچھوے ہی رہ گئے۔ اور مسیح کی گرفتاری کے وقت سے لیکر اُسکے جی اُٹھنے تک اُن کی یہی حالت رہی ÷

اس معاملہ میں بھی اُن کا چلن اُن کے آقا کے چلن سے بالکل مختلف ہے۔ جیسے کہ چڑیا جب اُس کے گھونسلے پر کوئی دشمن حملہ آور ہوتا ہے۔ اُس کے مقابلہ کو نکلتی ہے۔ یا گڈریا خطرے کے

وقت اپنے گلّے کے آگے آگے ہوتا ہے۔ اِسی طرح یسُوع نے بھی۔ جب
اُس کے گرفتار کرنے والے نزدیک آئے۔ اپنے کو اُن لوگوں اور اپنے
شاگردوں کے بیچ میں ڈال دیا۔ اور کسی حد تک اِسی غرض سے تھا کہ
وہ دلیرانہ آگے بڑھا۔ اور یہ کہکر اُن کی ساری توجّہ کو اپنی ہی طرف
لگا لیا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو؟ جب اُنھوں نے جواب دیا "یسُوع
ناصری کو"۔ تو اُس نے فرمایا "میں ہی ہوں۔ اِس لئے اگر تم مجھے ڈھونڈتے
ہو تو اِنہیں جانے دو"۔ اس سے جو خوف و دہشت اُن پر طاری ہوئی
وہ اُس کے پکڑنے کی فکر میں اُس کے شاگردوں کو بالکل بھول گئے
اور یہی اُس کا مقصد بھی تھا۔ مُقدّس یُوحنّا اس کا ذکر کرتے
ہوئے اس بیان میں ایک عجیب فقرہ زیادہ کرتا ہے کہ "یہ اُس نے اس
لئے کیا کہ اُس کا یہ قول پُورا ہو کہ جنہیں تُو نے مُجھے دیا۔ میں نے اُن
میں سے کسی کو بھی نہ کھویا"۔ یہ قول اُسی سفارشی دُعا میں ہے۔ جو اُس
نے سب سے پہلی شراکت اقدس کی میز پر کی۔ مگر اُس موقع پر اُس
کے ظاہراً یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ اُس نے رُوحانی طور پر اُن میں سے
کسی کو نہیں کھویا۔ لیکن یہاں اُس کا نقطہ یہ مطلب معلوم ہوتا ہے۔ کہ
اُس نے اُن میں سے کسی کو سپاہیوں کی تلوار یا صلیب کے ذریعہ نہیں
کھویا۔ جو پکڑے جانے کی صورت میں اُن کا حصّہ ہوتا ۔ تاہم اُس
کے ان ظاہری معنوں میں بھی ایک گہرا نکتہ ہے۔ مُقدّس یُوحنّا یہ جتانا
چاہتا ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی اُس وقت اُس کے ساتھ گرفتار
ہو جاتا تو ظنِّ غالب یہ ہے کہ وہ اُس موقع پر پُورا نہ اُترتا۔ وہ اُس کا
انکار کر بیٹھتے۔ اور اس لئے زیادہ افسوس ناک معنوں میں درحقیقت

چھوٹے جانے ✦

یسوع نے خوب جان کر کہ اُن کی یہ حالت ہے اُن کے لئے مفر کا راستہ کھول دیا۔ اور وہ سب اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شاید یہ اُن کے قیاس میں بہتر تھا۔ کیونکہ اگر اُس کے ساتھ رہتے۔ تو شاید اس سے بھی کچھ بدتر کام کر بیٹھتے۔ لیکن یہ امر اُن کے اصلی قول و قرار کے کس قدر برعکس تھا کہ "اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا ضرور ہو۔ تو بھی تیرا انکار ہرگز نہ کرونگا" مجھے بعض وقت ایسا خیال آیا کرتا ہے۔ کہ مسیحی دین کے لئے یہ کیسی بڑی عزت کا باعث ہوتا اور فطرت انسانی کی تاریخ میں کیسی ٹھہری یادگار ہوتی۔ اگر ان میں سے ایک دو ہی۔ مثلاً یہ دونو بھائی یعقوب اور یوحنا اُس کے ساتھ قید خانہ یا موت تک جانے کے لئے جوش کرتے۔ اُس صورت میں یہ تو سچ ہے۔ کہ ہم مقدس یوحنا کی تصنیفات سے محروم رہتے۔ اور اُس کی مکاشفات کی کتاب اور انجیل اور خطوط ہم کو حاصل نہ ہوتے۔ مگر یہ کیسا اچھا مکاشفہ ہوتا! کیسی اچھی انجیل ہوتی! اور کیسا عمدہ خط ہوتا!

مگر ایسا نہیں ہونا تھا۔ یسوع کو بے یار و مددگار جانا تھا۔ "میں نے تن تنہا انگوروں کو کولھو میں کچلا اور لوگوں میں سے میرے ساتھ کوئی نہ تھا"۔ سو وہ "اُسے باندھ کر لے گئے" ✦

دوسرا باب

دینی عدالت کے سامنے

یہ جماعت یسوع کو اپنے درمیان میں لئے ہوئے قدرون نالے
سے پار اُتری اور وہاں سے شہر کی طرف اُوپر چڑھتی ہوئی اور بھیڑ دروازہ
میں سے گذر کر شہر کی گلیوں میں جا پہنچی۔ آدھی رات کا وقت تھا کہیں
کہیں کوئی اکا دکا چلتا پھرتا مل جاتا تھا۔ تو اس جماعت کو دیکھ کر استفسار
کی غرض سے پاس آتا تھا اور قیدی کی صورت پر غور سے نظر کرتے ہوئے
گھر کی راہ لیتا[1]۔ وہ یسوع کو سردار کاہن کے محل پر لے گئے۔
جہاں اُس کی تحقیقات شروع ہوئی ؀

---

[1] غالباً وہ عجیب سا واقعہ جو مقدس مرقس نے لکھا ہے اسی قبیل کا تھا۔ "مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا تھا۔ اُسے لوگوں نے پکڑا۔ مگر وہ مہین چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔" (مرقس ۱۴: ۵۱) میں نے اس واقعہ کو شامل نہیں کیا کیونکہ درحقیقت میں نہیں جانتا کہ اس کی نسبت کیا کہوں۔ غالباً اس کے بیان سے انجیل نویس کو یہ جتانا مقصود تھا۔ کہ اس موقع پر سپاہیوں کا برتاؤ کیسا وحشیانہ تھا اور کہ اگر یسوع کے شاگردوں میں کوئی اُن کے ہاتھ لگ جاتا تو اُس کا کیا حال ہوتا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ مقدس مرقس ہی تھا اور جیسے مصور تصویر کے کسی گوشہ میں اپنا دستخط ثبت کر دیتا ہے۔ اسی طرح یہ گویا انجیل کے گوشہ میں مرقس کا دستخط ہے ؀

یسوع کو دو عدالتوں کے سامنے پیش ہونا تھا۔ ایک تو دینی عدالت کے سامنے دوسرے ملکی عدالت کے۔ ایک قیافا سردار کاہن کے سامنے۔ دوسرے پنطیس پیلاطس رومی گورنر کے سامنے۔

اس کا سبب یہ تھا کہ اُس زمانہ میں یہودیہ رومی سلطنت کے تابع تھا اور صوبہ سوریہ یا شام کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ اور ایک رومی حاکم اُس پر حکومت کرتا تھا جو قیصریہ کے نئے اور شاندار بندرگاہ میں جو یروشلم سے پچاس میل کے فاصلہ پر تھا سکونت رکھتا تھا۔ مگر یروشلم میں بھی اُس کا محل تھا۔ جہاں وہ وقتاً فوقتاً سکونت پذیر ہوا کرتا تھا۔

سلطنت روما کی یہ پالیسی نہ تھی۔ کہ جو جو ممالک اُس کے زیر فرمان آتے تھے۔ اُن سے ہر قسم کی حکومت و اختیار چھین لے۔ وہ اُن کا دل لُبھانے کے لئے کم سے کم برائے نام سلف گورنمنٹ کا نشان اُن کے ہاتھوں میں رہنے دیتی تھی اور جہاں تک اُس کے اعلےٰ اختیار و حکومت کے اُصول اجازت دیتے وہ ملک کے اندرونی معاملات کا نظم و نسق انہیں لوگوں کے ہاتھ میں سپرد کر دیتی تھی۔ خاص کر وہ مذہبی معاملات کا بہت کچھ لحاظ رکھتی تھی اور اُن میں حتےّ الامکان دست اندازی نہیں کرتی تھی۔ اس لئے یہودیوں کی قدیمی مذہبی عدالت جو سنیڈرن یعنے صدر عدالت کے نام سے مشہور تھی اب بھی یہ اختیار رکھتی تھی۔ کہ مذہبی معاملات کی تفتیش و تحقیقات کرے اور مجرموں کو سزا دے۔ البتہ اگر کوئی اس قسم کا جرم ہوتا۔ جس میں سزائے موت کا فتوےٰ دیا جانا مناسب تھا۔ تو اُس صورت میں مُقدمہ گورنر کے سامنے پیش ہوتا۔ لیکن اگر وہاں بھی سزائے موت بحال رہتی تو اس سزا کا عملدرآمد بھی گورنر کے ہاتھ میں تھا۔

یسوع دینی حکام کے حکم سے گرفتار کیا گیا تھا۔ اور اُنہوں نے اُس پر موت کا فتوے دیا۔ لیکن اس فتوے کی تعمیل کا اُنہیں اختیار حاصل نہ تھا۔ اس لئے ضرور تھا کہ اُسے پیلاطس کے سامنے حاضر کریں۔ جو اُس وقت اتفاق سے شہر ہی میں موجود تھا۔ اور اُس نے اِس مُقدّمہ کی از سرِ نو تحقیقات کی۔ اور یہ لوگ گویا اُس کے سامنے بطور مستغیث یا مُدّعی کے تھے +

نہ صرف دو قسم کی تحقیقاتیں تھیں۔ بلکہ ہر تحقیقات میں تین تین علیحدہ مدارج تھے۔ یعنے دینی تحقیقات میں یسوع پہلے حنّا کے سامنے پیش ہُوا پھر قیافا اور صدر مجلس کے سامنے رات کے وقت۔ اور پھر اُسے عدالت کے سامنے دوبارہ صبح کے وقت۔ اور دوسری یعنی ملکی عدالت میں بھی وہ پہلے پیلاطس کے سامنے پیش ہُوا جس نے یہودیوں کے فتوے کو بحال رکھنے سے انکار کیا۔ تب اپنا پیچھا چھُڑانے کے لئے اُس نے اُسے ہیرودیس حاکمِ گلیل کے پاس بھیج دیا۔ جو اُس وقت یروشلم میں مُقیم تھا۔ مگر مقدّمہ پھر رومی گورنر کے پاس واپس آگیا۔ اور اُس نے اپنے ضمیر کے خلاف سزائے موت کے فتوے کو بحال رکھا +

لیکن اب میں ذرا تفصیل کے ساتھ مُقدّمہ کے اُن تین مدارج کا جو دینی عدالت کے سامنے پیش آئے بیان کرونگا +

مُقدّس یوحنّا بیان کرتا ہے کہ یسوع کو پہلے حنّا کے پاس لے گئے یہ شخص ایک ستّر سال کا بڈھا تھا۔ جو اس سے بیس سال پہلے سردار کاہن رہ چکا تھا۔ اُس کے بعد اُس کے پانچ بیٹے یکے بعد دیگرے سردار کاہن ہوئے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں یہ عہدہ عمر بھر کے لئے نہیں ہوتا

تھا۔ بلکہ ہر ایک شخص صرف تھوڑے عرصہ کے لئے سردار کاہن رہتا تھا
اس وقت قیافا جو سردار کاہن تھا وہ اُس کا داماد تھا۔ حنّا اُس وقت
بھی بڑا ذی اختیار آدمی تھا۔ اور ایک طرح سے سب دینی معاملات
میں درحقیقت وہی مختار سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ برائے نام عہدہ قیافا کے نام
تھا۔ وہ دراصل ہیرودیس اعظم کے بُلانے پر اسکندریہ سے آیا تھا اور
اُس کے خاندان میں سب کے سب لائق فائق مگر بہت ہی پُر ہوس اور
مغرور لوگ تھے۔ جوں جوں اُن کی تعداد بڑھتی گئی۔ وہ حکومت اور اختیار
میں بھی بڑھتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ سب قسم کے بڑے بڑے عہدوں پر
قابض ہو گئے۔ وہ صدوقی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اُنہیں
اِس فرقہ کا کامل نمونہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بڑے سرد مہر مغرور اور دنیا پرست
تھے۔ اہل ملک کے درمیان وہ ہرگز ہر دلعزیز نہ تھے۔ لیکن جتنا لوگ
اُن سے نفرت رکھتے تھے۔ اُتنا ہی اُن سے ڈرتے بھی تھے۔ وہ بڑے
حریص اور لالچی تھے اور اس لئے جہاں تک اُن کا داؤ چلتا تھا مذہبی
رسوم کے ذریعہ سے لوگوں کو لوٹتے رہتے تھے ؟

بیان کیا جاتا ہے کہ ہیکل کے صحن میں جو کاروبار تجارت جاری
تھا جس پر یسوع نے اِس سے چند روز پہلے ایسا سخت فتویٰ جاری
کیا تھا۔ وہ نہ صرف اُن کی اجازت سے ہوتا تھا۔ بلکہ اُس میں اُنکی
بڑی مالی منفعت تھی۔ اگر یہ سچ ہے تو ظاہر ہے کہ یسوع کی اس
حرکت نے سردار کاہن کے خاندان کے دل میں اُس کی نسبت کس
قدر غیظ و غضب پیدا کر دیا ہوگا +

غالباً یہ سخت نفرت و عداوت ہی تھی جس نے حنّا کو یسوع کے

when He ...

سپرد عدالت کرنے پر آمادہ کیا۔ اغلب ہے کہ اس مکّار صدوقی نے یہوداہ کے ساتھ سودا کرنے اور یسوع کی گرفتاری کے لئے سپاہی بھیجنے میں بہت کچھ حصّہ لیا ہوگا۔ اس لئے وہ اپنی تمام کارستانیوں کا نتیجہ دیکھنے کے لئے رات کو جاگتا رہا ہوگا۔ اور اس وجہ سے وہ لوگ بھی یسُوع کو گرفتار کر کے پہلے حنّا کے پاس ہی لے گئے۔ لیکن جو کچھ پوچھ پاچھ حنّا نے اُس وقت کی ہوگی وہ باضابطہ نہ تھی +

مگر صدرِ مجلس کے ممبروں کے جمع کرنے کے لئے وقت چاہیے۔ آدھی رات کے وقت ہی ممبروں کے جمع کرنے کے لئے شہر میں چاروں طرف قاصد دوڑائے گئے کیونکہ مقدّمہ ضروری تھا اور اُس میں دیر کی گنجائش نہ تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صبح سویرے اُٹھ کر جب لوگ اپنے ہر دلعزیز معلّم کو اِن نفرت انگیز دشمنوں کے ہاتھ میں دیکھینگے۔ تو کیا کچھ نہ کر گذرینگے۔ لیکن اگر تحقیقات دن نکلنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ اور یسوع رومیوں کے مضبوط اور طاقتور ہاتھوں تک پہنچ جائے۔ پیشتر اس کے کہ لوگوں کو اس واقعہ کی خبر ہو۔ تو پھر کچھ خوف نہیں اس لئے صدر مجلس رات کی تاریکی میں جمع ہوئی۔ اور تمام کارروائی قیافا کے محل میں جہاں اب یسوع کو لے گئے تھے۔ پو پھٹنے سے پہلے ہی وقوع میں آئی ؛

یہ کارروائی بالکل باضابطہ تو نہ تھی۔ کیونکہ شریعت کے الفاظ میں اس مجلس کے رات کو منعقد کرنے کی اجازت درج نہ تھی۔ اِس سبب سے اگرچہ تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔ اور رات ہی کے وقت فتوائے موت پر سب کا اتفاق ہو چکا تھا۔ تو بھی یہ ضروری سمجھا گیا کہ دن نکلنے کے بعد عدالت کا پھر ایک اجلاس ہو۔ یہ یسوع کی تحقیقات کا تیسرا درجہ تھا۔

مگر اسے گذشتہ کارروائی کا ایک مختصر تکرار ہی سمجھنا چاہئے۔ جو محض ضابطہ کو پورا کرنے کے لئے عمل میں لایا گیا تھا۔ اس لئے ہم اُس کارروائی کی طرف عود کرتے ہیں جو رات کے وقت وقوع میں آئی۔ کیونکہ وہی اس سارے معاملے کی جان ہے +

اب اپنے ذہن میں ایک بڑے دالان کا تصوّر باندھو جو گھر کے صحن کی ایک طرف کو ہے اور جس سے اُسے فقط پیلپاؤں کی ایک قطار جدا کرتی ہے۔ اس لئے جو کچھ اندر روشنی میں واقع ہو رہا ہے ۔ وہ صحن میں بیٹھنے والوں کو صاف صاف نظر آئیگا۔ یہ کمرہ نصف دائرہ کی شکل میں ہے۔ اس دائرہ کی قوس میں پچاس یا اس سے زیادہ ممبران مجلس فرش پر بیٹھے ہیں۔ قیافا بحیثیت میر مجلس عین درمیان میں دیوار کے پاس ایک چوکی پر بیٹھا ہے سامنے ملزم اُس کی طرف مُنہ کئے کھڑا ہے۔ اور سپاہی اُس کی ایک طرف اور گواہ دوسری طرف کھڑے ہیں +

مگر تحقیقات کس طرح شروع ہونی چاہیئے ؟ یقیناً اس طرح کہ پہلے صاف طور پر اس امر کا بیان کیا جائے۔ کہ الزام کیا ہیں جو ملزم پر لگائے گئے ہیں اور اُن کا کیا ثبوت موجود ہے۔ مگر بجائے اس طور پر شروع کرنے کے "سردار کاہن نے یسوع سے اُس کے شاگردوں اور اُس کی تعلیم کی بابت پوچھا"

خیال یہ تھا کہ وہ کسی خفیہ مقصد کے لئے شاگرد جمع کر رہا ہے۔ اور اُنہیں کسی خفیہ مسئلہ کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کو کسی نہ کسی طرح توڑ مروڑ کر انقلاب سلطنت کی تدبیر ثابت کر دیا جائے۔ یسوع جو ابھی اُس بیحرمتی کے لئے بیتاب ہو رہا تھا کہ اُنہوں نے اُسے رات کی تاریکی میں گرفتار

کیا گویا کہ وہ بھاگنے کی فکر میں تھا۔ اور اُس کی گرفتاری کے لئے اتنی بڑی جماعت بھیجی ۔گویا کہ وہ کسی باغی جماعت کا سرغنہ تھا۔ اُس نے بڑی متانت سے جواب دیا۔" تُو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے۔ سُننے والوں سے پوچھ کہ میں نے اُن سے کیا کہا" اگر اب تک اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتا اور کرتا رہا ہے۔ تو اُنہوں نے اُسے پکڑا ہی کیوں ہے؟ وہ اُسے ایک خفیہ سازش کرنے والا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر وہ خود جیسا کہ خفیہ طور پر اُسے گرفتار کرنے اور آدھی رات کے وقت اُس کی تحقیقات کرنے سے ظاہر ہے۔ ہاں وہ خود تاریکی کے فرزند ہیں۔

ایسے سادہ اور دلیرانہ الفاظ اُس مقام کے سزاوار نہ تھے۔ کیونکہ وہ تو حاجت مندوں کی گڑگڑاہٹ۔ درباریوں کی چاپلوسی اور وکیلوں کی مؤدّبانہ تقریریں سُننے کے عادی تھے۔ اور ایک سپاہی نے شاید سردار کاہن کی تیکھی چتون کو تاڑ کر یسوع کے مُنہ پر طمانچہ مارا اور بولا " تو سردار کاہن کو ایسا جواب دیتا ہے؟ بیچارہ نوکر! اُس کے حق میں اچھا ہوتا کہ اُس کا ہاتھ سوکھ جاتا۔ بیشتر اس کے کہ اُسے یہ ضرب لگانے کا موقع ملتا۔ قریباً ایسا ہی واقع اور اسی مقام میں مُقدّس پولوس کو بھی پیش آیا۔ اور وہ غضبناک ہو کر ایک چُبھتا ہؤا جواب دینے سے باز نہ رہ سکا۔ مگر یسوع نے اپنے مزاج کو ہاتھ سے نہ دیا۔ مگر ایسی عدالت اور وہ بھی دینی عدالت کا کیا کہنا جو کھلی عدالت میں اپنے ایک نوکر کے ہاتھ سے ایک ایسے ملزم کے ساتھ جس پر ابھی جرم ثابت نہیں ہؤا ایسا سلوک گوارا کرے!

مگر سردار کاہن اپنے مقصد میں ناکام رہا اور اب اُس نے مجبوراً وہ طریق اختیار کیا جو اُسے پہلے ہی کرنا چاہئے تھا۔ یعنی گواہوں کو بُلوایا۔ مگر اُس میں بھی افسوس ناک ناکامی ہوئی۔ اُنہیں اس امر کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ باقاعدہ طور پر الزام تیار کرتے اور اُس کے لئے گواہ بہم پہنچاتے۔ لیکن اب وقت بھی نہیں رہا تھا۔ گواہی جوں توں پیش کرنی ضرور تھی۔ اور غالباً یہ دربار کے شاگرد پیشہ اور عدالت کے گواہی پیشہ لوگوں میں سے تھے۔ جو ٹکے ٹکے پر جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ مُقدّس متی نے صاف لکھا ہے کہ "وہ یسوع کو مار ڈالنے کے واسطے اُس کے خلاف جھوٹی گواہی ڈھونڈنے لگے"۔ یہ اُن کا مار ڈالنا تھا جو اُنہوں نے پہلے ہی سے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا۔ اور اب وہ اُس کے لئے صرف ایک قانونی حیلہ ڈھونڈ رہے تھے۔ اور اس امر کی اُنہیں کچھ پروا نہ تھی۔ کہ یہ حیلہ کیا ہونا چاہئے۔ مگر اُن کی یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔ گواہوں کی گواہی باہم متفق نہ تھی۔ اور جو کہانی وہ بیان کرتے تھے۔ بالکل ایک دوسرے سے جوڑ نہ کھاتی تھی۔ بہتوں کو آزمایا گیا۔ مگر معاملہ بد سے بدتر ہوتا گیا ۔

آخر کار دو گواہ ملے جو ایک بات میں جو اُنہوں نے اُس کی زبانی سُنی تھی باہم متفق تھے۔ اور یہ اُمید کی جاتی تھی۔ کہ اُن کی شہادت کی بنا پر فردِ جرم قائم کی جائیگی۔ اُنہوں نے اُسے یہ کہتے سُنا تھا کہ "میں اس مقدس کو جو ہاتھ سے بنی ہے ڈھاؤنگا۔ اور تین دن میں دوسری بناؤنگا جو ہاتھ سے نہ بنی ہو"۔ یہ ایک فقرہ تھا۔ جو اُس نے اپنی رسالت کے ابتدا میں کہا تھا۔ جو اعلےٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت

پر دلالت کرتا تھا۔ مگر وہ اُسے اپنے روزمرّہ کے محاورہ میں بیان کر رہے تھے۔ اگرچہ ظاہری معنوں کے لحاظ سے بھی یہ معلوم کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں کیا نقص پکڑ سکتے تھے۔ کیونکہ اگر اُس کے پہلے حصے کے یہ معنی تھے کہ وہ ہیکل کو ڈھائیگا۔ تو دوسرے حصے میں صاف وعدہ ہے کہ وُہ اُسے پھر بنا کھڑا کریگا۔ سردار کاہن خوب جانتا تھا کہ اس سے کچھ مطلب برآری نہ ہوگی۔ اور وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر اُس نے یسوع سے دریافت کیا "تو کچھ جواب نہیں دیتا؟ یہ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں؟" اُس نے ظاہراً یہ دکھانے کی کوشش کی کہ گویا اُس کے نزدیک اس قول میں کوئی بڑی سخت کفرآمیز بات چھپی ہے لیکن اس سارے اضطراب کا اصل باعث یہ تھا کہ وہ جانتا تھا کہ یہ امر بالکل بے بنیاد ہے ۞

جب گواہ ایک دوسرے کی گواہی کے بخئے ادھیڑ رہے تھے یسوع چپ چاپ سنا کیا۔ اور نہ اُس نے سردار کاہن کے اِس سوال کا کچھ جواب دیا۔ اُسے بولنے کی حاجت ہی کیا تھی۔ کیونکہ اُس کی یہ خاموشی بلند آواز سے بھی بڑھ کر صاف صاف پکار رہی تھی۔ اس سے ججوں کو خود اپنی حالت کی شرمناکی اور بیہودگی کا یقین ہو گیا۔ اور جب وہ خاموش اور پُراطمینان صورت اُن کی اس کارروائی پر بڑی تمکنت کے ساتھ نظر کر رہی تھی۔ تو اُن کا پتھر سا ضمیر بھی خود بخود بیچین ہونے لگ گیا۔ اور یہ اُس کی اس بے اطمینانی اور بے چینی کی وجہ سے تھا کہ سردار کاہن کو اپنی آواز بلند کرنے اور چلّانے کی ضرورت پڑی۞ قصہ مختصر اس دوسرے طریق میں بھی جو اُس نے اختیار کیا

تھا۔ اُسے ایسی ہی زک نصیب ہوئی۔ جیسی پہلے طریق میں۔ مگرابھی اُس کے پاس تاش کا ایک اور پتہ باقی تھا۔ اور وہ اُسے بھی کھیل بیٹھا۔ وہ اپنی چوکی پر جاکر بیٹھ گیا۔ اور یسُوع کی طرف متوجہ ہوکر بڑی مگربناوٹی سنجیدگی سے پوچھنے لگا کہ "میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں۔ کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے"۔ یا دوسرے لفظوں میں گویا اُس نے اُس سے حلفیہ اقرار مانگا کہ جو کچھ وہ اپنی نسبت دعوے کرتا ہے۔ سو بتاوے۔ کیونکہ یہودیوں کے درمیان قیدی نہیں قسم کھاتا تھا۔ بلکہ جج قسم دیتا تھا۔

یہ موقع یسُوع کی زندگی میں ایک بڑا اہم تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس نے اِس امر کو تسلیم کیا کہ سردار کاہن کو قسم دینے کا حق ہے۔ یا کم سے کم اُس نے یہ سمجھا کہ اگر اب خاموش رہوں تو یہ سمجھا جائیگا کہ میں اپنے دعوے سے باز آگیا ہوں۔ وہ درحقیقت جانتا تھا کہ یہ سؤال اُسے مجرم ثابت کرنے کی غرض سے پوچھا گیا ہے۔ اور اُس کا جواب دینا گویا اپنے لئے موت خریدنا ہے۔ مگر جس نے اُن لوگوں کو جنہوں نے مسیح کا خطاب زبردستی اُس پر تھوپنا چاہا تھا تاکہ اُسے اپنا بادشاہ بنا لیں۔ دم بخود کر دیا تھا۔ اُس نے اب اُسی خطاب کو قبول کر لیا۔ جب کہ ایسا کرنا گویا سزائے موت کا سزاوار بننا تھا۔ اور اُس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اور بڑے وثوق سے جواب دیا "ہاں۔ میں ہوں"۔ اور پھر گویا کہ اس موقع سے اُس کی خود آگاہی اور بھی زور میں آگئی اور وہ بولا۔ کہ "آگے کو تم ابن آدم کو قادرمطلق کی دہنی طرف بیٹھے۔ اور آسمان کے بادلوں کے ساتھ آتے دیکھوگے"۔ (نیز دیکھو یوحنا ۱:

اور دانیال ۷: ۱۳) - اِس وقت تو وہ اُس کے جج بنے بیٹھے ہیں لیکن ایک دن آنے والا ہے - جب وہ اُن کا جج ہوگا - وہ صرف اُس کی زمینی زندگی پر اختیار رکھتے ہیں - لیکن وہ اُن کی ابدی زندگی کا فیصلہ کریگا +

لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ مسیحی لوگ یسُوع کی نسبت ایسی ایسی باتوں کے دعویدار ہیں جن کا اُس نے خود کبھی دعوےٰ نہیں کیا - وہ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ اُس نے تو کبھی انسان سے بڑھکر اَور کچھ ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا - مگر یہ اسے خدا بنائے دیتے ہیں - لیکن یہ عظیم حلفیہ اقرار سُن کر ہر ایک حق پسند کو مسیحیوں کے اس اعتقاد کی درستی کا اقرار کرنا پڑیگا - اُس کے الفاظ کو اُن کے اصلی معنوں سے خالی کرنے اور اُن کی قیمت کو گھٹانے کی ہر طرح سے کوشش کی گئی ہے - مثلاً یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جب سردار کاہن نے سؤال کیا کہ "کیا وہ ابن اللہ ہے" تو اُس کا فقط یہی مطلب تھا کہ "کیا وہ مسیح ہے" ؟ لیکن اُس کے جواب میں جو کچھ مسیح نے اپنے حق میں کہا اُسے کیا کریں کہ "وہ قادرِ مطلق کے دہنے بیٹھیگا اور آسمان کے بادلوں پر آئیگا" ؟ کیا وہ جو انسان کا قاضی ہونے کو ہے - اور جو اُن کے دلوں کی تہ تک چھان بین کریگا - اور اُن کے اعمال کا اندازہ لگائیگا - اور اس اندازہ کے مطابق اُن کے ابدی مقام اور درجہ کا تعیّن کریگا - کیا وہ محض انسان ہو سکتا ہے ؟ سب سے عظیم اور عقیل انسان بھی خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک انسان کی تاریخ میں بلکہ ایک ننھے بچّے کے دل میں بھی ایسے ایسے اسرار و راز مخفی ہیں - جن کی تہ کو وہ کبھی نہیں پہنچ سکتے - محض انسان ایک دوسرے انسان کی خصلت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا - نہیں بلکہ وہ خود اپنے آپ کو بھی ٹھیک ٹھیک نہیں جانچ سکتا +
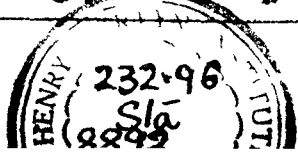
مگر یہ عظیم الشان اقرار اُس نظارہ کے پایہ کو کس قدر بلند کر دیتا ہے۔ ہم اب اُن چھوٹے چھوٹے آدمیوں اور اُن کی کمینہ کارروائیوں کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ وہاں ایک ابن آدم تمام عالم کے سامنے اپنے حق میں شہادت دیتا ہؤا نظر آتا ہے۔ ہمیں اب اس کی کیا پروا ہے کہ وہ یہودی جج اُس کے حق میں کیا کہینگے! یہ عظیم اقرار اُس وقت سے لیکر سب زمانوں میں برابر گونجتا چلا آیا ہے۔ اور ایک عالم بھر کا دل جب اسے اُس کی زبان سے سُنتا ہے تو خواہ مخواہ آمین پکار اُٹھتا ہے ❊

آخر کار سردار کاہن کا مطلب نکل آیا۔ کفر کے کلمات سُننے پر جیسا کہ سردار کاہن کو لازم تھا اُس نے اپنے کپڑے پھاڑے۔ اور اپنے رفیقوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا "اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ تم نے یہ کُفر سُنا"۔ اور اُن سب نے اتفاق رائے ظاہر کیا کہ یسوع مجرم ہے۔ اور سزائے موت کا سزاوار ہے ❊

بعض اوقات ایک نیک دل آدمی کو بھی ان واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ خیال ستایا کرتا ہے کہ یسوع کے ججوں نے جو کچھ کیا اپنے ضمیر کے فتوے کی پیروی میں کیا۔ کیا یہ اُن کا فرض نہ تھا۔ کہ جب کوئی مسیح ہونے کا دعویدار ہو کر اُن کے سامنے آئے تو اس بات کی تحقیقات کریں کہ آیا اُس کا یہ دعوےٰ سچا ہے یا جھوٹا؟ اور کیا وہ سچے دل سے یہ یقین نہ رکھتے تھے کہ یسوع جس امر کا دعویدار ہے وہ درحقیقت نہیں ہے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ سچے دل سے ایسا یقین رکھتے تھے۔ مگر ہمیں اس سے پہلے زمانہ کے حالات پر غور کرنا چاہیئے پیشتر اس کے کہ ہم اُن کے چال چلن پر صحیح طور سے حکم

لگا سکیں۔ اُن کی گمراہی اُس وقت سے شروع ہوئی۔ جب کہ پہلے
پہل یسوع کے دعاوے اُن کے سامنے پیش کئے گئے۔ اُسے جیسا
کہ وہ تھا۔ فقط اُمّیدوار اور منتظر پاک دل ہی قبول کرنے کی قابلیت
رکھتے تھے۔ مگر یہودیہ کے دینی حاکم اس وقت دل کی اس حالت
سے کوسوں دور تھے۔ وہ اُس کی حقیقت کو سمجھنے کی ہرگز قابلیت
نہیں رکھتے تھے۔ اور اُس میں اُنہیں کوئی ایسی مرغوب صورتی نظر
نہیں آتی تھی کہ وہ اُس کے خواہشمند ہوتے۔ جیسا کہ وہ خود
بھی اُنہیں کہا کرتا تھا کہ جس حالت میں وہ ہیں۔ اُس حالت
میں وہ ہرگز اُس پر ایمان نہیں لاسکتے۔ قصور اس قدر اس امر میں
نہیں تھا کہ اُنہوں نے کیا کِیا۔ بلکہ اس میں کہ اُن کی اپنی حالت
کیسی بُری تھی۔ چونکہ اُنہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا تھا
اس لئے وہ آخر تک اُسی راستہ پر چلتے گئے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے
کہ جس قدر روشنی اُنہیں ملی تھی وہ اُسی کے مطابق چلے۔ مگر روشنی
جو اُن میں تھی وہ درحقیقت تاریکی تھی۔ مگر اُن کے اس موقع کی
کارروائی کو دیکھ کر جو شخص اُس پر توجّہ سے غور و فکر کریگا۔ اُس کا
دل ہرگز اُن کی طرف نرم نہ ہوگا۔ اُن کی اس وقت کی کارروائی
میں ہرگز عدل و انصاف کی بو بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اُس وقت نہ تو
اُس پر کوئی باقاعدہ الزام لگایا گیا۔ نہ باقاعدہ گواہی پیش کی
گئی۔ اور نہ اُنہیں اس بات کا ہی خیال آیا کہ ملزم کو بھی اپنی
صفائی کی شہادت پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ وہ خود ہی مدّعی
تھے۔ اور خود ہی جج۔ فتوےٰ پہلے ہی سے مقرّر ہو چکا تھا۔ اور

اس ساری کارروائی کو ایک طرح کا جال کہنا چاہئیے۔ جو اس غرض سے بچھایا گیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے ملزم کے مُنہ سے کوئی ایسی بات کہلوائیں جس سے وہ خود پھنس جائے۔ اور اُنہیں اُس پر فتوے لگانے کی حجّت مل جائے[1] +

لیکن جو کچھ اُنہوں نے فتوے لگانے کے بعد کیا۔ اُس کی وجہ سے وہ آئندہ نسلوں کے فیاض اور انصاف پسند لوگوں کی ہمدردی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ عدالت گاہ میں تمکنت اور عزّت کا لحاظ ہونا چاہئیے۔ جب کسی بڑے مُقدّمہ کی تحقیقات ہوتی ہو اور ایک سنگین فتوے دیا جائے۔ تو اُس کی ججوں کے مزاج پر بھی تاثیر ہونی چاہئیے۔ بلکہ مجرم پر بھی جب کہ اُس پر موت کا فتوے دیا جائے ایک قسم کے رُعب داب کا غلبہ ہونا چاہئیے۔ مگر وہ ضرب جو ایک ادنےٰ ملازم نے تحقیقات کے شروع ہی میں ملزم کے چہرہ پر لگائی۔ اور اُس سے کسی نے اُس کی بازپُرس نہ کی۔ یہی بات اُن لوگوں کے دل کی اُس وقت کی حالت کو بخوبی آشکارا کرتی ہے +

اُن کے دل میں ہرگز کسی قسم کی سنجیدگی یا تمکنت کا ذرہ بھی موجود نہ تھا۔ جو کچھ وہ اُس وقت اپنے اندر محسوس کرتے تھے سو فقط انتقام اور کینہ کا جذبہ تھا جس کے پورا کرنے کے لئے وہ اپنے

---

[1] چنانچہ خود جوسیفس نامی ایک یہودی مؤرّخ اِس کو خون کے نام سے پکارتا ہے۔ مگر وہ یہ یقین نہیں کرتا۔ کہ اُس موقع پر کوئی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تھی اور ایڈرشائیم صاحب بھی اس امر میں اُس سے متفق ہیں +

مخالف کو جس نے اُن کو نقصان پہنچایا تھا معدوم کرنا چاہتے تھے اِس قسم کی حسّات کا سمندر عرصہ سے اُن کے دلوں میں اُمڈ رہا تھا۔ اور اب جُونہی اُس نے موقع پایا۔ وہ پھوٹ نکلا۔ اُنہوں نے اُسے لکڑیوں سے مارا۔ اُس کے مُنہ پر تھوکا۔ اور اُس کے سر پر کپڑا ڈال کر او ٹھوکریں لگا کر پوچھنا شروع کیا کہ "مسیح۔ نبوّت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟"۔ کاش کہ یہ فقط ادنٰے درجہ کے کمینہ لوگ ہی ہوتے۔ جنہوں نے ایسا برتاؤ کیا ہوتا۔ مگر انجیلی بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے آقاؤں نے ایسا کیا۔ اور اُن کے نوکروں نے اُن کی تقلید کی +

آدمی کے اندر خوفناک باتیں بھری پڑی ہیں۔ اُس کی فطرت میں بعض ایسے گہراؤ ہیں۔ جن میں نظر کرنے سے خوف آتا ہے۔ یہ مسیح کی کاملیت تھی۔ جس کے سبب سے اُس کے دشمنوں کی گہری سے گہری شرارت باہر نکل آئی۔ ملٹن کی مشہور نظم متعلقہ نقصان فردوس میں ایک فقرہ ہے۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت فردوس میں شیطان کی تلاش میں جو وہاں چھپا ہؤا تھا بھیجی گئی۔ اُنہوں نے اُسے "ایک مینڈک کی شکل میں حوّا کے کان کے پاس بیٹھے ہوئے پایا"۔ اُسے دیکھ کر ایک فرشتے نے جو اُس جماعت میں سے تھا۔ اُسے اپنی برچھی سے چھؤا۔ جس پر وہ دفعتاً متنبّہ ہو گیا۔ اور فوراً اپنی اصلی شکل اختیار کر لی کیونکہ ؎ روحانیوں کے سامنے جھوٹ اپنی آب و تاب

کھو بیٹھتا ہے اور اُلٹ دیتا ہے نقاب

لہ اس سبب سے کہ اُس نے مسیح اور نبی ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ برخلاف اِس کے رومیوں نے اُسے بادشاہ کہکر اُس کی تضحیک کی +

مگر کامل نیکی کے مساس سے اکثر اُلٹا اثر پیدا ہوتا ہے - یہ فرشتے کو مینڈک کے صورت میں تبدیل کر دیتی ہے - جو بدی کی اصلی صورت ہے ✤

مسیح اب اپنے دشمن سے بالکل رُو برُو تھا - جس پر غالب آنے کے لئے وہ اس دنیا میں آیا تھا - اور جب آخری کشتی کے لئے اُس نے مسیح پر ہاتھ ڈالا تو اپنی تمام بدصورتی اور بھیانک پن کو ظاہر کر دیا اور اپنا سارا زہر اُس پر اُگل دیا - اژدہا کا پنجہ اُس کے گوشت میں گڑا تھا اور اُس کے بدبودار سانس اُس کے مُنہ پر تھے - ہم اُس بے عزتی اور بےحرمتی کا جو اُس وقت مسیح کی سریع الحس اور شاہانہ طبیعت نے برداشت کی - پورا تصور نہیں باندھ سکتے - لیکن اُس نے اپنے دل کو مضبوط کر لیا کہ سب کچھ برداشت کرے - مگر ہمت نہ ہارے - کیونکہ وہ اِس لئے آیا تھا کہ گناہ کے حق میں موت ثابت ہو - اور اسی گناہ کے لئے موت بننے سے دنیا کی نجات تھی ✤

پطرس کا انکار

ہمارے خداوند کے دینی عدالت کے سامنے پیش ہونے کے متعلق ایک اور ضمیمہ سا ہے جس پر تھوڑی دیر کے لئے غور کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ٹھیک اُسی وقت جب کہ سردار کاہن کے گھر کے ایوان میں یسوع اپنا عظیم الشان اقرار کر رہا تھا۔ اُس کا ایک شاگرد اُسی مکان کے صحن میں انکار پر انکار کر رہا تھا ⁘

۱

جب یسوع کو گتسمنی میں باندھ کر یروشلم میں لے گئے۔ تو اُس کے تمام شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ باغ کے درختوں اور جھاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ اور وہاں سے اردگرد کے گاؤں میں یا جہاں کہیں جس کے سینگ سمائے بھاگ گئے ⁘

مگر بارھوں میں سے دو یعنے مقدّس پطرس اور یُوحنّا جو یہ قصّہ بیان کرتا ہے بہت جلد پہلی گھبراہٹ کے اثر سے نکل کر کچھ فاصلہ پر اُس جماعت کے پیچھے پیچھے جو اُن کے خداوند کو پکڑے ہوئے

لے جا رہی تھی چلے گئے۔ کبھی تو درختوں کے سایہ میں۔ اور کبھی گھروں کے سایہ میں پناہ لیتے ہوئے وہ برابر اُس جماعت کے پیچھے پیچھے لگے رہے۔ آخرکار جب وہ منزلِ مقصود پر جا پہنچے۔ یعنے سردار کاہن کے محل پر تو فی الفور بزدلی تمام آگے بڑھے۔ اور مُقدس یوحنّا جماعت کے ہمراہ مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ مگر کسی وجہ سے۔ شاید اس وجہ سے کہ اُسے حوصلے نے جواب دے دیا۔ مُقدس پطرس باہر گلی میں کھڑا رہ گیا۔ اور دروازہ بند ہو گیا۔

جو کچھ بعد میں واقع ہؤا۔ اُس کے سمجھنے کے لئے ایک ایسے محل کی۔ جیسا کہ سردار کاہن کا تھا۔ عمارت کے نقشہ کا سمجھنا ضروری ہے باہر گلی میں ایک بڑا محراب دار دروازہ تھا۔ جس میں بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوئے تھے۔ جب دروازہ کھلتا ہے۔ تو اندر ایک چوڑا مسقف راستہ دکھائی دیتا ہے۔ جو سامنے کی عمارت تک چلا گیا ہے۔ اور وہاں ایک صحن میں داخل ہوتا ہے۔ جو اُوپر سے بالکل کھلا ہے۔ اور جس کے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اور اُن سب کے دروازہ اور کھڑکیاں اندر کی طرف اُسی صحن میں کھلتے ہیں۔ اِس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مذکورہ بالا راستہ میں بیرونی دروازہ کے اندر ایک طرف کو ایک یا زیادہ چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہیں۔ جن میں دربان رہتا ہے۔ جس کا کام دروازہ کو کھولنا اور بند کرنا ہے۔ اور اِن بڑے پھاٹک میں ایک اور چھوٹا سا دروازہ ہے۔ جس میں سے لوگ آتے جاتے ہیں۔

جب یہ بڑی جماعت یسوع کو لئے ہوئے محل کے سامنے

پہنچی تو بلاشبہ دربان نے اُن لوگوں کے داخل کرنے کے لیئے دروازہ کھول دیا اور پھر بند کردیا گیا ہوگا۔ وہ محرابی راستہ سے ہوتے ہوئے صحن میں جا پہنچے اور اُس میں سے گذر کر ایک دالان میں جا داخل ہوئے۔ مگر پولیس اور دیگر ملازم جو اس گرفتاری میں شریک تھے۔ اُن کا کام اب ہو چکا تھا۔ اِس لئے وہ باہر صحن میں ہی کھڑے رہے۔ اور چونکہ اب آدھی رات کا وقت تھا۔ اور سردی پڑ رہی تھی۔ اُنہوں نے وہیں باہر آگ جلائی۔ اور اُس کے گرد اگرد جمع ہو کر تاپنے لگے ✦

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یوحنّا جماعت کے ہمراہ اندر چلا گیا۔ مگر پطرس باہر ہی کھڑا رہ گیا۔ یوحنّا جو باقی بارھوں میں سے زیادہ صاحبِ عزت و ثروت معلوم ہوتا ہے سردار کاہن سے واقف تھا۔ اور اس لئے غالباً محل میں آمدورفت ہونے کے سبب نوکر چاکر اُسے پہچانتے تھے۔ اور جب اس نے دیکھا کہ پطرس باہر رہ گیا ہے۔ تو وہ دربان کے پاس گیا۔ اور اُسے کہکر پطرس کو کھڑکی کے راستہ اندر بُلا لیا ✦

اُس نے تو اپنی طرف سے دوستی کا حق ادا کیا۔ لیکن جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہؤا۔ یہ پطرس کے حق میں اچھا ثابت نہ ہؤا۔ یوحنّا نے ایک طرح پطرس کو آزمائش کے چنگل میں گرفتار کرا دیا۔ عمدہ سے عمدہ دوست بھی بعض اوقات ایسے فعل کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک موقع جہاں ایک شخص بلا خوف و خطر جا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے کے حق میں نہائت خطرناک ثابت ہو۔ ایک آدمی ایک قسم کے لوگوں سے بلا تکلف میل ملاپ رکھے۔ اور نقصان نہ اُٹھائے۔ لیکن دوسرے کے

لئے اُسی جماعت کی رفاقت زہر قاتل کا کام دے۔ ایسے اشغال تفریح بھی ہیں۔ جن میں ایک مسیحی بلا خوف شامل ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسرا اگر اُسے چھُو جائے۔ تو برباد ہو جائے۔ ایک پختہ کار اور تربیت یافتہ آدمی ایک قسم کی کتابوں کو بلا خوف ضرر مطالعہ کر سکتا ہے۔ جو دوسرے آدمی ہیں جو اُس سے کم تجربہ کار ہے۔ دوزخ کی آگ پھونک دیتی ہیں۔ ہمیشہ ہر ایک آزمائش دو چیزوں سے مرکّب ہوتی ہے۔ ایک طرف تو خاص قسم کے حالات ہوتے ہیں۔ جن سے آدمی کو سابقہ پڑتا ہے۔ اور دوسری طرف اُس شخص کی۔ جو اُس حالت میں داخل ہوتا ہے۔ خاص خصلت و مزاج اور گذشتہ زندگی کی تاریخ ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے کو یا کسی دوسرے کو کسی آزمائش سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ دونو باتیں یاد رکھنی چاہئیں *

۲

یُوحنّا یلا شبہ پطرس کو دروازہ کے اندر داخل کر کے فی الفور اُس دالان کی طرف جہاں یسُوع تھا چلا گیا تاکہ دیکھے کہ وہاں کیا کارروائی ہو رہی ہے *

مگر پطرس نے ایسا نہ کیا۔ وہ اُس مقام سے ایسا واقف نہ تھا جیسا کہ یُوحنّا۔ اور وہ غالباً ایسے بڑے محل کے اندر رونق کو دیکھ کر کچھ ہکّا بکّا سا رہ گیا جیسے کہ دیہاتی لوگ عمر میں پہلی دفعہ کسی عظیم الشّان شہر میں جا کر حیرت زدہ سے ہو جایا کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اُس کے دل میں یہ خوف بھی تھا۔ کہ کہیں لوگ اُسے پہچان کر کہ وہ بھی یسُوع کے پیرووں میں سے ہے گرفتار نہ کر لیں۔ نیز اب اُس کم بخت ضرب نے جو وہ گتسمنی کے دروازہ پر

ملکوس کے لگا بیٹھا تھا۔ اُس کی دقت کو اور بھی بڑھا دیا ہوگا۔ کیونکہ اس کے سبب اُس کے پہچانے جانے کا خدشہ اور بھی زیادہ ہو گیا ؛

اِس لئے وہ فقط پھاٹک کے اندر ہی سے اور اُسی محرابی راستہ کی تاریکی میں کھڑا ہوا دیکھا کیا کہ اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ مگر اُسے خبر نہ تھی کہ دربان عورت اپنی چوکی پر بیٹھی اُسے تاڑ رہی ہے۔ اُس کی طبیعت بےچین ہو رہی تھی۔ کیونکہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے۔ یُوحنّا کی طرح اُسے حوصلہ نہ تھا کہ بڑے دالان کے اندر چلا جائے۔ شاید اُس کا دل کچھ کچھ اس امر کا خواہشمند بھی تھا کہ اچھا ہوتا کہ پھر گلی میں نکل جاتا۔ کیونکہ وہ اپنے کو ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا دام میں جا پھنسا ہے ؛

آخرکار وہ آگے بڑھ کر اُس جماعت میں جو آگ کے گرداگرد جھرمٹ کئے ہوئے تھی۔ جا بیٹھا اور آگ تاپنے لگا۔ اس جماعت میں مختلف قسم کے اشخاص شامل تھے۔ اور اس لئے کسی نے اُس کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور وہ بھی اُن میں ایسا جا ملا گویا اُنہیں میں سے تھا ؛

مگر یہ ایک دوسرے معنی میں جس کا اُسے خیال بھی نہیں تھا۔ ایک خوفناک حالت تھی۔ اُسے تو اپنے بدن کا خوف ہو رہا تھا۔ مگر اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ اُس کی رُوح معرضِ خطرہ میں ہے۔ حالانکہ یہ خطرہ اُس کے قریب ہی منڈلا رہا تھا۔ یہ بات ہمیشہ خطرناک ہوتی ہے جب کہ یسُوع کا شاگرد یسُوع کے دشمنوں کے درمیان جا بیٹھتا ہے۔ مگر اُنہیں بتاتا نہیں کہ وہ کون ہے "مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا۔ اور خطاکاروں کی راہ پر کھڑا نہیں رہتا اور ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلس میں نہیں بیٹھتا" یہ اغلب ہے کہ جب پطرس اُن لوگوں کے درمیان جا کر

بیٹھا تو تمام مکان یسوع کے خلاف ٹھٹھے اور تمسخر سے گونج رہا تھا۔ مگر اُس نے اُنہیں نہ روکا۔ وہ بالکل خاموش رہا۔ بلکہ ظاہراً جہاں تک ممکن تھا۔ اُن ٹھٹھا کرنے والوں کی سی صورت بنانے کی کوشش کی ہو گی۔ مگر مسیح کا اقرار نہ کرنا اُس سے انکار کرنے کا پہلا قدم ہے ؛

آزمائش جیساکہ اُس کا قاعدہ ہے۔ بالکل اچانک اور ایک ایسی جانب سے آئی۔ جہاں سے آنے کی ہرگز اُس کو اُمید نہ تھی۔ جیساکہ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں جب کہ وہ محرابی راستہ کے نیچے چھپ رہا تھا۔ اُس کی حرکات کو دربان عورت خوب تاڑ رہی تھی۔ اُن سے خواہ مخواہ دیکھنے والے کے دل میں شبہ پیدا ہوتا تھا۔ اور وہ اپنی زنانہ سُوجھ کے ساتھ فی الفور اُس کے راز کو تاڑ گئی۔ اِس لئے جب وہ اپنے پہرہ سے چھُوٹی۔ تو اُس نے نہ صرف دُوسری دربان عورت کو اشارہ سے اُسے بتا دیا۔ بلکہ جو کچھ اُس کے دل میں اُس کی نسبت خیال تھا وہ بھی جتا دیا۔ اور جب اپنے کمرہ کو جانے لگی۔ تو وہ آگ کی طرف جہاں سپاہی بیٹھے تھے۔ بڑھی۔ اور پطرس سے آنکھیں دوچار کر کے بڑی کینہ وری سے کہنے لگی "یہ بھی ناصری کے پیروؤں میں سے ہے" ؛

پطرس یہ سُن کر بالکل حیران و ششدر رہ گیا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہؤا کہ گویا اُس کے چہرہ پر سے ایک نقاب اُتار دیا گیا ہے۔ دفعتہً خوف و ہراس اُس پر ایسا غالب آیا کہ اَور سب کچھ بھُول گیا۔ شاید اِس امر سے بھی اُسے کچھ شرم آئی ہو گی۔ کہ اپنے کو اُس شخص کا شاگرد ظاہر کرے۔ جس کی

سب لوگ ہنسی اُڑا رہے تھے۔ اِس میں ایک اَور شرم کی بات بھی تھی۔ بھلا وہ اب کس طرح اپنے کو اُس شخص کا شاگرد ظاہر کر سکتا تھا۔ جس کی ہتک اور تحقیر کو وہ چُپ چاپ سنتا رہا۔ اور اُس کی حمائت میں اب تک مُنہ نہ کھولا۔ وہ پہلے اپنے فعل سے اپنے آقا کا انکار کر چکا تھا۔ پیشتر اس کے کہ اُس نے زبان سے ایسا کیا۔ بلکہ اُس کے فعل نے اِن الفاظ کو ایک طرح سے لازمی ٹھہرا دیا۔ اور اب وہ چیں بجبیں ہو کر بولا "میں نہیں جانتا تُو کیا کہتی ہے"۔ اور اُس عورت نے ہنستے ہوئے۔ گویا اِس طور سے اپنا کام سرانجام کر کے اپنی راہ لی +

اِس کے بعد کسی نے بھی اس بات کا ذکر نہ کیا۔ مگر پطرس بےچین ہو رہا تھا۔ اور جس قدر جلد ہو سکا۔ آگ کے پاس سے اُٹھ کر چل دیا وہ پھر اُسی محرابی راستہ میں جا دبکا۔ اور ظاہراً اُس کا یہ منشا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ہو سکے۔ تو وہاں سے نکل جائے۔ مگر یہاں دام کا دروازہ بند ہو رہا تھا۔ اور دوسری عورت جسے اُس کے رفیق نے پطرس کے حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ اور جو غالباً دور ہی سے اپنے رفیق کی چوٹ پر ہنستی رہی ہو گی۔ دو تین آدمیوں کے ہمراہ اپنے پہرے پر کھڑی تھی۔ اور جب وہ اُس کی طرف بڑھا۔ تو اشارہ کر کے کہنے لگی۔ "یہ بھی ناصری کے پیروؤں میں سے ہے"۔

بیچارہ پطرس! ایک عورت کے ہاتھ نے پھر اُسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ لیکن کتنی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت کی کترنی زبان اور تمسخر آمیز قہقہہ آدمی کو اعلےٰ اور مقدس باتوں کی طرف سے شرما دیتا

ہے۔ پطرس نے غصہ سے قسم کھائی۔ اور اُلٹے پاؤں لوٹ کر پھر آگ کی طرف چلا گیا +

اب وہ بالکل حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اور خود داری کو کھو بیٹھا تھا اُس کے دل میں مختلف جذبات جوش مار رہے تھے۔ اور امن چین سے بیٹھنا اُس کے لئے ناممکن تھا۔ ایسی صورت بنا کر جس سے دلیری اور بے پروائی ظاہر ہوتی تھی۔ وہ بات چیت میں شریک ہو گیا۔ اور سب سے بڑھ بڑھ کر بڑا نے لگا۔ تاکہ کوئی شخص اُس پر شک و شبہ نہ کرے۔ مگر ایسا کرنے سے اُلٹا اُس نے اپنے اصلی مُدعا کو کھو دیا۔ کیونکہ اس سے سب کی آنکھیں اُسی کی طرف پھر گئیں۔ اور جس قدر وہ زیادہ جوش میں آتا گیا۔ اُسی قدر وہ زیادہ غور سے اُسے گھورنے لگے۔ مالکوس جس کا کان اُس نے اُڑا دیا تھا۔ اُس کے ایک رشتہ دار نے اُسے پہچان لیا۔ اُس کی بلند گنوارے آواز اور گلیل کے خاص لہجہ نے دوسروں کے دل میں بھی شک پیدا کر دیا۔ رات کے وقت بیکار بیٹھے بیٹھے اُنہیں ایک اچھا شغل ہاتھ لگ گیا کہ آؤ اسے پھانسنے کی کوشش کریں۔ اور سب کے سب مل کر اب شکار کے پیچھے ہوئے +

پطرس اب بالکل اپنے کو کھو بیٹھا تھا۔ جیسا کہ سانڈ کو تماشہ گاہ میں ہر طرف سے حملہ کر کے برچھیوں کی ضربیں لگاتے ہیں۔ وہ غضبناک غصہ اور خوف و شرم کے مارے دیوانہ سا ہو گیا۔ اور انکار پر انکار کرنا شروع کیا۔ اور ساتھ ہی اپنے مخالفوں کو بُرا بھلا کہنے لگا +

آخر الذکر عادت گویا اُس کی قدیم ماہیگیری کی زندگی کا اعادہ تھا۔ جو عرصہ سے مر کر دفن ہو چکی تھی۔ پطرس کے سے مزاج والے آدمی سے ہم

اُمّید کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی جوانی کے زمانہ میں ضرور گالی گلوچ اور بد زبانی کا عادی ہوگا۔ وہ ضرور شورہ سر آدمی ہوگا۔ اور مُنہ میں جو آتا ہوگا بک دیتا ہوگا۔ یہ ایسا گناہ ہے کہ جس کی قدرت عموماً دل کی تبدیلی کے وقت یک قلم ٹوٹ جایا کرتی ہے۔ اگرچہ دوسرے گناہ ہیں۔ جو سالہا سال تک پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور اُن کی بوٹی بوٹی کو علٰحدہ علٰحدہ صلیب پر کھینچنا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بدزبانی اکثر آناً فاناً میں مر جایا کرتی ہے۔ مگر اِس صورت میں بھی گذشتہ زندگی کی بُرائیوں سے کامل چھٹکارا مشکل ہے۔ پطرس میں ظاہراً یہ گناہ اُس کے دل کی تبدیلی کے وقت مُردہ معلوم ہوتا ہوگا۔ سالہا سال تک یہ بالکل مُردہ اور مدفون رہا۔ لیکن جب مناسب موقع ہاتھ لگا۔ تو دیکھو وہ اپنے پُورے زور و طاقت میں نمایاں ہوگیا۔ گناہ کی پُرانی عادتوں کو قتل کرنا مشکل کام ہے۔ کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم نے اُنہیں مار کر دبا دیا ہے۔ لیکن کیا کبھی کبھی ہم کو زمین کے نیچے سے کھٹکھٹانے کی آواز نہیں آیا کرتی؟ کیا کبھی کبھی ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ گویا مُردہ اپنے تابوت میں کروٹ لے رہا ہے۔ اور اُس کی قبر کے اوپر کی مٹی ہل رہی ہے۔ جو دن ہم نے جسمانی اور نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں خرچ کئے ہیں۔ اُن کی یہی سزا ہے۔ جو آدمی کبھی شرابی یا زانی۔ دروغ گو یا بدزبان رہ چکا ہے۔ اُسے مرتے دم تک بڑی ہشیاری سے اپنی خبرداری کرنی ضرور ہے۔ اور اُس قبر پر جہاں اُس کی گذشتہ زندگی مدفون ہے۔ پہرا دینا چاہئے۔

مگر اُس کی یہ دیوانگی بھی اُس کے کام آگئی۔ جب وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ مسیح کا نہیں ہے۔ تو اُس بدزبانی سے بڑھ کر اُسے شائد بہتر

علاج نہ ملتا جب اُسنے انہیں یقین دلانا چاہا کہ وہ اُستاد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا تو اُنہوں نے اُس کا یقین نہ کیا۔ لیکن جب اُس نے اِس طرح کی بدزبانی اختیار کی تو اُنہیں اُس کی بات پر شبہ نہ رہا۔ وہ جانتے تھے کہ مسیح کا کوئی پیرو اِس قسم کی باتیں نہ کریگا۔ جیسی کہ پطرس کر رہا تھا۔ یہ مسیح کے حق میں ایک نہائت عمدہ شہادت ہے کہ جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ بھی اُس کے شاگردوں سے نیک گوئی اور نیک چلنی کی اُمّید رکھتے ہیں۔ اور اگر اُن میں سے جو اُس کے نام سے کہلاتے ہیں۔ کوئی شخص ایسے کام کر بیٹھے۔ تو اُنہیں بڑا تعجّب ہوتا ہے۔ جو اگر وہ دوسروں کو ایسا کرتے دیکھے تو ایک معمولی بات سمجھ کر اُس کی کچھ پروا نہ کرتے ۔

۴

جب پطرس اس انکار و بدزبانی کی وحشت میں گرفتار تھا۔ تو دفعتاً اُس نے دیکھا کہ اُس کے سنانے والوں کی آنکھیں اُس کی طرف سے ہٹ کر کسی اور چیز کی طرف لگ گئی ہیں[۱]۔ یہ یسُوع تھا جس پر اُس کے دشمنوں نے عدالت میں فتوے لگا دیا تھا۔ اور اب اُسے گالیاں دیتے اور زدو کوب کرتے ہوئے صحن میں سے ہوتے ہوئے حوالات کی طرف لے جا رہے تھے۔ جہاں اُسے دو تین گھڑی تک زیر نگرانی رکھنا ضرور تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ دوبارہ عدالت کے رُوبرُو پیش کیا جائے۔ جب یسُوع دالان سے

[۱] یہاں پطرس کی بیداری کا جو حال درج ہے۔ اُس کے لئے ہم مُقدس لوقا کے ممنون ہیں۔ مگر وہ بھی مُرغ کے بانگ دینے کا ذکر کرتا ہے۔ جو دوسرے انجیل نویسوں کے نزدیک اُس کے از سرِ نو متنبّہ ہونے کا باعث تھا۔ اِس امر پر یقین کرنے میں کچھ مشکل نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اِس قسم کی دلی تبدیلی کے واقع ہونے میں مختلف باتوں نے مدد دی ہو ۔

نکل کر صحن میں داخل ہؤا۔ تو اُس کے کانوں میں اُس کے شاگرد کی آواز پہنچی۔ اور ایک ناقابل بیان ضرب سے مجروح ہو کر وہ فی الفور اُدھر کو جدھر سے آواز آئی تھی۔ متوجہ ہؤا۔ ٹھیک اُسی وقت پطرس بھی لَوٹ کر دیکھنے لگا۔ اور اُن کی آنکھیں دو چار ہوئیں۔ یسُوع نے ہرگز لب نہ کھولے۔ کیونکہ اگر اُس وقت اُس کی زبان سے ایک لفظ بھی نکل جاتا۔ تو اُس کے شاگرد پر آفت آجاتی۔ نہ وہ ٹھیر سکتا تھا کیونکہ سپاہی اُسے کھینچے لئے جاتے تھے۔ مگر فقط ایک لحہ بھر کے لئے اُن کی آنکھیں مل گئیں۔ اور رُوح نے رُوح کو دیکھ لیا ✦

کون کہہ سکتا ہے کہ یسُوع کی اس نظر میں کیا تھا۔ ایک نگاہ میں ایک عالم کی سمائی ہے۔ اور بعض اوقات تو جس قدر صفائی سے نگاہ ایک بات کو ادا کرتی ہے۔ وہ بیشمار الفاظ سے بھی ناممکن ہوتی ہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں سوجھا دیتی ہے۔ جو شائد لبوں سے کبھی نہ نکل سکتیں۔ رُوح رُوح کے ساتھ آنکھوں ہی کے ذریعہ سے بات کرتی ہے۔ ایک نگاہ میں یہ طاقت ہے کہ چاہے تو بہشت کا چین بخش دے چاہے مایوسی کے جہنّم میں ڈال دے ✦

یسُوع کی نگاہ نے اُس وقت ایک افسون کا کام دیا۔ جس نے اُس جادو کی زنجیر کو جس میں پطرس جکڑا ہؤا تھا۔ پاش پاش کر دیا۔ گناہ کو ہمیشہ ایک عارضی دیوانگی سمجھنا چاہئے۔ اور موجودہ صورت میں تو یہ امر صاف ظاہر ہے۔ پطرس خوف۔ غضب اور برآشفتگی سے ایسا وحشی اور دیوانہ ہو رہا تھا کہ اُسے سُدھ بُدھ نہ تھی کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ لیکن یسُوع کی نگاہ نے اُس کے حواس بجا کر دئے۔ اور وہ فی الفور آدمی بن گیا۔ وہ فی الفور سر پر پاؤں رکھ کر دروازہ کی طرف بھاگا۔ اور اب کوئی چیز اُس کی سدِّ راہ نہ ہوئی۔ وہ بغیر کسی پس وپیش کے دربان عورت اور اُس کے ہمراہیوں کے پاس سے گذر گیا۔ کیونکہ اگر سچ پوچھو

تو آزمائش کا دام درحقیقت ایک خیالی چیز ہے۔ ایک مستقل مزاج آدمی کے لئے وہ کوئی روک پیدا نہیں کر سکتی +

مگر اس کے علاوہ یسوع کی نگاہ بطور آئینہ کے تھی۔ جس میں پطرس نے اپنے آپ کو دیکھ لیا۔ اُس نے دیکھ لیا کہ یسوع کے دل میں اُس کی نسبت کیا خیال ہے۔ گذشتہ زمانہ کی باتیں اُسے فی الفور یاد آگئیں۔ وہی تھا جس نے ایک عظیم الشان ناقابل فراموش موقع پر مسیح کا اقرار کیا تھا۔ اور اُس سے شاباش لی تھی۔ وہی تھا جس نے ابھی چند ہی گھڑیاں گذریں۔ سب سے بڑھ کر یہ دعوے کیا تھا کہ وہ اپنے اُستاد کا کبھی انکار نہ کریگا۔ اور اب اُس نے اُسے ترک کر دیا۔ نہیں بلکہ اُس کے دل کو ایسی بُری بنی کے موقع پر زخمی کر دیا۔ اُس نے اپنے کو اُس کے دشمنوں کے گروہ میں شامل کر دیا۔ اور قسموں اور لعنتوں کے ساتھ اُس کے مُقدّس نام کو پامال کیا۔ وہ شاگردی کے رُتبہ کو چھوڑ کر پھر ایک دفعہ اپنی بیدین جوانی کی حالت کو عود کر گیا +

وہ اب عہد شکن اور نمک حرام آدمی تھا۔ یہ سب باتیں اُسے مسیح کی اُس ایک نگاہ میں نظر آگئیں۔ مگر اُس نگاہ میں اِس سے بھی بڑھ کر کچھ تھا۔ وہ بچانے والی نظر تھی۔ اگر کوئی شخص اُس وقت پطرس کو ملتا۔ جب کہ وہ اُس مقام سے بھاگا ہوا جا رہا تھا۔ تو وہ ضرور اُس کی سلامتی کے لئے خوفزدہ ہو جاتا۔ بھلا وہ کہاں بھاگا ہوا جا رہا ہے؟ کیا اُس کراڑے کی طرف جہاں سے چند گھنٹہ بعد یہوداہ نے اپنے کو گرا کر ہلاک کر دیا؟ پطرس بھی اِس سے بہت دور نہ تھا۔ اگر اُس وقت جبکہ اُن کی آنکھیں دوچار ہوئیں۔ یسوع کی نگاہ غضب آلود نظر آتی۔ تو غالباً اُس کا بھی یہی حشر ہوتا +

مگر یسوع کی نظر میں غصّہ کا نام نشان نہ تھا۔ بلاشبہ وہ دردناک تو تھی۔

اعنا اُس سے بہت کچھ مایوسی ظاہر ہوتی تھی۔ مگر اِن سے بھی گہری۔ ہاں اُن کے نیچے سے نکل کر اور اُن پر غلبہ پاتی ہوئی۔ اُس کی جان بخش خواہش تھی۔ وہی خواہش جس نے ایک وقت ہاتھ بڑھا کر پطرس کو پکڑ لیا تھا۔ جب کہ وہ سمندر میں ڈوبا جا رہا تھا۔ اسی خواہش کے ساتھ اُس نے اُس وقت بھی اُسے پکڑ لیا +

اِسی نگاہ میں پطرس نے معافی اور ناقابل بیان محبت دیکھی۔ اگر اُس نے اس میں اپنے کو دیکھا۔ تو اُس سے بھی بڑھ کر اُس نے اپنے منجی کو بھی دیکھ لیا اور اُس پر یسوع کے دل کا وہ گہرا بھید کھل گیا۔ جو شائد پہلے کبھی اُسے معلوم نہ ہوا تھا۔ اب اُس نے دیکھ لیا کہ میں نے کیسے آقا کا انکار کیا ہے۔ اور اِس سے اُس کا دل پارہ پارہ ہو گیا۔ یہی بات ہے۔ جو ہمیشہ دِل کو توڑ دیا کرتی ہے۔ یہ ہمارا گناہ نہیں جو ہمیں رُلا دیا کرتا ہے۔ بلکہ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے کیسے اچھّے منجیؔ کے خلاف گناہ کیا ہے۔ تو ہم اپنے آنسوؤں کو نہیں روک سکتے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ نہ اِس لئے کہ اپنے گناہ کو دھو ڈالے۔ بلکہ اِس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ پہلے ہی دھو یا گیا ہے۔ اوّل الذکر سی ہے۔ جیسے بڑے بڑے قطرے والی بارش۔ مگر دوسری قسم کی بارش سے ہے۔ جیسے جھڑی لگ جاتی ہے۔ اور ہر ایک قطرہ اندر گھسا چلا جاتا ہے۔ اور رُوح کے پودوں کو اُن کی جڑوں تک سیراب کر دیتی ہے +

درحقیقت یہی اُس نیکی کا آغاز تھا۔ جو پطرس کے ذریعہ دُنیا کو پہنچنی تھی لیکن ہم اُس کا یہاں ذکر نہیں کرینگے۔ ہمیں اِس وقت اپنے دل میں اُس شخص کے خیال کو جگہ دینی چاہئیے۔ جس نے اپنے دُکھ اور تکلیف کی سختی میں بھی جب یہ دیکھا کہ اُس کے نام سے نہ صرف انکار ہی کیا جاتا ہے۔ بلکہ اُس پر قسموں اور

لعنتوں کی بوچھاڑ بھی پڑ رہی ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی کینہ یا انتقام کے خیال کو۔ جو اس قسم کی نمکحرامی سے پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اپنے دل میں جگہ نہ دی بلکہ برخلاف اِس کے اپنے رنج و غم کو بھی بھول گیا۔ اور نجات بخشنے کی خواہش و رغبت سے بھر کر اپنی نگاہ کو ایسی مہربانی اور محبّت سے معمور کر کے اُس کی طرف پھینکا کہ ایک لمحہ میں اُس افتادہ شاگرد کو گڑھے سے نکال لیا۔ اور اُٹھا کر ایک چٹان پر کھڑا کر دیا۔ جہاں وہ بعد ازآں ہمیشہ کھڑا رہا۔ بلکہ اپنے ایمان کی مضبوطی اور اپنی شہادت کی طاقت کے لحاظ سے خود ایک چٹان بن گیا+

چوتھا باب

ملکی عدالت

دوسرے باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ صدر مجلس نے یسُوع پر موت کا فتوے دیدیا۔ وہ بڑی خوشی سے یہودی قاعدہ کے مطابق یعنی سنگسار کرنے سے اس فتوے پر عملدرآمد کرتے۔ لیکن جیسا اوپر ذکر ہو چکا۔ یہ امر اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ رومی حکومت نے اگرچہ دیسی عدالتوں کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ خفیف جرائم کی تحقیقات کریں اور سزا دیں۔ مگر زندگی موت کے اختیار کو اُس نے اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ اور ایسا مُقدّمہ جس میں سنگین سزا کا فتوےٰ یہودی عدالت میں دیا جاتا۔ ملک کے رومی حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا۔ جو از سرِ نو تحقیقات کرنے کے بعد اُس فتوے کو بحال یا رد کر دیتا تھا۔ اِس لئے یسُوع پر فتوےٰ دینے کے بعد صدر مجلس کے ممبران کے لئے ضرور ہؤا کہ اُسے گورنر کی عدالت میں لے جائیں ۔

۱

اُس وقت رومی حاکم جو فلسطین پر متعیّن تھا۔ اُس کا نام پنطیس پلاطُس تھا۔ عہدے کے لحاظ سے اُسے ہندوستان کے ایک کمشنر یا لفٹنٹ گورنر کے برابر سمجھنا چاہئے۔ صرف اِس قدر فرق کے ساتھ کہ وہ ایک بُت پرست

حکومت کا قائم مقام تھا۔ برخلاف ہند کے جو ایک مسیحی سلطنت کے زیر حکومت ہے۔ اور اس لئے قدیم روما کی۔ نہ زمانہ حال کی انگلستان کی روح۔ اُس کے اصول حکومت کی محرک تھی۔ اور اس رُوح کا جسے دنیا پرستی حکمت عملی۔ ابن الوقتی کی رُوح کہنا چاہئے۔ وہ ایک عمدہ نمونہ تھا۔ اور ہم دیکھینگے کہ وہ اس عظیم الشّان روز میں اپنے اس اصول کا کیسا پکّا پابند نکلا ✚

پیلاطس اس عہدہ پر بہت سالوں سے متعیّن تھا۔ مگر نہ تو وہ اپنی رعایا کو پسند کرتا تھا۔ نہ اُس کی رعایا اُسے پسند کرتی تھی۔ یہودی اہل روم کی تمام محروسہ ریاستوں میں سب سے زیادہ سخت مزاج اور شورہ پشت تھے۔ وہ اپنے قدیم زمانہ کے شان وشوکت کو یاد کر کے۔ اور آئندہ زمانہ میں ایک عالمگیر سلطنت کی اُمّید پر اس بیرونی حکومت کے جوئے کو بہت ہی گراں سمجھتے تھے۔ اور اُنہیں ہمیشہ اپنے حاکموں کے رویّہ میں ایسی ایسی باتیں دکھائی دیا کرتی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے اقتدار کے خلاف یا اپنے مذہب کی بیحرمتی سمجھتے تھے۔ وہ بھاری ٹکسوں کی شکائت کیا کرتے تھے۔ اور اپنے حاکموں کو عرضیاں دے دیکر ہمیشہ دق کرتے رہتے تھے۔ پیلاطس کی اُن کے مقابلہ میں بالکل عہدہ برائی نہ ہوئی۔ اور نہ اُن کے درمیان باہم کسی قسم کی ہمدردی پائی جاتی تھی۔ وہ اُن کے مذہبی جوش وسرگرمی سے متنفّر تھا۔ اور جب کبھی اُن کے ساتھ کوئی تنازعہ پیش آتا۔ اور ایسے تنازعے اکثر ہوتے رہتے تھے۔ تو وہ بلا تکلف خونریزی پر کاربند ہؤا کرتا تھا۔ اور برخلاف اس کے وہ اُسے رشوت ستانی۔ بیرحمی۔ لوٹ مار اور بدعملی کا ملزم ٹھیرلتے تھے ✚

گورنر کا مقام رہائش یروشلم نہ تھا۔ بھلا ایسا شخص جو روما کے عیش وعشرت اُس کے تھیٹروں۔ حماموں کھیل تماشوں۔ لٹریچر اور سوسائٹی کا گرویدہ ہو۔ ایسی جگہ رہنے کا کب خواہاں ہو سکتا تھا۔ اُس کا صدر مقام قیصریہ تھا۔ جو ساحل بحر پر واقع تھا۔ یہ شہر اپنی شان وشوکت اور سامان عیش وعشرت کے لحاظ سے عین بعین ایک رومائے خورد۔ کی مانند تھا۔ لیکن وقتاً فوقتاً کار وبار کے لئے گورنر کو صدر مقام (یروشلم) میں جانا پڑتا تھا۔ اور عموماً جیسا کہ اس وقت بھی وہ عید فسح کے موقع پر وہاں ضرور جاتا تھا۔

یروشلم میں وہ ہمیشہ اُس شاہی محل میں جو یہودیہ کے قدیم بادشاہوں کی جائے رہائش تھا۔ فروکش ہوا کرتا تھا (اسے ہیرودیس اعظم نے تعمیر کیا تھا۔ جسے شاہجہان کی طرح بڑی بڑی عمارتیں بنانے کا از حد شوق تھا۔ یہ محل اُسی پہاڑی کے جنوب مغربی گوشہ پر جس پر ہیکل واقع تھی۔ بنا ہوا تھا۔ یہ ایک بڑا عالیشان محل تھا۔ اور اپنی خوبصورتی میں ہیکل کا ہم پلّہ تھا۔ اور اس قدر عظیم تھا کہ اس میں ایک چھوٹی سی فوج کی رہائش کی گنجائش تھی۔ اُس کے دو بڑے بڑے بازو تھے۔ جو عمارت کے دونو طرف کو نکلے ہوئے تھے۔ اور بیچ میں ایک اور عمارت تھی جس سے یہ دونو باہم ملحق کئے گئے تھے۔ اس درمیانی عمارت کے مقابل ایک بڑا وسیع میدان تھا۔ اور یہاں کھلی جگہ میں ایک بلند چبوترہ تھا۔ جہاں مسیح کے مقدمہ کی تحقیقات ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودی اس عمارت کے اندر داخل ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اُن کے نزدیک ناپاک تھی۔ پیلاطس کو اُن کے اس مذہبی وسواس کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے دل میں اُن پر ہنستا رہتا تھا۔ لیکن علاوہ اس کے رومیوں کے لئے کھلی جگہ میں عدالت کرنا بھی ایک معمولی بات تھی۔ محل کے سامنے کے حصہ میں بڑے

بڑے ستون لگے تھے۔ اور اُس کے گرداگرد ایک وسیع پارک (سیرگاہ) تھا۔ جو روشوں۔ درختوں اور تالابوں سے آراستہ تھا۔ اور جس میں فوّارے ہر وقت چھوٹتے رہتے تھے اور خوبصورت جانور اپنی راگنیاں گاتے رہتے تھے۔ غرضکہ ہر طرح سے یہ نہائت دلکش اور پُرفضا مقام تھا +

الغرض علی الصباح یہودیوں کے سردار قیدی کو درمیان میں لئے ہوئے اس محل کے عظیم الشان پھاٹک کے اندر داخل ہوئے۔ پیلاطس بھی اُنکی ملاقات کے لئے باہر نکل آیا اور اپنی عدالت کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُسکے سکرٹری اُسکے آس پاس تھے۔ اور اُسکی پس پشت قوی ہیکل رومی سپاہیونکی ایک جماعت بھالے لئے ہوئے سروقد حکم کی منتظر کھڑی تھی۔ ملزم کو چبوترے کے اوپر کھڑا کیا گیا۔ اور اُسکے مقابل قیافا کی سرکردگی میں اُسکے الزام لگانے والوں کی جماعت کھڑی تھی +

کیسا عجیب نظارہ! یہودی قوم کے سردار اپنے ہی مسیح کو زنجیروں میں جکڑکر ایک بُت پرست حاکم کے حوالہ کرنے کو لائے ہیں۔ اور اُس سے یہ التجا کرتے ہیں کہ اُسے قتل کیا جائے! اے بہادر دل نبیوں کے روحو! تم جو اس قوم سے دلی محبّت رکھتے تھے۔ اور اُس پر فخر کرتے۔ اور اُسکی آئندہ شان وشوکت اور عظمت وجلال کی پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ آخر کار وہ گھڑی آپہنچی ہے۔ مگر اُس کا نتیجہ یہ ہؤا +

یہ فعل ایسا تھا کہ گویا قوم نے اُس کے ذریعہ اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاک کر دیا۔ مگر کیا یہ اس سے بھی بڑھ کر کچھ نہ تھا۔ کیا خدا کی تدبیر وعہد بھی اس سے شکستہ و پراگندہ نہیں ہو گئے؟ یقیناً ظاہراً تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا مگر خدا ٹھٹّھوں میں نہیں اُڑایا جاتا۔ انسان کے گناہوں کے باوجود۔ بلکہ اُن کے ذریعہ بھی اُس کا مقصد و منشا تکمیل کو پہنچتا رہتا ہے۔

مسترد

یہودیوں نے ابن اللہ کو پیلاطس کی کرسی کے سامنے پیش کیا تاکہ یہودی اور غیر قوم دونو ملکر اُس پر سزا کا حکم لگائیں۔ کیونکہ یہ نجات دہندہ کے کام کا ایک جزو تھا کہ وہ انسانی گناہ کا پردہ پھاڑے۔ اور یہاں شرارت ہی تمام کمال بدی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی۔ جب کہ بنی انسان کا ہاتھ اپنے خالق کے خلاف اُٹھا ہوا تھا۔ اور تاہم وہ موت بنی انسان کی زندگی کا باعث ہونے کو تھی۔ اور یسوع یہودی اور غیر قوم کے درمیان کھڑا ہوا دونو کو ایک مشترکہ نجات کی رفاقت کے بندوں میں جوڑنے کو تھا۔" واہ خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی وسیع ہے! اُس کی تجویزیں کس قدر ادراک سے پرے اور اُسکی راہیں کیا ہی بے نشان ہیں!"

۲

پیلاطس نے فی الفور دریافت کیا کہ وہ کونسا الزام ہے جس کے لئے تم قیدی کو میرے سامنے لائے ہو۔

جو جواب اُنہوں نے دیا۔ اُس سے اُن کی طبیعت و مزاج کا اظہار ہوتا ہے "اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اُسے تیرے حوالہ نہ کرتے"۔ یہ گورنر کے لئے ایک صاف صاف اشارہ تھا کہ اُسے چاہئے کہ اپنے از سر نو تحقیقات کرنے کے استحقاق کو چھوڑ کر اُنہیں کی تحقیقات کو کافی سمجھے۔ اور فقط اپنے استحقاق کے دوسرے حصہ کو یعنی سزائے موت کے جاری کرنے کو ہی کام میں لائے۔ بعض اوقات صوبوں کے حاکم ایسا کر دیا کرتے تھے۔ خواہ تو اپنی سستی و کاہلی کی وجہ سے یا دیسی حکام کو خوش کرنے کے لئے اور خاص کر ایک مذہبی مقدمہ میں جس کی ماہیت کو سمجھنے کی ایک اجنبی حاکم سے ہرگز اُمید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس قسم کے لحاظ کی اُمید کرنا کوئی نامناسب درخواست نہ تھی۔

مگر پیلاطس اس وقت دبنے یا ملنے والی لہر میں نہ تھا۔ اور بولا۔ "تو اسے لیجا کر تم ہی اپنی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ کرو"۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ تھا کہ اگر میں مقدمہ کو نہیں سن سکتا۔ تو میں اُس پر فتویٰ بھی نہیں دیتا اور نہ سزا کو جاری کرونگا۔ اگر تم اس پر اصرار کرتے ہو کہ یہ مقدمہ صرف تمہاری ہی دینی عدالت کے سُننے کے لائق ہے۔ تو اپنے پاس ہی رکھو اور اگر تم رکھو گے تو تمہیں اُسی ایسی ہی سزا دینی ہو گی جس کے تم مجاز ہو۔

لیکن یہ بات اُن کے لئے زہر تھی۔ وہ تو مسیح کے خون کے پیاسے تھے۔ اور وہ خوب جانتے تھے کہ اُنہیں قید یا کوڑے لگانے سے بڑھ کر کوئی اختیار نہیں۔ وہ سرد مہر اور تیز نظر رومی جو اُنہیں کی طرح مغرور و متکبر تھا اُنہیں جتانا چاہتا تھا کہ روم کا پاؤں اُن کی گردن پر کتنا بھاری ہے۔ اور اُنہیں کے مُنہ سے یہ بات کہلوانے میں اُسے ایک قسم کا مزا آتا تھا کہ "ہم مجاز نہیں کہ کسی کو جان سے ماریں"۔

اپنی مرضی اور اُمید کے خلاف ایک باقاعدہ الزام پیش کرنے پر مجبور ہو کر اُنہوں نے بڑے غصے میں آکر الزام پر الزام لگانے شروع کئے۔ جن میں سے آخر کار تین الزام زیادہ صفائی کے ساتھ نظر آنے لگے۔ اول وہ قوم کو بگاڑ رہا ہے۔ دوم وہ سرکاری خراج ادا کرنے سے منع کرتا ہے سوم وہ اپنے کو بادشاہ ظاہر کرتا ہے۔

یہ بات غور کے قابل ہے کہ اُنہوں نے کہیں بھی اُس جرم کا ذکر نہیں کیا جس کی بنا پر اُنہوں نے اُس پر خود موت کا فتویٰ لگایا تھا۔ اُنہوں نے اِن تینوں باتوں میں سے کسی کے لئے بھی اُس پر فتوے نہیں لگایا۔ بلکہ صرف کفر بکنے کے لئے۔ مگر وہ خوب جانتے تھے۔ کہ اگر وہ اس مقام پر اِس قسم کے

الزام کا ذکر کرینگے۔ تو اغلب ہے کہ عدالت اُس کو حقیر سمجھ کر رّد کر دیگی۔
یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پولوس رسول پر بھی رومی گورنر نے اِس قسم کے الزام پیش ہونے پر کیا کہا تھا وہ گلیو نے یہودیوں سے کہا۔ اے یہودیو! اگر کچھ ظلم یا بڑی شرارت کی بات ہوتی۔ تو واجب تھا کہ میں صبر کر کے تمہاری سُنتا۔ لیکن جب یہ ایسے سؤال ہیں جو لفظوں اور ناموں اور تمہاری شریعت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ تو تم ہی جانو۔ میں ایسی باتوں کا منصف بننا نہیں چاہتا۔ اور اُس نے اُنہیں عدالت سے نکلوا دیا" (اعمال ۱۸: ۱۴-۱۶)
اور اگرچہ پیلاطس ایسی بات کے لئے جیسے وہ یہودیوں کا توہم باطل سمجھتا تھا ویسے ہی حقارت اور نفرت ظاہر نہ کرتا تو بھی وہ خوب جانتے تھے۔ کہ وہ دل سے ایسا ہی سمجھتا ہے +

مگر حقیقی الزام کو پیش نہ کر سکنے کی وجہ سے اُنہوں نے اپنے کو ایسی نازک اور غیر واقعی حالت میں رکھ دیا جس کے خطرات سے وہ بچ نہ سکے۔ اُن کو خواہ مخواہ جرم گھڑنے پڑے۔ اور اِس بات میں اُنہوں نے اپنی ضمیر و ایمان کی کچھ پروا نہ کی +

اُن کا پہلا الزام کہ یسُوع قوم کو بگاڑ رہا ہے۔ بالکل مبہم اور بودا تھا مگر ہم دوسرے الزام کے حق میں کیا کہیں کہ وہ سرکاری محصول ادا کرنے سے منع کرتا ہے؟ جب ہم اُس کے جواب کو جو اُس نے اُسی ہفتہ میں اُن کے سوال پر دیا تھا کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو" تو یہ الزام ایک سفید جھوٹ معلوم دیتا ہے۔ مگر اُنکے تیسرے الزام میں کہ وہ اپنے کو مسیح بادشاہ ظاہر کرتا ہے۔ کچھ سچائی کی آمیزش ضرور تھی۔ کیونکہ اُس نے اُن کی عدالت کے سامنے سنجیدگی سے اپنے مسیح ہونے کا اقرار کیا تھا۔ مگر اس صورت میں بھی

وہ خوب جانتے تھے کہ ایک رومی کے کان میں مسیح کا یہ دعوے کہ وہ ایک بادشاہ ہے مختلف معنی رکھتا ہے بہ نسبت اُن معنوں کے جو مسیح ہونے کا دعوے اُن کے نزدیک رکھتا ہے۔ درحقیقت جو اعتراض اُن کو مسیح کے حق میں تھا اُس کی تہ میں یہ بات تھی کہ وہ اُنہیں رومی معنوں کے مطابق بادشاہ بننے کے لئے کافی طور پر تیار نہیں ہے۔ وہ بڑے اشتیاق سے ایک بادشاہ کے منتظر تھے جو بڑا شاندار اور جنگی آدمی ہوگا۔ تاکہ وہ رومیوں کا جوا توڑ کر یروشلم کو ایک عالمگیر سلطنت کا دارالسلطنت بناد اور چونکہ یسُوع کی روح اور مقاصد ایسی حرص و ہوا کے مخالف تھے۔ اِس لئے وہ اُسے حقیر جانتے اور اُس سے نفرت کرتے تھے ✦

پیلاطس اُن لوگوں کے مزاج و خو سے خوب واقف تھا۔ جو سرگرمی وہ اُس وقت قیصر کے خراج کے متعلق دکھا رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ہنستا ہوگا۔ ایک انجیل نویس لکھتا ہے کہ "وہ جانتا تھا کہ حسد کے باعث اُنہوں نے اُس کو حوالہ کیا ہے"۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس وقت وہ یسُوع کے حالات کہاں تک واقف تھا۔ وہ اس تحریک کے سارے زمانہ میں جو یُوحنا بپتسمہ دینے والے نے شروع کی اور یسُوع نے جاری رکھی برابر گورنر رہا تھا۔ اور ممکن نہیں کہ وہ ان باتوں سے بالکل جاہل اور ناواقف رہا ہو۔ اُس کی بیوی کا خواب جس کا ہم آگے چل کر ذکر کرینگے اِس بات کو ثابت کرتا ہوا معلوم دیتا ہے۔ کہ اِس سے پہلے بھی محل میں یسُوع کا ذکر اذکار ہوتا رہا ہوگا۔ اور غالباً اُس یروشلم کی باشندگی بے مزگی کو رفع کرنے کے لئے مشغلہ کے طور پر گورنر اور اُس کی بیوی۔ اس نوجوان جوشیلے آدمی کی جو ان کٹر ملا کاہنوں کی خبر لے رہا تھا۔ کہانیاں سنا کرتے ہونگے۔ پیلاطس اس ساری تحقیقات کے اثناء میں یسُوع کا برابر لحاظ اور ادب کرتا رہا۔ بلاشبہ اس کی وجہ زیادہ تر وہ رویہ ہوگا۔ جو مسیح نے اُسکی عدالت

میں برتا۔ لیکن اُس کا کچھ حصہ اُن باتوں کی وجہ سے بھی ہوگا جو وہ اُس کی نسبت سُنتا رہا تھا خیر خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو الزام اُس کے سامنے یسوع پر لگایا گیا تھا اُس نے اُسے بالکل خفیف سمجھا۔ پہلے دو الزاموں کو تو معلوم ہوتا ہے وہ خیال میں بھی نہ لایا۔ مگر تیسرا الزام کہ وہ اپنے کو بادشاہ ظاہر کرتا ہے۔ اور شاید قیصر کا ایک اور رقیب کھڑا ہو جائے۔ ایسا نہ تھا کہ وہ اُس سے قطع نظر کرتا ✢

پیلاطس یہ الزام سُنکر یسوع کو الگ محل کے اندر لے گیا۔ تاکہ اُس کی جستجو کرے غالباً یہ اُس نے اِس لئے کیا کہ اس طور سے اُس کے الزام لگانے والوں کے سخت اصرار سے پیچھا چھڑائے۔ اور یسوع نے اُنکی طرح اس محل کے اندر جانے میں بھی کچھ پس و پیش نہ کیا۔ کیا ہم اس سے یہ مطلب سمجھیں کہ چونکہ یہودیوں نے اُسے رد کر دیا تھا۔ اِس لئے وہ غیر قوموں کی طرف توجہ ہونے لگا تھا۔ اور تفرقہ کی دیوار گر پڑی تھی اور وہ اب اُس کے کھنڈرات کو پامال کر رہا تھا ✢

اب اس اندرونی کمرے کی خاموشی و تنہائی میں پیلاطس اور یسوع ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ ایک تو قیدی کی اور نے ذلیل حیثیت میں۔ دوسرا صاحب اختیار حاکم کی حیثیت میں۔ لیکن جب ہم پیچھے کو نظر مارتے ہیں تو عجیب طور سے دونو کا مقام بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ پیلاطس ہے جو عدالت کے سامنے ہے۔ ہاں پیلاطس اور دنیا جس کا وہ قائم مقام تھا۔ اُس دن جو پیلاطس سا یہ برابر حکم لگایا جا رہا تھا۔ اور اُس کے عیب آشکارا ہو رہے تھے۔ اور اُس وقت سے وہ برابر تاریخ کے چبوترہ پر بطور ایک مجرم کے کھڑا رہا ہے۔ اور ہر صدی کے لوگ اُس پر نظر مارتے رہے ہیں۔ پرانے عیسائی مصوروں کی جو تصویریں ہم تک پہنچی ہیں جنہوں نے مسیح کے بچپن کی تصویروں میں اُس کے چہرہ کے گرد اگرد روشنی کا ایک

ہالہ بنایا ہے جس سے اُس کے اردگرد کی چیزوں پر چُند صیا دینے والی روشنی پڑتی ہے اور یہ سچ ہے کہ سب پر جو اُس وقت جب وہ دنیا میں تھا مسیح کے قریب آتے تھے۔ ایک قسم کی روشنی پڑتی تھی جس میں اچھے یا بُرے دونو آشکارا ہو جاتے تھے یہ ایسی روشنی تھی جس سے ہر ایک تنگ تاریک گوشہ اور ہر ایک چین وشکن روشن ہو جاتا تھا آدمی جونہی اُس کے پاس آتے تھے۔ اُن پر حکم لگ جاتا تھا۔ اور کیا اب بھی ایسا ہی نہیں ہے۔ ہم ایسے کامل طور پر اپنے اندرونی حالات کو ظاہر نہیں کر دیتے۔ جیسے اُس وقت جب کہ ہم اُس کے قریب آتے ہیں اور دیکھا جاتا ہے کہ ہم پر مسیح کا کیسا اثر پڑتا ہے۔ اور ہم اُسے کس طرح قبول کرتے ہیں۔ اور جیسا ہم اُس سے سلوک کرتے ہیں اُس سے گویا ہم اپنے پر فتویٰ لگاتے اور ابدیت کے لئے اپنے حق میں حکم چڑھاتے ہیں ؛

پیلاطس نے اُس سے دریافت کیا ”کیا تُو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟“ جو تیسرا الزام تھا جو اُس کے خلاف لگایا گیا تھا۔ یسوع نے جو جواب دیا۔ اُس میں بڑی احتیاط پائی جاتی ہے۔ اور اُس نے جواب دینے سے پہلے ایک دوسرا سوال پُوچھا کیا تُو یہ بات آپ سے کہتا ہے یا اَوروں نے میرے حق میں تجھ سے کہی“؛ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس سوال کے کیا معنی ہیں۔ آیا وہ رومیوں کے محل نظر سے پوچھتا ہے۔ یا یہودیوں کے محل نظر سے۔ کیونکہ اس سوال کا جواب کہ کیا وہ بادشاہ ہے۔ اُن معنوں کے لحاظ سے جو رومی لوگ اس لفظ کے سمجھتے تھے۔ بالکل مختلف ہوتا۔ بہ نسبت اُن معنوں کے لحاظ کے جو یہودی سمجھتے تھے +

مگر اس جواب سے پیلاطس کچھ ہچکچا سا گیا۔ کیونکہ اس سے یہ پایا جاتا کہ شاید اُس کو اس امر میں زیادہ دلچسپی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ اس کا اظہار کرنا پسند کرتا ہے۔ اور اُس نے غصہ سے جواب دیا ”کیا مَیں یہودی

ہوں؟ تیری ہی قوم اور سردار کاہنوں نے تجھ کو میرے حوالہ کیا" اگر اس سے اُس کی غرض چبھنی ہوئی طنز تھی۔ تو اُس کا تیر عین نشانہ پر لگا۔ افسوس یہ ایک بڑی شرمناک اور تکلیف دہ بات تھی! اس کی اپنی ہی قوم۔ہاں اُس کی اپنی محبوب قوم جس کی خدمت میں اُس نے اپنی زندگی خرچ کردی۔ ہاں اُسی نے اُسے غیر قوم کے حوالہ کر دیا۔ اُس نے اس اجنبی شخص کے سامنے ایسی شرمساری محسوس کی جیسے کہ کوئی شخص جسے اُس کے ماں باپ غلامی میں بیچ دیں۔ اپنے خاندان کے لئے محسوس کرتا ہے +

تاہم یسوع نے فی الفور پیلاطوس کو اس سوال کا جواب دونو پہلوؤں سے دیدیا۔ یعنی رومیوں کے پولیٹکل پہلو سے۔ اور نیز یہودیوں کے مذہبی پہلو سے بھی۔ پہلے اُس نے اُس کے منفی پہلو کو ظاہر کیا۔" میری بادشاہت دُنیا کی نہیں"۔ وہ رومی شاہنشاہوں کا رقیب نہیں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو سب سے پہلے وہ ایک فوج جمع کرتا تاکہ ملک کو رومیوں کے قبضہ سے خلاصی بخشے اور اس فوج کا سب سے پہلا فرض یہ ہوتا کہ اپنے بادشاہ کی ذات کی حفاظت کرتی۔ لیکن یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اُس کی گرفتاری کے وقت اُس کی حمائت میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اور اُس کے ایک پیرو نے جب تلوار نکالی۔ تو اُسے پھر میان میں کرنے کا حکم دیا گیا۔ اُس کی بادشاہت جسے وہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ لشکروں اور اسلاح اور دنیاوی شان و شوکت کی بادشاہت نہیں ہے +

لیکن اس انکار کے وقت بھی یسوع نے الفاظ" میری بادشاہت" استعمال کئے تھے جس پر پیلاطس بول اُٹھا" پس کیا تو بادشاہ ہے؟" یسوع نے جواب دیا"۔ ہاں میں اسی لئے پیدا ہوا۔ اور اسی واسطے دنیا میں آیا ہوں۔ کہ حق کی گواہی دوں"۔ یہی ملکِ حق و راستی اُس کی مملکت ہے۔ اور یہ قیصر کی

سلطنت سے بہت ہی مختلف ہے۔ قیصر کی حکومت انسانوں کے جسموں پر ہے مگر اُس کی اُن دلوں پر مسلط ہے۔ قیصر کی مملکت اور قوت کا مدار اُسکی فوجوں ہتھیاروں قلعوں اور جہازوں پر ہے۔ مگر اس بادشاہت کی قوت اُس کے اُصولوں۔ خیالوں۔ اور حقوں پر منحصر ہے۔ جو فائدہ قیصر اپنی رعایا کو پہنچا سکتا ہے وہ فقط اُن کے جسم اور مال کی حفاظت ہے۔ مگر مسیح کی بادشاہت کی برکتیں ضمیر کا اطمینان اور رُوح القدس کی شادمانی ہے۔ قیصر کی سلطنت باوجود اپنی وسعت کے محدود ہے مسیح کی سلطنت کی کوئی حد نہیں اور وہ آخرکار ہر ایک ملک میں قائم ہونے والی ہے۔ قیصر کی سلطنت دوسری زمینی سلطنتوں کی طرح اپنے اچھے دن دیکھ کر آخرکار بالکل نابود ہو گئی۔ مگر حق و راستی کی سلطنت ابدالآباد تک قائم رہیگی ✤

بعض کا خیال ہے کہ مسیح کے اِس عظیم قول میں ایک مشرقی نہیں۔ بلکہ مغربی خیال کی بُو آتی ہے۔ ایک شریف دل یہودی کو سب سے بڑھکر یہ خواہش تھی کہ وہ راستبازی کو حاصل کرے۔ مگر ایک شریف دل یونانی حق و راستی کا خواہاں تھا۔ اُس زمانہ میں بھی کئی ایک ایسی رُوحیں تھیں۔ بلکہ غیر یہودی اقوام میں بھی۔ جن کے سامنے اگر سچائی کی بادشاہت کا ذکر کیا جاتا تو اُن کے دل اُچھل پڑتے۔ یسوع اس بات کو تاک سکتا تھا کہ آیا اِس آدمی کی رُوح میں بھی اِس قسم کی پُر زور خواہش موجود ہے ✤

اور جب وہ یہ الفاظ کہنے لگا کہ ”جو کوئی حق کا ہے وہ میری آواز سُنتا ہے“۔ تو اُس کے ذرا اور بھی قریب ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ اس میں بھی ایک اشارہ تھا کہ اگر وہ سچائی کا مشتاق ہے۔ تو اُسے بھی اُس پر ایمان لانا چاہئے۔ یسوع نے اپنے جج کو بھی منادی کی۔ جیسے کہ پولوس قیدی نے اپنے

جج فیلکس کو گنیا دیا۔ اور اُس کا جج اگر پا چلّا اُٹھا کہ "تُو تو تھوڑی ہی سی نصیحت کر کے مجھے مسیحی کر لینا چاہتا ہے"۔ ویسے ہی اُس وقت یسُوع بھی ایک واعظ اور نجات دہندہ کی حیثیت میں پیلاطس کی ضمیر کو ٹٹول رہا تھا۔ جو شخص رُوحوں کے لئے بنسی ڈالتا ہے اُسے بہت قسم کی بنسیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اِس موقع پر یسُوع نے ایک خاص قسم کی بنسی استعمال کی ٭

ہمیشہ ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جنہیں عام قسم کی دعوتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اس قسم کی باریک دعوت سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ کیا سچّائی بحر پر افسون کی طرح کام کرتی ہے؟ کیا تُو حکمت کا پیاسا ہے؟ ایسے لوگ بھی ہیں جن کی نظر میں وہ قیمتی چیزیں جن کی جستجو میں عوام النّاس رہتے ہیں [illegible] دولت کے لئے دوڑ دھوپ۔ زندگی کا فخر۔ سوسائٹی کی نظروں میں عزّت حاصل کرنا۔ جو لوگ اِن باتوں کی تلاش میں ہیں شاید اُن پر ہنستے اور اُنہیں قابلِ رحم سمجھتے ہو۔ مگر ایک ہر دل عزیز شاعر کا سُنہری صفحہ۔ ایک سچّے صاحبِ خیال کا نیا مشکوک اور گرما گرم خیال۔ ایک پُر مضمون لفظ جو تمہارے خیال کو ابدیت کی حدوں تک پہنچاتا ہے۔ ایک روشن مثال جو ستارے کی مانند تمہارے عقل و فہم کے اُفق پر طلوع ہوتا ہے یہ چیزیں تمہاری دولت ہیں۔ دُنیا کی تاریکی سے تمہارے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور سینکڑوں دقیق مسائل تمہیں ستاتے رہتے ہیں۔ اے حکمت کے فرزند اور عاشق! کیا تُو شاہِ راستی سے واقف ہے؟ یہی وہ ہے جو تیری نور و روشنی کی آرزو کو پورا کر سکتا ہے۔ اور خیال اور خاطبوں کے جال سے رہائی دے سکتا ہے ٭

لیکن کیا اُس کا یہ قول جو وہ یہاں فرماتا ہے سچ ہے کہ ہر ایک جو

حق کا ہے۔ اُس کی آواز سُنتا ہے؟ کیا اِس وقت دنیا ایسے مرد وعورتوں سے بھری ہوئی نہیں ہے۔ جو سچائی کی تلاش میں ہیں۔ لیکن پھر بھی مسیح کے پاس سے گذر جاتے ہیں۔ ہاں وہ اور بھی بڑے پُرزور الفاظ استعمال کرتا ہے کہ وُہ جو حق سے پیدا ہوئے"۔ کیا تم بھی درحقیقت کبھی حق کی گود میں بیٹھے ہو اُس کی گردن سے لپٹے ہو۔ اُس کا دُودھ پیا ہے؟ بہت ایسے لوگ ہیں جو محض اپنے ذہن وعقل سے سچائی کی تلاش کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں چاہتے کہ وہ اُن کے چال چلن پر حکومت کرے۔ اور اُن کے دلوں کو پاک صاف کردے۔ مگر صرف وہی لوگ جو اپنی ساری جان سے سچائی کی تلاش کرتے ہیں۔ اُس کے سچّے فرزند کہلانے کے مستحق ہیں۔ اور انہیں لوگوں کو مسیح کی آواز جب ایک دفعہ سُنائی دے جاتی ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا سُورج نکل آیا یا موسم بہار آگیا ✤

مگر افسوس پیلاطس ایسا آدمی نہ تھا۔ وہ روحانی اُمنگوں سے بے بہرہ تھا وہ زمین سے زمینی تھا۔ وہ کسی ایسی چیز کی تلاش میں نہ تھا جو آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور نہ ہاتھ چھُو سکتا ہے۔ اُسکے نزدیک سچّائی کی بادشاہت اور سچّائی کا بادشاہ محض خیالی الفاظ تھے۔ اُس نے پُوچھا کہ "حق کیا ہے؟" مگر یہ سوال کرتے ہی وہ اپنے پاؤں پر پھرا۔ اور جواب کا انتظار نہ کیا۔ اُس کا سوال ایسا ہی تھا۔ جیسے کوئی بدکار پوچھ بیٹھے۔ کہ نیکی کیا ہے؟ یا کوئی ظالم کہ آزادی کیا ہے؟

مگر اُسے کامل یقین ہو گیا کہ یسُوع بیگناہ ہے۔ اُس نے اُسے فقط ایک نیک مزاج مذہبی جوشیلا آدمی خیال کیا۔ جس کے ہاتھوں سلطنت روم کو کچھ خوف نہ تھا۔ بس وہ باہر گیا۔ اور جاتے ہی اُس کی بریّت کا فتویٰ دیدیا۔ "میَں اِس میں کوئی قصور نہیں پاتا" ✤

یسوع اور ہیرودیس

پیلاطس نے یسوع کی تحقیقات کی اور اُسے بیگناہ پایا۔ اور اُس نے صدرِ مجلس کے ممبروں کو بھی صاف صاف کہدیا۔ اِس طور سے اُس نے گویا اُن کے فتوے کو ردّ کر دیا۔ اب اُس کا نتیجہ کیا ہونا چاہیئے تھا؟ البتہ یہی کہ یسوع کو فی الفور رہا کر دیا جائے۔ اور اگر ضرورت ہو۔ تو اُسکی حفاظت کی جائے۔ تاکہ یہودی اُسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائیں +

مگر ایسا کیوں نہ ہؤا؟ ایک اَور واقعہ جو پیلاطس کی زندگی میں گذرا اور جو ایک مؤرخ نے بیان کیا ہے اِس امر کو واضح کر دیگا۔ یسوع کی پیشی کے چند سال پہلے پیلاطس نے جو تھوڑا عرصہ پہلے نیا نیا یہودیہ کا گورنر مقرر ہؤا تھا۔ یہ ارادہ کیا۔ کہ فوج کی چھاؤنی قیصریہ سے اُٹھا کر یروشلم میں قائم کی جائے۔ اور سپاہی اپنے جھنڈے لئے ہوئے جس پر شاہنشاہ کی تصویر بنی تھی۔ مُقدّس شہر میں داخل ہوئے۔ یہودیوں کے نزدیک یہ تصویریں بُت پرستی تھیں۔ اور اُنکا یروشلم میں داخل ہونا سخت بے ادبی اور ناپاکی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ شہر کے سربرآوردہ لوگ جوق جوق قیصریہ کو جہاں پیلاطس مقیم تھا جانے لگے۔ اور اُس کی منّت سماجت کی کہ اُن جھنڈوں کو نکال دے۔ مگر اُس نے اِنکار کیا اور

پانچ دن تک برابر بحث جاری رہی۔ آخرکار وہ ایسا غصہ میں آیا کہ اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ کہ اُنہیں گھیر لیں اور دھمکی دی کہ اگر وہ چُپ چاپ اپنے اپنے گھر کا راستہ نہ لینگے تو قتل کئے جائینگے۔ مگر وہ اس بات سے ہرگز نہ ڈرے۔ اور سب نے زمین پر گر کر اپنی گردنیں برہنہ کر دیں۔ اور چلّائے کہ ہم جان دینے کو تیار ہیں۔ مگر اپنے شہر کی بےحرمتی گوارا نہیں کر سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پیلاطس کو اُن کی بات مان کر اپنی فوج کو یروشلم سے بُلا لینا پڑا۔ (یوسیفس۔ ۱۸: ۳: ۱)

یہ گورنر تھا۔ اور یہ لوگ تھے جن کے ساتھ اُسے سابقہ پڑا۔ جب اُن کے دل کسی بات پر جم جاتے اور اُن کا مذہبی جوش بھڑک اُٹھتا تو وہ اُن سے کسی طرح عہدہ برا نہیں ہو سکتا تھا۔ اِس موقع پر وہ اُس سے اُسی طرح پیش آئے۔ جیسا گذشتہ موقع پر پیش آئے تھے۔ اُس نے یسوعؑ کو بیگناہ ٹھیرایا۔ اور اس بات پر سارے مقدمہ کا خاتمہ ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر اُنہوں نے غضبناک ہو کر شور و غوغا مچانا شروع کیا۔ یا جیسا کہ مُقدّس لوقا نے لکھا ہے۔ کہ وہ اَور بھی تند ہوتے گئے۔ اور اُنہوں نے قیدی کے خلاف اَور بھی زور شور سے الزام لگانے شروع کئے۔

پیلاطس کو اُن کے مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ وہ اِس کمزوری کی حالت میں خود یسوعؑ کی طرف پھرا اور کہنے لگا۔ "کیا تو سُنتا ہے کہ لوگ تیرے خلاف کیا گواہی دیتے ہیں"؟ مگر یسوعؑ کچھ نہ بولا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک لفظ بول کر بھی اِس کارروائی کو اَور طول دے۔ "یہاں تک کہ گورنر تعجب کرنے لگا"۔ وہ خود ایسا بے دھڑکانے اور حیران و ششدر ہو رہا تھا کہ وہ اُس کے اس پُر استقلال اطمینان کی حقیقت کو سمجھ نہ سکتا تھا۔

اِس سارے مُقدمہ میں یسُوع کو اپنی جان کے لالے پڑ رہے تھے۔ مگر باوجود اِس کے اِس ساری جماعت میں وہی شخص تھا۔ جو بالکل مطمئن اور پُرسکون معلوم ہوتا تھا +

مگر دفعتاً اس ساری گھبراہٹ کے درمیان پیلاطس کو اپنے اِس سارے اُلجھن سے بچ نکلنے کی ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ وہ چلّا رہے تھے۔ کہ "یہ سارے یہودیہ میں۔ بلکہ گلیل سے لیکر یہاں تک لوگوں کو سکھا سکھا کر اُبھارتا ہے"۔ گلیل کا نام لینے سے اُن کی غرض یہ تھی۔ کہ پیلاطس کے دل میں یسُوع کے خلاف بدظنّی پیدا کردیں۔ کیونکہ گلیل ہمیشہ بغاوت و سرکشی کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ مگر اِس سے پیلاطس کے دِل میں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوگیا۔ اور اُس نے بڑی فکرمندی سے پُوچھا۔ کیا وہ گلیلی ہے؟ دفعتاً اُس کے دِل میں یہ بات آگئی کہ ہیرودیس حاکمِ گلیل اِس وقت عید فسح منانے کے لئے یہیں شہر میں موجود ہے۔ اور چونکہ رومی قانون کے ضابطہ میں داخل تھا کہ ایک قیدی کو اُسی جگہ جہاں کا وہ دراصل رہنے والا ہوتا تھا۔ تحقیقات کے لئے بھیج دیتے تھے۔ اُس کو یہ بات سُوجھ گئی کہ بہتر ہوگا کہ یسُوع کو اُس صوبہ کے حاکم کے پاس جہاں کا وہ باشندہ ہے۔ بھیج دیا جائے۔ اور اِس طرح سے اپنا پیچھا چھُڑائے۔ اُس نے فی الفور اِس خیال پر عمل کیا اور اپنے سپاہیوں کی زیر نگرانی یسُوع اور اُس کے مدّعیوں کو مکابیوں کے قدیمی محل میں جہاں ہیرودیس فروکش ہُوا کرتا تھا بھیج دیا +

اِس طرح یسُوع اِس شرمناک روز گیند کی طرح اِدھر اُدھر پھینکا گیا۔ حنّا سے قیافا کے پاس۔ قیافا سے پیلاطس کے پاس۔ اور پیلاطس سے ہیرودیس کے پاس۔ اور ابھی یہیں بس نہیں۔ اور یہ آمدورفت ابھی

حالت میں ہوئی۔ جبکہ وہ زنجیروں سے جکڑا ہؤا اور پیادوں کے زیر حفاظت تھا۔ اور اُس کے الزام لگانے والے اُسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ ہاں اُس کے دُکھوں کی فہرست میں اِن باتوں کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے +

۱

عہد جدید کے صحیفوں میں ہیرودیس نام کے کئی ایک اشخاص کا ذکر آیا ہے۔ اِس لئے اِس بات کو صاف کر دینا چاہئے کہ یہ اُن میں سے کونسا تھا +

سب سے اول تو وہ ہیرودیس تھا جس نے بیت لحم کے بچّوں کو قتل کرایا تھا۔ جب کہ یسُوع کو اُس کے والدین مصر میں لے گئے تھے۔ اُسے ہیرودیس اعظم کہتے تھے۔ وہ تمام ملک پر حکمران تھا۔ اگرچہ وہ بھی رومیوں کا مطیع تھا۔ اُس کی وفات پر اُس کا ملک اُس کے بیٹوں میں تقسیم کیا گیا اور اس طرح سے رومیوں کا قبضہ ملک پر اور بھی مضبوط ہو گیا۔ کیونکہ جس قدر محروسہ ریاستیں چھوٹی ہوں۔ اُسی قدر سرپرست سلطنت کا اختیار زیادہ مضبوط ہو گا۔ یہودیہ ارخلاؤس کو دیا گیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس سے لے لیا گیا۔ اور اب رومی حاکم اُس پر حکمرانی کرنے لگے جن میں سے پیلاطس ایک تھا۔ گلیل اور پیریہ ہیرودیس کے دوسرے بیٹے انتیپاس کو دیا گیا۔ اور اُس کے شمال کا علاقہ فیلبوس (فلپ) کے حصّے میں آیا۔ یہ ہیرودیس جس کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں انتیپاس ہے +

یہ ایک صاحب لیاقت آدمی تھا۔ اور اپنی سلطنت کے شروع میں اُس نے ظاہر کیا کہ وہ عمدہ طور سے حکومت کریگا۔ اپنے باپ کی طرح

اُسے بھی تعمیر و عمارت کا بہت شوق تھا۔ اور اُسی نے شہر طبریاس میں ایک بڑا عالیشان مکان تعمیر کیا تھا۔ جو آج کل بھی زمانۂ حال کے مشن کے ساتھ تعلق رکھنے کے سبب خاص شہرت رکھتا ہے۔ مگر اُس نے ایک حرکت کی۔ جس نے اُس کی ساری لیاقت پر پانی پھیر دیا۔ اور وہ یہ تھی کہ وہ اپنے بھائی فلپ کی جورو ہیرودیاس سے مل بیٹھا۔ وہ اپنے خاوند کو چھوڑ کر اُس کے پاس چلی آئی۔ اور اس نے بھی اپنی جورو کو گھر سے نکال دیا۔ جو اریتاس شاہ عرب کی بیٹی تھی۔ ہیرودیاس اُس کے مزاج پر بڑا غلبہ رکھتی تھی۔ اور وہ عمر بھر ایک چڑیل کی طرح اُس کے پیچھے لگی رہی۔ اِس اُفتاد سے بھی اُس کی عالی اُمنگیں اُس کے اندر بالکل مُردہ نہیں ہوگئی تھیں۔ جب یُوحنّا بپتسمہ دینے والے نے ملک میں اپنی وعظ و نصیحت سے آگ لگانی شروع کی تو وہ بھی اُس کی وعظ کو بہت دلچسپی سے سُنا کرتا تھا۔ اُس نے اُسے اپنے محل میں بُلایا۔ اور اُس کی بہت کچھ عزّت و مدارات کی۔ اُس وقت تک کہ یُوحنّا بول اُٹھا۔ کہ "تیرے لئے اِس (ہیرودیاس) کا رکھنا جائز نہیں"۔ اِسی بات کے لئے یہ عظیم الشّان واعظ قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی ہیرودیس اکثر اُسے بُلا بھیجا کرتا تھا۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر اُس کے وعظ کی تاثیر ہوگئی ہے۔ اور وہ یُوحنّا کی خصلت اور تعلیم کا مدّاح تھا۔ اور لکھا ہے کہ "یُوحنّا کے کہنے کے مطابق اُس نے بہت سی باتیں کیں"۔ مگر ایک ضروری بات تھی۔ جو وہ نہ کرسکا اور نہ کی۔ اُس نے ہیرودیاس کو اپنے محل سے نہ نکالا۔ یہ طبعی بات تھی کہ وہ اِس مردِ خدا سے ڈرتی تھی۔ اور اُس سے دشمنی رکھتی تھی۔ کیونکہ وہ اُسے گھر سے نکالنا چاہتا تھا۔ اور اُس نے بڑی سخت کینہ وری سے اُس کے خلاف

سازش شروع کی۔ وہ اپنی لڑکی کے ذریعہ اس امر میں کامیاب بھی ہوگئی۔ یہ لڑکی ہیرودیس سے نہیں۔ بلکہ اُس کے پہلے خاوند سے تھی۔ بادشاہ کی سالگرہ کے جلسہ میں سلومی ہیرودیس کی مجلس میں آکر ناچی اور اپنے ہُنر و فن اور حسن و خوبی سے بادشاہ کو ایسا محو و گرویدہ کرلیا کہ وہ ایک جوش کی حالت میں وعدہ کر بیٹھا۔ (جس سے اس آدمی کی خصلت کا اندازہ ہوسکتا ہے) کہ وہ جو کچھ وہ لڑکی مانگیگی اُسے دیگا۔ خواہ اُس کی آدھی سلطنت ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب اس افسونگر نے جسے اُس کی ماں نے اس جہنمی فن میں خوب پکا کر چھوڑا تھا۔ اُس مرد خدا کا سر مانگا۔ تو اُس نے انکار نہ کیا ۔

اس خوفناک گناہ سے اُس کی رعایا ہکا بکا سارہ گئی۔ اور جب اُس کے تھوڑا عرصہ بعد اُس کے خسر شاہ اریتاس نے اپنی لڑکی کا بدلہ لینے کے لئے اُسے شکست فاش دیکر اُس کے ملک کو تاخت و تاراج کیا تو عموماً یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ خدا کی طرف سے اُس کے کئے کی سزا ملی ہے۔ اُس کا دل بھی اس گناہ کی پشیمانی سے آزردہ رہتا تھا۔ جیسا کہ اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ جب اُس نے یسوع کی منادی کا حال سُنا تو سب سے پہلے اُسے یہی خیال گزرا۔ کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اب وہ دن بدن برابر بگڑتا چلا گیا۔ اپنی رعایا کی نفرت معلوم کرکے وہ زیادہ زیادہ اجنبی رسم و دستور کو اختیار کرنے لگا۔ اُس کا دربار ہر ریاست میں رومیوں کی نقل کرنے کے لئے مشہور تھا۔ وہ ہر طرح کی عیش و عشرت میں مشغول رہتا تھا۔ گانے بجانے اور ناچنے والے اور بھانڈ جو ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں دورا کرتے رہتے تھے۔ طبریاس میں اُن کی خوب آؤ بھگت ہوتی رہتی تھی۔ اُس کی خصلت و طبیعت دن بدن کمزور ہوتی گئی۔ اور آخرکار یہ نوبت پہنچ گئی کہ وہ بالکل موم کی ناک بن گیا۔ اور کوئی بات دیر تک

اُس پر اپنا اثر نہ ڈال سکتی تھی۔ ہر سال وہ عید فسح کے موقع پر یروشلم کو آتا تھا۔ مگر اس میں بھی اُس کی غرض دینی عبادت نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ فقط سیر و تفریح۔ ایسے بڑے مجمع میں اور نہیں تو مختلف لوگوں سے ملاقاتیں ہونگی۔ اور طرح طرح کی خبریں سُننے میں آئینگی اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہاں کیا کیا مزیدار اور پُر لطف تماشے دیکھنے میں نہ آئینگے *

۴

جس طور سے اُس نے یسوع کی آؤ بھگت کی وہ بھی ٹھیک۔ اُس کے مزاج کا خاصہ تھا۔ اگر اُس کے اندر ایک شریر آدمی کا سا ضمیر بھی ہوتا تو اُسے ضرور بپتسمہ دینے والے کے دوست کی ملاقات کرتے شرم دامنگیر ہوتی۔ ایک زمانہ میں تو وہ محض یسوع کی افواہی خبریں سُنکر خوف زدہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ زمانہ گزر گیا تھا۔ اِس قسم کے جذبات کی جگہ اب اور باتیں دخل پا گئی تھیں اور اس لئے اول الذکر فراموش ہو گئی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر نہائت خوش ہؤا۔ اول تو یہ ایک نئی تحریک تھی۔ اور اِس قسم کا آدمی ہمیشہ اپنا دل بہلانے کے لئے اِس قسم کی تحریکوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوم یہ گویا رومی حکومت کی طرف سے ایک قسم کا صلح کا پیام تھا۔ کیونکہ لکھا ہے کہ اُس میں اور پیلاطس میں اِس سے پہلے شکر رنجی تھی۔ مگر اس بات سے وہ پھر دوست ہو گئے۔ مگر اُس کی خوشی زیادہ تر اس سبب سے تھی کہ اُسے اُمید تھی کہ یسوع اُسے کوئی کرامات دکھائیگا۔ اُس کا علاقہ دو تین سال تک برابر اُن کراماتوں کی شہرت سے گونجتا رہا تھا۔ مگر ہیرودیس کو اب تک اُس کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی۔ اب اُسے اچھا موقع ہاتھ لگا۔ اور بلاشبہ اُس کے ذہن میں بھی تھا کہ یسوع ضرور اُس کے اس اشتیاق کو پورا کریگا۔ بلکہ یہ کہ وہ اپنے ہُنر و فن کا اُس کے روبرو اظہار کرنا اپنا فخر سمجھیگا *

ہیرودیس کے دل میں یسوع کی نسبت اِس قسم کے خیال جاگزین تھے۔ اُس نے اُسے گویا معمولی گانے بجانے اور ناچنے والوں کے برابر سمجھا۔ اور اُس نے اُس کے معجزوں کو ایک مداری کے کھیل و تماشے کی مانند خیال کیا۔ اور اُس نے اُس سے اسی قسم کی سیر و تفریح کی اُمید کی جیسے کہ وہ کسی معمولی شعبدہ باز سے کر سکتا +

اُس نے فی الفور اُس سے دوستانہ طور پر گفتگو شروع کی۔ اور اُس سے بہت سی باتیں دریافت کیں۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس مدعا کو جس کے لئے پیلاطس نے اُسے اُس کے پاس بھیجا تھا بالکل بھول گیا۔ اُس نے اس کے مُنہ سے جواب کا بھی انتظار نہ کیا۔ بلکہ بکتا چلا گیا۔ اُس نے مذہبی باتوں پر بہت کچھ سوچ بچار کی تھی اور وہ یسوع کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اُسے ان معاملات کے متعلق کس قدر واقفیت حاصل ہے۔ اُس کے ذہن میں بڑے بڑے گہرے سوال پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور بہت سے عُقدے حل طلب تھے۔ ایک ایسا آدمی بھی جس کا کچھ دین و ایمان نہ ہو۔ دینی اُمور کی بابت بہت کچھ بات چیت کر سکتا ہے۔ اور بہت سے آدمی ہیں جو بجائے دوسرے آدمیوں کی گفتگو سُننے کے خواہ وہ اُن سے کتنے ہی بڑھ کر دانا کیوں نہ ہوں اپنی ہی شیریں آواز کو سُننا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ شاید ہی کسی شخص کی زبان ایک بے اُصول اور بد چلن آدمی کے برابر تیز چلتی ہوگی +

ہیرودیس آخرکار باتیں کرتے کرتے تھک گیا۔ اور اب یسوع کے لب کھولنے کا انتظار کرنے لگا۔ مگر یسوع کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ وہ برابر خاموش کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ خاموشی دوبھر معلوم دینے لگی۔ ہیرودیس بھی مارے غصّہ کے لال پیلا ہونے لگا۔ مگر یسوع کے مُنہ سے ایک حرف نکلتا معلوم +

اول تو یہ بات قابل غور ہے۔ کہ یہ ساری کارروائی بالکل غیر متعلق

تھی۔ یسوع ہیرودیس کے پاس تحقیقات کے لئے بھیجا گیا تھا۔ مگر اس امر کی طرف اُس نے توجہ بھی نہ کی۔ اگر یسوع کی یہ خواہش ہوتی کہ جس طرح ہو سکے اپنے کو دشمنوں کے پنجہ سے چھڑا لے۔ تو یقیناً یہ ایک نہایت عمدہ موقع تھا کیونکہ اگر وہ فقط ہیرودیس کی خواہش کے موافق کرتا۔ اور اُس کی تفریح کے لئے ایک معجزہ دکھا دیتا۔ تو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ اُسے نہ صرف فوراً رہا کر دیتا بلکہ طرح طرح کے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیتا۔ مگر ہم یقین نہیں کر سکتے کہ اس قسم کا خیال تک بھی یسوع کے دل میں آیا ہو گا۔ اُس نے اپنی ذاتی غرض کے لئے آج تک کبھی معجزہ سے کام نہیں لیا تھا۔ اور یہ کبھی خیال میں نہیں آسکتا کہ اِس وقت وہ اپنے کو ایسا ذلیل کر دیتا کہ ہیرودیس کے اُس خیال کو جو اُس نے اُس کی نسبت باندھ رکھا تھا۔ صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک معجزہ دکھا دیتا۔ یسوع ہیرودیس کی رعایا تو تھا مگر اُس کے لئے یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ ایسے شخص کو ادب و عزت کی نگاہ سے دیکھتا۔ بھلا ایسے شخص کے لئے سوائے حقارت کے اور کیا خیال دل میں آسکتا تھا۔ جس نے یسوع کے ساتھ ایسا کمینہ وار سلوک کیا اور ایسے عظیم الشان اور اہم موقع پر ایسے ہلکے پن کو کام میں لایا۔ ایک ایسے شخص کو جو ہیرودیس کی گذشتہ زندگی سے واقف تھا۔ اُس کو مذہبی اُمور پر گفتگو کرتے سُننا کیسا ناگوار معلوم ہوا ہو گا! اس شخص میں مردمی باصدق دلی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ مذہب اُس کے لئے محض ایک کھیل تھا +

ایسے آدمی کے سامنے مسیح ہمیشہ خاموش رہتا ہے۔ ہیرودیس اُن اشخاص کا قائم مقام ہے۔ جن کے نزدیک زندگی میں کوئی سنجیدگی نہیں ہے۔ اور جو فقط عیش و عشرت کے لئے جیتے ہیں۔ ایسے لوگ کثرت سے پائے جاتے ہیں جو نہ صرف مذہب میں اور اُس کی اعلےٰ اور سنجیدہ صورت میں کوئی کشش

اپنے لئے نہیں پاتے۔ بلکہ وہ ہر ایک بات سے جس میں گہرے غور و فکر یا سنجیدگی یا سرگرمی کی ضرورت ہو پرہیز کرتے ہیں۔ جونہی وہ اپنے ذاتی کاروبار سے فارغ ہوتے ہیں عیش و عشرت اور سیر و تفریح کی طرف دوڑتے ہیں۔ اور ایک چیز جس سے وہ از حد خوف زدہ ہیں۔ سو تنہائی ہے۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ کہیں اپنے آپ سے دوچار نہ ہو جائیں۔ سوسائٹی کے بعض فرقوں میں جہاں روٹی کمانے کے لئے محنت کرنی کی حاجت نہیں۔ یہ مزاج و طبیعت حکومت کر رہی ہے - زندگی ایک کھیل ہے۔ ایک تفریح کے بعد دوسری - اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اور اس امر کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ کہ کوئی ایسی فراغت کی گھڑی نہ ملے جس میں خواہ مخواہ سنجیدہ باتوں پر غور و فکر کرنے کی نوبت آئے۔

اس آوارگی میں مذہب کو بھی جگہ مل سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ گرجے کو بھی اُسی نیت و مدعا سے جائیں جس سے کسی تھیٹر یا تماشہ گاہ کو جایا کرتے ہیں اس اُمید سے کہ وہاں بھی کوئی مشغلہ ہاتھ آجائے اور دل بہلانے کا کچھ سامان مل جائے۔ جس سے زندگی کی ایک گھڑی کا بوجھ سر سے اُتر جائے۔ ہمیں شرم سے اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس قسم کے بہتیرے گرجے اور اس قسم کے بہتیرے واعظ ہیں جو اس قسم کی ضرورتوں اور خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ فصاحت و بلاغت کی آتشبازی اور موسیقی کی افسونگری یا ریت و رسم کی شان و شوکت سے الٰہی عبادت کو دل بہلانے کا ایک نہائت عمدہ مشغلہ بنا دیا جاتا ہے۔ اور جماعت جب عبادت کے بعد گھروں کو رخصت ہوتی ہے تو اُن کے دل میں قریباً ویسے ہی خیال بھرے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ تھیٹر یا کانسرٹ (محفل راگ) کے دیکھنے کے بعد ہوتے ہیں۔ غالباً وہ لوگ اس امر کو

ایک بڑی کامیابی خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ وہاں مسیح نے کلام نہیں کیا۔ وہ ایسے لوگوں کے سامنے جو مذہب کی اس روح و مزاج میں پیروی کرتے ہیں۔ ہرگز ہرگز اپنے ہونٹ نہیں کھولتا +

بعض اوقات یہی مزاج ایک اور پہلو میں اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ وہ مذہبی باتوں پر خیال کے گھوڑے دوڑانے لگتا۔ اور اُس کے مسائل پر طرح طرح کے شک و شبہ پیدا کرنے لگتا ہے۔ اور ہیرودیس کی طرح بہتیری باتیں پوچھنے لگتا ہے۔ جب کبھی میں بعض لوگوں کو مذہبی عقیدوں پر بات چیت اور بحث کرتے سُنتا ہوں۔ تو اکثر مجھے یہ جواب بن آیا کرتا ہے کہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم مسیح پر ایمان لا سکو؟ تم نے کونسا ایسا کام کیا ہے جس سے تم اس قسم کے استحقاق کے سزاوار ٹھہرو؟ تم تو دل میں یہ سمجھ رہے ہو کہ گویا ہم ایمان لاکر مسیح پر کچھ احسان کرتے ہیں۔ درحقیقت اُس پہ اور اُس کے کلام پر ایمان لانے کی قدرت و قابلیت رکھنا ایک بڑا استحقاق اور عزّت ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے غور و فکر۔ عجز و فروتنی اور خود انکاری کی ضرورت ہے +

ہمیں یہ ضرور نہیں کہ ہر ایک شخص کے اعتراضات کا جو وہ ہمارے دین پر کرتا ہے۔ جواب دیں۔ مذہب درحقیقت ایک ایسا مضمون ہے جس پر گفتگو کرنا ہر ایک شخص اپنا حق سمجھتا ہے۔ نہائت ناپاک خیال اور بد چلن آدمی بھی اُس کی نسبت بات چیت کرتے اور قلم لیکر لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ گویا کہ اُنہیں اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ مگر درحقیقت یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر بہت تھوڑوں کو گفتگو کرنے کا حق حاصل ہے۔ ہم بہتوں کے خیالات کو پہلے ہی سے اُن کے چال چلن سے معلوم کر سکتے ہیں

اور سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی کیا وقعت و حقیقت ہے +

بعض شاید یہ کہیں کہ یسُوعؔ کو چاہئے تھا کہ ہیرودیس سے ہمکلام ہوتا اور ایسا نہ کرنے سے اُس نے ایک عمدہ موقع کھو دیا - کیا یہ مناسب نہ تھا کہ وہ اس امر میں اُس کے ضمیر کو شاہد لاتا - اور جس طرح ہو سکتا - اُس کو اُس کے گناہ سے متنبہ کرنے کی کوشش کرتا؟ ان لوگوں کو میرا جواب یہ ہے کہ اُس کی خاموشی ہی بجائے خود ایک بڑی صاف اپیل تھی - اگر ہیرودیس میں ایک ذرہ بھر بھی ضمیر زندہ ہوتا تو وہ آنکھیں جو اُس کے دل کی تہ تک کو دیکھ رہی تھیں - اور وہ الٰہی اقتدار جو اُس کا اندازہ و قیاس کر رہا تھا ضرور اُس کے گناہوں کو قبر میں سے نکال کر اُس کے سامنے لاتا اور اُسے پریشان حال کر دیتا - یسُوعؔ خاموش تھا - تاکہ مُردہ بپتسمہ دینے والے کی آواز صفائی سے سُنائی دے +

اگر ہم اس کا مطلب سمجھ سکیں تو معلوم ہوگا کہ یقیناً مسیح کی خاموشی اس وقت نہائت مؤثر تقریر سے بھی کہیں بڑھ کر تھی - کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب تم اُس کی آواز سُنا کرتے تھے - جب کہ کتاب مُقدّس اور واعظ کے الفاظ گرجے میں تمہارے دل کے اندر تحریک پیدا کیا کرتے تھے - جب کہ رُوحانی گیتوں کو سُنکر تمہارے دل میں طرح طرح کی اعلےٰ اُمنگیں اُٹھتی تھیں - جب سبت کا روز تمہارے نزدیک مُقدّس تھا - جب خدا کی رُوح تمہارے اندر جدوجہد کرتی تھی - اور کیا یہ سب گذر گیا یا گذر رہا ہے؟ کیا اب مسیح تم سے گفتگو نہیں کرتا؟ اگر کوئی آدمی بیمار پڑا ہو اور اُسے یہ معلوم ہو کہ اُس کے اردگرد کے سب لوگ اُس کی حالت دیکھ کر دن بدن چپ چاپ ہوتے جاتے ہیں - بیوی کلام سے پرہیز کرتی ہے - ملاقاتی دھیمی آواز میں گفتگو کرتے

ہیں۔ آنے جانے والے آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہیں۔ اور دروازہ اِس طرح بند کرتے ہیں کہ آہٹ نہ ہو۔ تو وہ جان لیتا ہے۔ کہ اُس کا مرض خوفناک درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ جب ایک مسافر برفانی طوفان سے جنگ کرتا ہوا آخر کار آرام کے لئے لیٹ جاتا ہے۔ اور سردی اور درد اور بیقراری محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور اگر اُس وقت اُسے میٹھی نیند آنے لگے۔ تب وقت ہے کہ اُسے جگایا جائے کہ وہ اُٹھ کر پھر چلنے اور طوفان سے لڑنے میں مشغول ہو۔ ورنہ اُسے قیامت تک کبھی دوبارہ کھڑا ہونا نصیب ہوگا۔ رُوحانی زندگی میں بھی اِسی قسم کی حالت طاری ہو جایا کرتی ہے۔ اِس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ رُوح نے جدوجہد کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اور مسیح نے بُلانا ترک کر دیا ہے۔ اگر اس قسم کی نیند تم پر غلبہ پاتی چلی آتی ہے تو تمہیں ضرور فکرمند ہونا چاہئے کیونکہ اس وقت تمہاری جان معرضِ خطر میں ہے ✦

۴

ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہیرودیس نے کہاں تک یسُوع کی خاموشی کا مطلب سمجھ لیا۔ اغلب امر یہ ہے کہ اُس نے سمجھنا نہ چاہا۔ بہرکیف اُس کی حرکات سے معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اُس نے اُسے حماقت سمجھا۔ اُس نے خیال کیا کہ یسُوع کے معجزہ نہ دکھانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اِس پر قادر ہی نہیں ہے۔ جو لوگ اس قسم کے جھُوٹے دعویدار ہوتے ہیں۔ جب وہ پولیس کے ہاتھوں پڑ جاتے ہیں۔ تو اُن کی ساری قدرت اُنہیں جواب دے جایا کرتی ہے۔ اُس نے بھی یہی سمجھا۔ کہ یسُوع کا پول کھُل گیا۔ اُس کا مسیحیت کا دعوے باطل ثابت ہؤا۔ اور اب اُس کے پیرو بھی اپنی غلطی سے خبردار ہو گئے ہونگے ✦

یہی اُس کا خیال تھا - اور ایسا ہی اُس نے ظاہر بھی کیا - اور اُس کے تخت کے اردگرد کھڑے ہونے والوں نے بھی اُس کے اس خیال کی تائید کی - کیونکہ مشکل سے کوئی اَور مقام ہوگا - جہاں ایک بڑے آدمی کے الفاظ کی ایسی طوطے کی طرح نقل اُتاری جاتی ہے - جیسے کہ ایسی چھوٹی ریاستوں میں - اور جب ہیرودیس نے یسُوع کو پیلاطس کے پاس واپس بھیجنے سے پہلے یہ حکم دیا کہ اُس کے کندھوں پر ایک زَرِّیں دار لباس ڈالا جائے - تو یقیناً انہوں نے اس کو ایک ایسا مزاخ سمجھا ہوگا - جو بڑی تحسین و آفرین کے قابل ہے - غالباً یہ اُس لباس کی نقل کے طور پر تھا - جو رومؔ میں کسی عہدہ کے اُمّید وار پہنا کرتے تھے - اِس سے گویا یہ جتانا مقصود تھا - کہ یسُوع گویا ملک کے تاج و تخت کا اُمّیدوار ہے - مگر وہ ایسا ذلیل و قابلِ تمسخر ہے کہ اُسے حقارت کے سوا کسی اَور سلوک کا سزاوار سمجھنا سخت غلطی ہوگی - اِس طرح قہقہہ کی نعروں کے درمیان یسُوع اُس کے حضور سے رخصت کیا گیا ؀

پیلاطس کے پاس واپس آنا

یسوع کو ہیرودیس کے پاس بھیجنے سے جو پیلاطس کا منشا تھا پورا نہ ہؤا اسلئے قیدی پھر شاہی محل میں واپس لایا گیا ۔

ہیرودیس نے تو اپنی طرف سے یسوع کی بہت تحقیر و تضحیک کی مگر حقیقت میں جیساکہ ہم اب جانتے ہیں وہ اُس وقت خود قابل سزا ٹھیرا اور اُس نے اپنے ہی کو رسوا کیا۔ اور اب یسوع پیلاطس کے پاس واپس آیا تاکہ ظاہر کردے کہ وہ یعنی پیلاطس بھی کس قسم کا آدمی ہے۔ اگرچہ اسوقت پیلاطس مطلقاً اس امر سے بیخبر تھا کہ کیا کچھ ہونے کو ہے۔ اُسے اُس وقت صرف اس امر کا رنج تھا کہ مقدمہ جسسے وہ اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا آخر اُسی کے گلے پڑ گیا۔ اُسے خواہ نخواہ اُسے کرنا پڑا۔ اور آخر اُس نے فیصلہ کر ہی کے چھوڑا۔ مگر پیشتر اس کے کہ اُس مقدمہ کا خاتمہ ہؤا اُس کی اپنی خصلت و مزاج اُس کی تہ کی تہ تک مسیح کی روشنی میں منکشف ہو گیا ۔

ہیرودیس کے مزاج میں تو ہلکاپن اور دنیا پرستی سمائی ہوئی تھی۔ ایسی دنیا پرستی جو ساری زندگی کو ایک کھیل اور مسخری سمجھتی ہے۔ مگر پیلاطس کی دنیا پرستی ایک اور ڈھنگ کی تھی یعنی اس قسم کی جو زمین کو اپنا مقصد و مدعا ٹھیراتی ہے اور سب کچھ اُسی کے حصول کے تابع کر دیتی ہے۔ اِن دونوں میں سے شاید اِس آخری قسم کی دُنیا پرستی زیادہ عام ہے

اور اس لئے اُس راز کھول دینے والی روشنی میں جو مسیح سے درخشاں ہوتی ہے اُس کو درجہ بدرجہ اپنی اصلی صورت کو ظاہر کرتے دیکھنا دلچسپی لا فایدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ا

پیلاطس شاید اِس امر میں بالکل حق بجانب ہوتا۔ اگر وہ یسوع کی رہائی کو اُسکے ہیرودیس کے پاس سے واپس آنے تک ملتوی کر دیتا کیونکہ اگرچہ اُس نے خود اُسمیں کچھ قصور نہ پایا۔ تو بھی یہودیوں کی شریعت اور رسُوم کی ناواقفیت کے سبب وہ اُس مقدمہ میں فتوے لگانے میں تامل کرتا اور مقدمہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک ماہر کی رائے کو معلوم کرنے کا خواہشمند ہوتا۔ لیکن جب اُس نے یہ معلوم کر لیا کہ ہیرودیس کی رائے بھی اُس کے ساتھ متفق ہے۔ تو اب اس امر میں زیادہ ڈھیل کرنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

اِس لئے اُس نے یہودیوں سے صاف صاف کہدیا کہ اُس نے خود قیدی کا امتحان کیا اور اس میں کچھ قصور نہ پایا۔ اُس نے اُسے ہیرودیس کے پاس بھیجا اور وہاں بھی یہی بات ثابت ہوئی۔ اِس لئے ——— مگر کیا؟ شاید تم یہ سُننے کے اُمّیدوار تھے کہ "اس لئے میں اُسے بالکل بری کرتا ہوں اور اگر ضرورت ہو تو اُسکی حفاظت کروں گا تاکہ کوئی اُسے ضرر نہ پہنچائے" منطق اور عدل کے لحاظ سے تو اُسے یہی الفاظ کہنے مناسب تھے۔ مگر پیلاطس کے مُنہ سے جو الفاظ نکلے وہ زیادہ تعجب انگیز تھے "اس لئے میں اُسے پٹوا کر چھوڑ دیتا ہوں"۔ یا یوں کہو کہ وہ اس بات پر آمادہ تھا کہ محض اُن کے غصّہ کو فرو کرنے کے لئے اُسے کوڑوں کی سخت سزا دیگا۔ اور پھر انصاف کے مطابق اُسے رہا کر دیگا۔

یہ نہایت ہی بے انصافی کی بات تھی۔ لیکن اس سے اس شخص کی طبیعت اور اُس انتظام حکومت کی جس کا وہ قائم مقام تھا۔ رُوح کا حال بخوبی آشکارا ہوتا ہے۔

سلطنت روما کی سوچ یہ تھی کہ حسب ضرورت اور حسب موقع جس طرح سے کام نکلے کچھ دے دلاکر اور چھوڑ چھڑا کر بھی مطلب نکال لینا چاہیئے۔ جیسا کہ نہ صرف دوسری سلطنتوں میں بلکہ کلیسیا کے انتظام میں بھی اکثر اوقات دیکھا گیا ہے پیلاطس نے بیسیوں مقدّمات اسی اصُول کے مطابق فیصلہ کئے ہونگے۔ اور بیسیوں حاکم روم کی وسیع سلطنت میں اُس وقت اسی اصُول کے مطابق عملدرآمد کر رہے تھے۔ صرف پیلاطس کے حصّہ میں یہ آیا کہ اس کمینہ اصُول کو ایک ایسے مقدّمہ میں عمل میں لائے جہاں اُس کی یہ حالت تاریخ کی روشنی کی نگرانی میں آگئی +

لیکن کیا ہمیں یہ یقین نہیں کرنا چاہیئے کہ دوسرے تمام مقدّمات میں خواہ مظلوم کیسا ہی گمنام شخص کیوں نہ ہو یہ رُوح جو پیلاطس سے ظاہر ہوئی۔ خدا کے نزدیک ویسی ہی نامقبول تھی؟ ہمارے خداوند نے جو آخری روز عدالت کی تصویر کھینچی ہے۔ اُس میں ایک بات ایسی ہے جس پر سب کو خداوند کے فتوے پر تعجّب پیدا ہوتا ہے۔ وہ جو دہنی طرف کھڑے ہیں اُن سے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مسیح کو جب وہ بھوکا تھا کھانا کھلایا۔ جب پیاسا تھا پانی پلایا وغیرہ وغیرہ۔ اور وہ حیرت سے سؤال کرتے ہیں کہ اے خداوند ہم نے کب تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا کب پیاسا دیکھا اور پانی پلایا؟ اِسی طرح وہ جو بائیں طرف کھڑے ہیں اُن پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُنہوں نے مسیح کو بھوکا دیکھکر کھانا نہ کھلایا۔ پیاسا دیکھکر پانی نہ پلایا وغیرہ۔ یہ بھی پوچھتے ہیں۔ خداوند۔ ہم نے کب تجھے بھوکا اور پیاسا دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ شاید تم یہ خیال کرو کہ وہ اپنے گناہ چھپانیکے لئے جن سے وہ خوب واقف ہیں اس قسم کے کلمات کہتے ہیں ہرگز نہیں۔ وہ سچ مچ عالم حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ شاید کہنے والے نے اُن کی نسبت غلطی کھائی ہے۔ اور اب اُنہیں ایسے گناہوں کے لئے سزا دی جاتی ہے جو اُن سے کبھی سرزد نہیں ہوئے۔

وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ اُنہوں نے فقط چند بچوں اور بڑھیا عورتوں کی طرف سے بے پروائی کی تھی۔ مگر یہ کس حساب میں ہیں لیکن مسیح فرماتا ہے "یہ سب میرے جابجا تھے۔ اور اگر تم نے اُن کی طرف سے غفلت کی یا انہیں نقصان پہنچایا۔ تو یہ تم نے میرے ہی ساتھ کیا"۔ اس طور سے ہر ایک جان آخرکار ایسی عالی پایہ اور قابل لحاظ ثابت ہوگی کہ ہم اِس وقت اُس کا تصوّر بھی نہیں باندھ سکتے خبردار رہو کہ تم اپنے بھائی سے کیسا سلوک کرتے ہو! ممکن ہے کہ تم اُس وقت خود خدا کی آنکھ کی پتلی کو چھو رہے ہو۔ خبردار رہو کہ تم ایک بچے سے بھی کس طرح بےانصافی سے پیش آتے ہو! شاید تم آخرکار یہ دریافت کرو کہ درحقیقت تم نے خود مسیح پر حملہ کیا تھا۔

۲

پیلاطس نے درحقیقت اپنے اصُول کو بالائے طاق رکھ دیا تھا جب کہ اُس نے ظاہر تو یہ کیا کہ مسیح بیگناہ ہے۔ مگر ساتھ ہی اُسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ مگر اُسے یہ خیال تھا کہ آخرکار وہ اِس طریق سے اپنے اصلی مُدعا کو حاصل کریگا۔ مگر ہم دیکھینگے کہ وہ کس طرح اِس امر میں قاصر رہا۔ اور اُس نے آخرکار بالکل مُنہ کی کھائی۔ جب وہ اس تحقیقات میں مشغول تھا۔ تو اُس کی طرف کئی ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ بعض تو اُس کے بچانے کے لئے۔ اور بعض اُس کے خلاف۔ مگر اُس نے تو بسم اللہ ہی غلط کی تھی اور اس لئے وہ آخرکار اُسی غلطی کے رَو میں بہتا ہوا چلا گیا اور ہلاک ہوا۔

پہلا ہاتھ جو اُس کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ وہ محبّت اور امداد کا ہاتھ تھا۔ وہ خود اُس کی اپنی بیوی کا ہاتھ تھا۔ اُس نے اُسے کہلا بھیجا کہ اُس نے اُس قیدی کے متعلّق ایک خواب دیکھا ہے۔ اور اس لئے چاہیئے کہ تُو اس نیک مرد سے کچھ واسطہ نہ رکھے"۔

اس امر میں بعض لوگ مشکلات پیدا کرتے ہیں کہ بھلا اُسے یسُوع کی کس طرح خبر مل گئی۔ مگر اس میں مشکل کونسی ہے۔ غالباً جب یسُوع ہیرودیس کے پاس بھیجا گیا تھا تو پیلاطس نے محل میں جا کر اپنی بیوی سے اس عجیب مقدمہ کا سب حال بیان کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی جتا دیا ہوگا کہ اسکے دل پر یسُوع کی صورت دیکھ کر کیا کیا اثرات پیدا ہوئے۔ جب وہ چلا آیا تو وہ سو گئی اور اُسی کا خواب دیکھا۔ کیونکہ اگرچہ ہمارے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "آج رات میں نے اُس کی نسبت خواب دیکھا ہے" مگر لفظی ترجمہ ہے "آج کے روز" اور کئی ایک سامان ایسے پیش آسکتے ہیں کہ ایک معزز خاتون دن کے وقت سو جائے۔ اُس کا خواب ایسا تھا کہ اُس سے وہ کچھ خوف زدہ سی ہوگئی اور اس لئے اُس نے اپنے خاوند کو کہلا بھیجا ÷

اس واقع نے مسیحیوں کی قوتِ واہمہ پر بہت کچھ اثر پیدا کیا ہے جس سے طرح طرح کی کہانیاں بن گئیں ایک روایت کہتی ہے کہ پیلاطس کی بیوی کا نام کلاڈیا پروکلہ تھا اور کہ اُس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ جیسا کہ اُس زمانہ میں اکثر ہوا کرتا تھا کہ معزز خاتونیں جو کسی نہ کسی طرح سے عہدِ عتیق کی کتابوں سے واقف ہو جاتی تھیں تو اس مذہب کو اختیار کر لیتی تھیں۔ یونانی کلیسیا نے تو یہ خیال کر کے کہ وہ ضرور مسیحی ہو گئی۔ اُسے ولائیت کا درجہ دے دیا ہے۔ شاعروں اور مصوّروں نے اُس کے خواب کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے ڈورے جیسے مشہور مصوّر کی تصویر اب بھی لندن کے بڑے تصویر خانہ میں موجود ہے اِس تصویر میں یہ دکھایا ہے کہ گویا یہ عورت خواب کی حالت میں ایک بالاخانہ پر کھڑی ہے اور ایک ڈھلوان وادی کی طرف جس پر بہت سے لوگ کھڑے ہیں دیکھ رہی ہے یہی سالوں اور صدیوں کی وادی ہے۔ اور وہ لوگ مسیحی کلیسیا کے آئندہ نسلیں ہیں جو بعد کو آنے والی ہیں۔ دفعتاً خود مسیح اُس کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے

اُس کے کندھے پر صلیب ہے۔ اُس کے پیچھے اور گرد اگرد بارہ رسُول اور مریدوں کی جماعت ہے۔ ان کے بعد ابتدائی صدیوں کی کلیسیا ہے۔ جن میں مشہور بزرگانِ دین مثل پولیکارپ۔ طرطولین۔ اتھناسیس۔ گریگوری۔ کرسسٹم اور آگستین کے شامل ہیں۔ ان کے بعد قرون وسطی کی کلیسیا ہے۔ جن میں صلیبی جنگ کے بہادروں کی تنومند اور زرہ پوش صورتیں نظر آتی ہیں۔ ان کے بعد زمانہ حال کی کلیسیا مع اپنے جوانمرد فرزندوں کے ہے۔ پھر گروہوں کی گروہیں اور جماعتوں کی جماعتیں قطاریں باندھی چلی آتی ہیں جنہیں کوئی شخص گن نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ اوپر سفید اور منور آسمان میں تہ ورتہ اور دائرہ بر دائرہ خدا کے فرشتوں کی جماعتیں اُن کے اُوپر اور دائیں بائیں اُنہیں گھیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور ان سب کے درمیان وہ صلیب جو ظاہر صورت میں وہ شخص ایک مصیبت ناک حالت میں اُٹھائے چلا جاتا ہے۔ ایک روشن ستارہ کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے +

خیر یہ تو سب وہمی اور خیالی باتیں ہیں۔ اس عورت کی اس فکرمندی میں کہ ایک بیگناہ آدمی کو کچھ گزند نہ پہنچے۔ ہم اُس قدیمی رومی عدل و انصاف کے آثار پاتے ہیں۔ جو اُس وقت بھی بعض شریف النسب خاتونوں کے دل میں دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ والمبنا[1] اور کورنیلیا[2] کے نام اب بھی صفحہ تاریخ کو رونق دے رہے ہیں۔ اور اُس کا اپنے خاوند کو گناہ کے فعل سے بچانے کی کوشش کرنا اُس کے نام کو اُن شریف عورتوں کی

[1] والمبنیا روم کے مشہور جنرل کوریولانس کی ماں تھی۔ جب اس کا بیٹا جلاوطن ہوا۔ اور وہ مخالفوں کی بڑی فوج لیکر روم پر چڑھ آیا۔ اور اُن سے سخت مطالبہ کرنے لگا۔ تو اُس کی ماں اور بیوی نے منت سماجت کر کے اُسے اپنی زاد بوم کو غارت رکھنے سے باز رکھا۔ گو اِس امر کے لئے وہ اپنے ہمراہیوں کے ہاتھ سے مارا گیا +

[2] کورنیلیا ایک نہایت شریف اور معزز رومی لیڈی تھی۔ اُس کی نسبت روایت ہے کہ جب اس کی سہیلی نے اپنے زیورات دکھا کر اس سے دریافت کیا کہ اس کے زیورات کہاں ہیں۔ تو اُس نے اپنے دو نوجوان بیٹوں کو پیش کر کے کہا کہ میرے زیور یہ ہیں۔ اُس کے لڑکے بڑے ہو کر بڑے نامی آدمی ہوئے +

فہرست میں داخل کرتا ہے جو محافظ فرشتوں کی مانند اپنے خاوندوں کے پہلو میں جو دنیا کے کاروبار میں غرق اور اُس کی غلاظتوں میں آلودہ ہونے کے خطرہ میں ہیں۔ اُنہیں برابر اعلےٰ قوانین اور غیر مرئی قدرتوں کو یاد دلاتی رہتی ہیں۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ یہ خواب خدا کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ اور یہ گویا بطور ہاتھ کے تھا جو پیلاطس کو اس ہلاکت سے جس میں وہ گرنے کو تھا بچانے کے لئے پھیلایا گیا تھا ؛

۴۳

اس وقت ایک اَور ہاتھ بھی اُس کی طرف پھیلایا گیا تھا۔ اور اُس نے اُسے فی الفور پکڑ لیا۔ اِس خیال سے کہ وہ اُسے بچا لیگا۔ مگر اُس ہاتھ نے دفعتاً اُسے پاتال کی طرف دھکیل دیا۔ یہ یروشلم کے لوگوں کی بھیڑ کا ہاتھ تھا۔ اِس وقت تک جو اشخاص یسُوع کے مُقدّمہ کی سٹیج پر کھڑے تھے وہ چند ایک ہی تھے۔ یہودی حُکّام کی دلی خواہش یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے جلدی جلدی اُس مُقدّمہ کا تصفیہ کر لیں۔ پیشتر اس کے کہ شہر کے عوام النّاس کو اور عید فسح کے زائروں کو جو شہر میں آئے ہوئے تھے اس معاملہ کی خبر پہنچے۔ اِس لئے اس کی کارروائی رات بھر ہوتی رہی۔ اور اس وقت بھی ابھی صبح سویرا تھا۔ جب یسُوع کو گلیوں میں سے ہیرودیس کے پاس لے گئے اور پھر واپس لائے۔ اور اس کے ساتھ شہر کے سربرآوردہ لوگوں کی بڑی جماعت بھی تھی۔ اسلئے اُنکو دیکھ کر یقیناً بہت سی بھیڑ جمع ہو گئی ہو گی۔ مگر اب ایک اَور وجہ سے بھی بہت سے لوگ جمع ہو گئے ؛

رومی گورنر کا یہ دستور تھا کہ عید فسح کی صبح کو لوگوں کی خاطر ایک قیدی رہا کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ عموماً بہت سے پولٹیکل قیدی قید خانہ میں ہوتے تھے۔

جن میں ایسے باغی بھی تھے جنھوں نے کبھی کبھی رومیوں کے جوئے کو اُتار پھینکنے کے لئے عَلم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور اس سبب سے لوگوں کو بہت عزیز تھے۔ اس لئے اِس استحقاق کو ایک معمولی بات نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور جب کہ یسُوع کے مقدمہ کی پیشی کھُلی جگہ میں ہو رہی تھی تو شہر کے لوگ جوق جوق محل کے دروازہ کے اندر آ گئے اور اس سالانہ تحفہ کے لئے چلّانا شروع کیا *

اس موقع پر پیلاطس کو اُن کی درخواست بہت ہی دلپسند معلوم ہوئی کیونکہ اُس نے خیال کیا کہ اس ذریعہ سے میں اس مشکل سے چھوٹ جاؤنگا۔ وہ اُن کے سامنے یسُوع کو پیش کریگا۔ جو اس سے چند روز پہلے لوگوں میں اس قدر ہر دلعزیز تھا کہ انھوں نے بڑے جوش و خروش سے اُس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ مسیح ہونے کا دعویدار ہے۔ اِس لئے لوگ اَور بھی خوشی سے اُس کی خلاصی کے لئے خواہشمند ہونگے *

یہ بات بالکل خلاف انصاف تھی۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ یسُوع کے ساتھ ایسا سلوک کر رہا تھا کہ گویا وہ مجرم ہے اور اُس پر سزا کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ حالانکہ وہ خود اس سے چند منٹ پہلے اُس کے بیگناہ ہونے کا فتویٰ دے چکا تھا۔ دوسرے اِس طور سے وہ ایک بیگناہ آدمی کی جان کو ایک فرضی بات پر جس کا نتیجہ ممکن ہے کہ اُلٹ پڑے ایک عام شہری جماعت کی مرضی کے حوالہ کر رہا تھا۔ مگر اس میں شُبہ نہیں کہ پیلاطس نے اِس امر کو اُس کے حق میں بہتر سمجھا۔ کیونکہ اُسے لوگوں کے مزاج کی نسبت یقین تھا۔ اور بہرحال اپنا پیچھا چھڑانے کا یہ ایک اچھا موقع اُس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ جسے وہ کھونا نہیں چاہتا تھا *

مگر یہ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ لوگوں کے دل اپنے ہی ایک اَور دلپسند شخص پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُس شخص کا نام بھی یسُوع تھا۔

مُقدّس متی کے بعض نسخوں میں اُسکا نام "یسوع براباؔس" لکھا ہے وہ ایک مشہور شخص تھا۔ جو شہر میں ایسی بغاوت پھیلانے کا مجرم ثابت ہؤا تھا۔ جس میں بہت لوگ مارے گئے تھے۔ اور اب قید خانہ میں اپنے پیروؤں کی جماعت کے ساتھ محبوس تھا۔ ایسے قزاق جو نیم لُٹیرے اور نیم باغی و سرکش ہوں۔ عوام الناس کے نزدیک اکثر بہت مقبول ہوتے ہیں۔ لیکن جب پیلاطس نے یسُوع کا نام پیش کیا۔ تو اُنہوں نے کچھ تامّل کیا معلوم ہوتا ہے کہ پیلاطس نے دوسرے قیدی کو بھی وہیں بُلا بھیجا تھا۔ تاکہ وہ دونو کو پاس پاس کھڑے دیکھ کر مقابلہ کر سکیں۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر وہ دونو کو دیکھینگے تو وہ بلا تامّل مسیح کے حق میں فیصلہ کر دینگے۔

مگر اس مختصر وقت کو صدر مجلس کے ممبروں نے غنیمت سمجھا اور اُنہوں نے لوگوں کو ترغیب دینی شروع کی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ گلیلی لوگ نہیں تھے جو اِس قدر دھوم دھام کے ساتھ یسُوع کو اس سے چند روز پہلے شہر میں لائے تھے۔ بلکہ یروشلم کے عوام النّاس جن پر مذہبی پیشواؤں کو بڑا اثر و اختیار حاصل تھا۔ کاہن اور فقیہ اب ان کے درمیان گئے اور ہر طرح کے مکر و فریب سے اُنہیں اپنے ڈھنگ پر لانا شروع کیا۔ غالباً سب سے مضبوط دلیل یہ پیش کی ہوگی کہ ظاہر ہے کہ پیلاطس یسُوع کو چاہتا ہے۔ اور اِس لئے اُنہیں اُس کے حق میں رائے نہیں دینی چاہیئے +

اگر درحقیقت پیلاطس نے دونو یسُوعوں کو پہلو بہ پہلو اُس چبوترہ پر کھڑا کیا۔ تو یہ کیسا عجیب نظّارہ ہوگا! ایک تو سرکش اور فسادی شخص تھا۔ جس کے ہاتھ خون سے رنگے تھے۔ دوسرا لوگوں کو شفا بخشنے والا اور راہِ حق کی تعلیم دینے والا۔ جو برابر لوگوں کی بھلائی میں مشغول تھا۔ جو ابن آدم اور ابن اللہ تھا۔ اب بتاؤ تم اِن دونو میں سے کسے قبول کروگے؟ یسُوع کو یا براباؔس کو؟

اور دس ہزار لوگوں سے یہ صدا آئی ”برابّاس“ کو ۔

یسوع پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا؟ یہی وہ یروشلم کے رہنے والے ہیں جن کے لئے اُس کی یہ خواہش تھی کہ جیسے مرغی اپنے بچّوں کو پروں کے نیچے چھپا لیتی ہے۔ اُنہیں اپنے زیر سایہ جمع کرلے۔ یہی اُس کے کلام کو سنا کرتے تھے۔ اُنہیں پر اُس نے اپنے معجزے دکھائے تھے۔ یہی اُس کے محبوب تھے۔ اور یہی لوگ ایک خونی اور لٹیرے کو اُس پر ترجیح دے رہے ہیں ۔

اِسی نظّارہ کو اکثر اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جمہور کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں۔ اگرچہ لوگوں کے خوشامدی یہ کہا کرتے ہیں کہ

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

مگر سامنے نگاہ کرو۔ جب اُنہیں یسوع اور برابّاس میں سے ایک کو چُننا پڑتا ہے تو وہ ہمیشہ برابّاس ہی کو چُنتے ہیں۔ لیکن اگر یہ بات سچ ہے تو اس مُقدّمہ نے اُمرا کی جماعت کا بھی فیصلہ کر چھوڑا ہے۔ کیا کاہن اور فقیہ اور شرفا عوام النّاس سے بہتر ہیں؟ عوام النّاس نے تو اُنہیں کی صلاح پر عمل کیا تھا ۔

مگر دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا یا ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کے پتھر پھینکنا ہرگز نہیں سجتا۔ یہ بہت بہتر ہوگا کہ اس قسم کے نظّارہ سے ہم اپنے لئے اپنی جماعت اور اپنے ملک کے لئے خوف کھانا سیکھیں۔ ہمیں کس کا مدّاح ہونا چاہئے؟ کس کی پیروی کرنی چاہئے؟ کس میں نجات ڈھونڈنی چاہئے۔ جمہور کے فیصلہ کے لئے بڑے بڑے سوال پڑے ہیں وہ کس کو چُنینگے۔ انقلاب عظیم پیدا کرنے والے کو؟ یا از سرِ نو پیدا کرنے والے کو؟ اور وہ کس پر اعتماد کرینگے؟ چالاک آدمی پر یا نیک طینت آدمی پر؟ وہ کونسا مزاج اختیار کرینگے؟ دست درازی کا یا محبّت کا؟ وہ کون سے وسائل کام میں لائینگے؟

جو باہر سے باطن کیطرف جاتے ہیں۔ یا جو باطن سے باہر کی طرف ؟ وہ کس مُدعا کو ڈھونڈینگے کھانے پینے کی بادشاہت کو یا اُس بادشاہت کو جو رُوحِ قدس میں راستبازی اور اطمینان وسلامتی اور خوشی ہے؟ مگر یہ سؤالات فقط جمہور کے واسطے ہی نہیں ہیں۔ تمام جماعتوں۔ تمام فرقوں۔ ہر ایک نسل اور ہر ایک ملک کو وقتاً فوقتاً اُن سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح ایک ایک فرد واحد کو بھی مگر شاید زندگی کے سب بڑے بڑے انتخابات آخر کار صرف اس بات میں کھپ جاتے ہیں کہ کس کو انتخاب کرو گے ؟ "یسوع کو یا برآباس کو"؟

۴

پیلاطس کو یہ بات کہ انہوں نے برآباس کو انتخاب کیا بڑی حیرت ناک معلوم ہوئی ہوگی۔ اور اُس سے اُسے سخت صدمہ بھی پہنچا ہوگا۔ اور وہ پوچھنے لگا "تو میں یسوع کو کیا کروں"؟ غالباً اُسے اِس جواب کی اُمید تھی کہ "اُسے بھی ہمیں دے ڈال"۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہ بڑی خوشی سے اِس قسم کی درخواست کو قبول کرتا۔ مگر بجائے اِس کے گونج کی طرح یہ جواب سُنائی دیا "اُسے صلیب دے" اور یہ ایک درخواست نہیں بلکہ ایک حکم کے طور پر معلوم ہوتا تھا +

اب اُسے یہ سوجھا کہ جس بات کو وہ بچ نکلنے کا سُوراخ سمجھا تھا وہ درحقیقت ایک پھانسی ثابت ہوئی۔ جس میں اُس نے خواہ مخواہ اپنا گلا پھنسا دیا۔ وہ اُن سے کہہ سکتا تھا کہ اُس نے اُنہیں فقط یہ اختیار دیا تھا۔ کہ دو جانوں میں سے ایک کو بچا لیں۔ نہ یہ کہ اُن میں سے کسی کو ضائع کریں۔ لیکن ایک طرح سے اُس نے دونو قیدیوں کو اُن کی رائے پر چھوڑ دیا تھا۔ بہرصورت لوگوں نے اُس کا یہی مطلب سمجھا۔ اور اُس نے بھی اُن کے خیال کی تردید کرنے کی جرأت نہ کی +

مگر تو بھی اس سے اُس پر بہت ہی اثر ہؤا۔ اور اب اُس نے ایک بالکل غیر معمولی حرکت کی۔ اُس وقت اُس نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور سب کے سامنے اپنے ہاتھ دھوکر کہنے لگا کہ "میں اس راستباز آدمی کے خون سے پاک ہوں۔ تم جانو"۔ یہ ایک بڑا سنجیدہ کام تھا۔ مگر اس کی سنجیدگی ساری دکھاوے کی تھی۔ اُس نے اپنے ہاتھ دھوئے۔ حالانکہ اُسے اُن ہاتھوں سے کام لینا چاہئے تھا۔ اور خون ایسی آسانی سے دھوئے نہیں دُھلتا۔ وہ اپنی ذمّہ داری سے پہلوتہی کرکے اُسے دوسرے کے کندھے پر نہیں ڈال سکتا تھا۔ گورنمنٹ کے اعلےٰ عہدہ دار اور با اختیار آدمی اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم عام راے کے سامنے اپنی گردن جھکاتے ہیں۔ مگر ہم بذات خود اس سے اپنے ہاتھ دھوتے ہیں۔ لیکن اگر ان کا عہدہ پیلاطس کی طرح اِس امر کا مقتضی ہے کہ اُنہیں اُس امر کا اپنے خیال کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔ نتیجہ خواہ اُن کے حق میں کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ تو ایسے گناہوں کا جُرم اُن پر برابر لگا رہیگا۔ اور کسی صورت میں اُن سے جُدا نہ ہوگا۔ یہ سارا نظّارہ مجسٹریٹوں کے لئے بطور ایک آئینہ کے ہے۔ جس میں وہ دیکھ سکتے ہیں۔ کہ اگر وہ اپنے کو محض عوام کی رائے کا اوزار بنا دینگے تو اُنہیں کیسے کیسے گہرے اور تاریک کنوئیں جھانکنے پڑینگے۔ پیلاطس کو چاہئے تھا کہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ عوام کی رائے کی مخالفت کرتا اور ایسے کام کو کرنے سے جسے وہ درست نہیں سمجھتا تھا انکار کر دیتا۔ مگر ایسا کرنے سے اُسے نقصان ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور اسی وجہ سے اُس نے ایسا نہ کیا ؛

لوگوں نے اپنی کامیابی کو معلوم کر لیا۔ اور جب اُس نے یسوع کی

موت کے بارہ میں اپنی صفائی ظاہر کی تو اُنہوں نے گستاخانہ جواب دیا۔" اُس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر"! پیلاطس کو تو اس جرم کو اپنے سر لیتے خوف آیا۔ مگر اُنہیں نہیں۔ کیا عجب کہ اُن کے یہ الفاظ سُنکر اُن کے سر پر آسمان تاریک ہوجاتا۔ اور اُن کے پاؤں کے نیچے زمین کانپ اُٹھتی۔ اِس سے بڑھ کر ناپاک الفاظ شاید ہی کبھی بولے گئے ہونگے۔ مگر وہ مارے غضب کے دیوانہ ہورہے تھے۔ اور سوائے اِس کے کہ اُنہیں اِس معاملہ میں فتح حاصل ہو۔ اور کسی بات کی مطلق پروا نہ تھی۔ مگر اُن کے یہ الفاظ اُس عدالت میں جس کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ فراموش نہ ہوئے۔ اور ابھی بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ لعنت جو اُنہوں نے اپنے سر لی تھی اُن کے شہر اور اُن کی قوم پر پڑ گئی۔ مگر اُس وقت تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور پیلاطس کی مرضی اُن کے کامل اصرار کے سامنے شکستہ ہو رہی تھی ٭

ساتواں باب

کانٹوں کا تاج

پیلاطس اپنی ساری کوششوں میں جو اُس نے یسوع کو اُسکے ایذا دینے والوں کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے کیں ناکام رہا۔ بلکہ جس قدر وہ زیادہ کوشش کرتا تھا۔ اُسی قدر اُن کا غصّہ اور بڑھتا جاتا تھا۔ اور اب اُسے سوائے اُسکے کوئی چارہ نہ تھا کہ یسوع کو جلّادوں کے حوالہ کرے۔ کم سے کم اُن عقوبتوں اور زدوکوب کرنیکے لئے جو صلیب دئے جانے سے پہلے مجرموں پر روا رکھی جاتی تھیں +

یہ بات زمانۂ حال کے مسیحی خیال کے مطابق نہیں کہ مسیح کی اُن جسمانی تکالیف کا بہت کچھ ذکر کیا جائے۔ کسی زمانہ میں لوگوں کا خیال اس بارہ میں مختلف تھا۔ متقدّمین مثلُ ٹائلر کے ان تکالیف کے ہر پہلو کو بہت کچھ مبالغہ سے بیان کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ صفحہ تحریر خون سے بھرا معلوم ہوتا اور ہمارے خوف و دہشت سے پڑھنے والے کا کلیجہ مُنہ کو آنے لگتا تھا۔ مگر ہمارے زمانہ میں زیادہ میلان اِس طرف ہے کہ ان خوفناک نظّاروں پر پردہ ڈال دیا جائے اور اگر یہ پردہ اُٹھانا روا بھی رکھتے ہیں تو صرف اِس قدر کہ جس سے اُس کے دل کی حالت کو بخوبی سمجھ سکیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک اُس کی تمام تکالیف درحقیقت اُس کے دل کے ساتھ ہی وابستہ تھیں +

ہمارے خداوند کے مقدس جسم کو بہت سے صدمے اور بے رحمیاں جھیلنی پڑیں پیشتر اسکے کہ وہ صلیب کی خوفناک اور مرکب تکالیف کی نذر کیا گیا۔ اوّل اُسکی وہ جانکنی تھی جو باغ میں اُس پر طاری ہوئی۔ پھر اُن زنجیروں کا جن میں وہ گرفتار ہونے پر جکڑا گیا۔ ذکر چھوڑ کر بھی۔ وہ ضرب تھی جو سردار کاہن کے نوکر نے اُس کے مُنہ پر لگائی۔ جب رات کے وقت دینی حکام اُس پر فتوےٰ لگا چکے۔ تو لکھا ہے کہ اُنہوں نے اُس کے مُنہ پر تھوکا۔ اور اُس کے مکّے مارے۔" اور اور لوگ اُس کے گالوں پر طمانچے مار کر کہتے تھے کہ "اے مسیح نبوت سے ہمیں بتا تجھے کس نے مارا۔" اِس لئے یہ چوتھا موقع ہے کہ اُسے جسمانی تکلیف اُٹھانی پڑی ❊

پہلے اُنہوں نے اُس کے کوڑے لگائے۔ یہ رومی سپاہیوں کے ہاتھ سے اُن کے آقا کے حکم سے ہوا۔ اگرچہ ظنِّ غالب ہے کہ گورنر خود اُس وقت وہاں سے چلا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اُسی چبوترہ پر جہاں مقدمہ ہو رہا تھا۔ اور سب کے روبرو وقوع میں آیا۔ مسیح کے کپڑے اُتار کر اُسے ایک ستون سے باندھا گیا۔ یا اُس کے ہاتھ پس پُشت باندھ کر ایک کھمبے پر جھکا دیا گیا۔ تا کسی طرح اپنے کو بچا نہ سکے۔ کوڑے کی شکل یہ تھی کہ ایک لکڑی کے ساتھ کئی ایک تسمے بندھے ہوتے تھے۔ جن کے سروں پر لوہے یا ہڈی کے ٹکڑے لگے تھے۔ ان کوڑوں کی ضربوں سے نہ صرف چمڑا پاش پاش ہو جاتا اور خون نکل آتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات آدمی کوڑے کھاتے کھاتے بیجان بحق ہو جایا کرتے تھے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ پیلاطس نے یسوع کا کچھ لحاظ کرکے ان کوڑوں کی تعداد یا سختی کو ہلکا کر دیا ہوگا۔ مگر برخلاف اِس کے یہ واضح رہے کہ اُس کی اِس تدبیر کا جو وہ اپنے زعم میں اُس کی رہائی کے

لئے کر رہا تھا اصل مُدعا یہ تھا کہ یہودیوں پر یہ ظاہر کرے کہ وہ آگے ہی بہت کچھ دُکھ اُٹھا چکا ہے۔ یسُوع کا اپنی صلیب اُٹھا کر لے جانے کے ناقابل ہونا غالباً اسی تکان اور دُکھ کے سبب سے تھا جو کوڑوں کے سبب سے اُس پر واقع ہؤا۔ اور ایک محض فرضی خیال کے مقابلہ میں جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا یہ امر اس سزا کی سختی کو پُورے طور پر ثابت کر رہا ہے ٭

کوڑے لگانے کے بعد سپاہی اُسے محل میں اپنی رہائش گاہ میں لے گئے۔ اور ساری رجمنٹ کو اس تماشے کا لطف اُٹھانے کے لئے جمع کیا۔ ظاہراً وہ یہ سمجھے کہ اُس پر صلیب کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور ہر ایک آدمی جس پر یہ فتویٰ لگ جاتا تھا کوڑے لگانے کے بعد سپاہیوں کے حوالہ کر دیا جاتا تھا کہ جس طرح چاہیں اُس کے ساتھ سلوک کریں۔ جیسے کہ جب جنگل میں شکار کو پکڑ لیتے ہیں تو اُسے کتوں کے آگے ڈال دیا کرتے ہیں۔ اور یہ مثال بالکل برمحل ہی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ لوتھر نے لکھا ہے۔ اُن دنوں میں آدمیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہؤا کرتا تھا۔ جیسا آج کل حیوانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہمارے لئے اس کا سمجھنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کیوں ساری رجمنٹ کو محض اس لئے جمع کیا گیا کہ اپنے ایک ہم جنس کے دُکھوں اور مصیبتوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور اُس کی درد و تکلیف پر ضحکے اُڑائیں۔ مگر یہی اُن کا مقصد تھا۔ اور وہ اُس وقت ایسا ہی لطف اُٹھا رہے تھے جیسے ساؤل کے لڑکے زخمی حیوان کو مرتے دیکھ کر۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہ لوگ تھے جو میدانِ جنگ میں خون دیکھنے کے بالکل عادی ہو رہے تھے۔ اور جب کبھی روم میں ہوتے تھے۔ تو تماشاگاہ کے کھیل تماشوں میں اور میلوں تیوہاروں کے موقعوں پر تلوار بازوں کو ایک دوسرے کو گھائل

کرتے دیکھنا اُن کا دلپسند مشغلہ تھا +

اِس تمسخر کو اُنھوں نے ایک تاجپوشی کی رسم میں بدل دیا۔ اُنھوں نے تحقیقات کے اثناء میں یہ معلوم کر لیا تھا کہ یسوع پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ بادشاہ ہونے کا دعویدار ہے۔ اور ایسے آدمی کی طرف سے جو بالکل کمینہ اور غریب ہو اس قسم کے اعلےٰ دعوے کا اظہار خواہ مخواہ اُسے یارانِ شاطر کا تختۂ مشق بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے دل میں اس خیال پر کہ ایک یہودی قیصر سے بڑھ کر بادشاہ بننے کا مدعی ہو ایک قسم کی نفرت وحقارت بھی پیدا ہو رہی تھی۔ اجنبی سپاہی جو فلسطین میں متعین تھے۔ یہودیوں کو جو اُن سے اس قدر دشمنی رکھتے تھے بھلا کب پسند کرتے تھے۔ اور اِس وجہ سے ایک یہودی مُدعیٔ سلطنت کے حق میں اُن کی تحقیر اور بھی زیادہ تیز ہو گئی ہو گی۔ اب اُنہوں نے اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا شروع کیا کہ گویا وہ سچ مچ بادشاہ ہے۔ بادشاہ کو ارغوانی پوشاک پہننی چاہئے اور اِس لئے وہ کسی افسر کا اُس رنگ کا ایک پُرانا کوٹ لے آئے اور اُس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ پھر بادشاہ کے سر پر تاج ہونا چاہئے اِس لئے اُن میں سے ایک باغ میں دوڑا گیا اور چند ٹہنیاں کسی درخت یا جھاڑی کی توڑ لایا۔ یہ ٹہنیاں کانٹے دار تھیں۔ مگر اُنہیں اسکی کیا پروا تھی بلکہ یہ اور بھی اچھا ہوا۔ اب اُنہوں نے اُنہیں توڑ مروڑ کر ایک تاج کی شکل میں بنا دیا۔ اور پھر اُس کے سر پر رکھ کے اُوپر سے دبا دیا۔ اب سارا سامان پورا کرنیکے لئے بادشاہ کے پاس عصائے شاہی بھی ہونا لازم ہے۔ اور اِس کے مہیّا کرنے میں اُنہیں کچھ دقّت پیش نہ آئی۔ ایک سرکنڈا جسے غالباً کوئی شخص بطور لاٹھی کے استعمال کرتا تھا پاس ہی تھا سو وہ اُس کے دہنے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا۔ اب بادشاہ سج سجا کر بالکل تیار ہو گیا۔ اور تب جیسا خاص خاص موقعوں پر اُنہوں نے

رعایا کو شہنشاہ کے سامنے گھٹنے ٹیکتے دیکھا تھا اُنہوں نے بھی باری باری آگے بڑھ کر اور گھٹنے ٹیک کر کہنا شروع کیا "اے یہودیوں کے بادشاہ سلام" لیکن ایسا کرنے کے بعد ہر ایک اُن میں سے قہقہہ لگاتا ہوا پیچھے لوٹتا - اور اُسے ایک ضرب لگا جاتا - اور اس غرض کے لئے اُسی عصائے شاہی یعنی سرکنڈے کو استعمال کرتا تھا - جو اُس کے ہاتھ سے گر پڑا تھا - اور اگرچہ مجھے [illegible] شرم آتی ہے - اُنہوں نے اُس کے مُنہ کو تھوکوں سے بھر دیا ؛

کیسا عجب نظّارہ ! ظاہر ہیں تو یہ اُمّید ہوتی تھی کہ وہ لوگ جو خود غریب اور رذیل تھے - اور اس لئے طاقتور لوگوں کے ہاتھوں ظلم سہتے رہتے تھے - اپنے درجے کے ایک آدمی کے حق میں جو ظلم کے پاؤں تلے کچلا جا رہا تھا - ہمدردی اور رحم کو محسوس کرینگے - مگر ادنےٰ نوکروں کی بیرحمی کے برابر شاید ہی کوئی اور بیرحمی ہو گی - سب آدمیوں میں ایک چھپی خواہش ہے جو دوسروں کو اپنے سے ادنےٰ حالت میں دیکھکر خوش ہوتی ہے اور خاص کر ایسے آدمی کے لئے جس نے بڑا بننے کی کوشش کی ہو مگر ذلت میں پڑ جائے - اُس کی اُفتاد میں ایک قسم کی ذاتی خوشی حاصل ہوتی ہے - اس قسم کی کمینہ جذبات ہر انسان کے دل کی تہ میں بھری پڑی ہیں - اور اس موقع پر انسان کی کمینہ جذبات کی تہ کی تہ اور اُس کی بُری خواہشوں کی غلاظت کی غلاظت آشکارا ہو گئی ؛

مگر یسوع پر اس قسم کا نظارہ دیکھنا کیسا شاق و سخت گذرا ہوگا - یہ سب باتیں اُس کی آنکھوں کے سامنے پیش کی گئیں - نہیں بلکہ خود اُس کی ذات پر وارد کی گئیں اور ایسے طور پر کہ وہ اپنا پیچھا چھڑا کر اُن سے دور نہیں جا سکتا تھا - اُس کے نازک اور لطیف جسم اور اُس کے سریع الحس دل کے لئے ایسے وحشی اور بیرحم آدمیوں کے ہاتھوں پڑنا کیا کچھ نہ ہوگا ! تاہم یہ بات ضروری تھی -

تاکہ اُس کام کو جس کے سر انجام کرنے کے لئے وہ اس دنیا میں آیا تھا تکمیل کو پہنچائے۔ وہ بنی انسان کو نجات دینے کے لئے آیا تھا تاکہ گہری سے گہری اور ادنے سے ادنے حالت تک غوطہ لگائے اور کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈے اور بچائے۔ اور اسلئے اُسے ضرور تھا کہ فطرت انسانی کے بُرے سے بُرے نمونوں اور ذلیل سے ذلیل خرابیوں سے پُوری واقفیت پیدا کرے۔ وہ تمام گنہگاروں کا ہاں ایسے خراب اور ذلیل آدمیوں کا بھی۔ جیسے کہ یہ سپاہی تھے۔ نجات دینے والا تھا۔ اور اس لئے اُسے ضرور تھا کہ اُن سے ملے اور دیکھے کہ وہ کیسے ہیں +

اس طور سے میں نے حتّی الامکان نہائت سہولت کے ساتھ اُسکے دُکھوں کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے اس سے زیادہ تفصیل کے خواہاں نہ ہونگے۔ مگر اس موقع پر تھوڑی دیر اور ٹھیرنا فائدہ سے خالی نہوگا تاکہ جو سبق اس نظارہ سے حاصل ہوتے ہیں اُن کو حاصل کریں +

اول یسوع کے ایذا دینے والوں کے چال چلن میں اِس امر کو دیکھو کہ اُنہوں نے خدا کی بخششوں کا کیسا بُرا استعمال کیا۔ رومی سپاہیوں کے چلن میں اول سے آخر تک خاصکر یہ بات نظر آتی ہے کہ کس طرح وہ ہر ایک موقع پر اپنے منصبی کام کو مسخری اور تماشے میں بدل ڈالتے تھے۔ اب دیکھو ہنسی خدا کی ایک بخشش ہے۔ یہ بطور مصالحہ کے ہے جو خدائے تعالےٰ نے اس لئے دیا ہے کہ روزمرّہ زندگی کے بیمزہ طعام کے ساتھ بطور چاشنی کے استعمال کیا جائے۔ یہ ایک بے لطف نظارہ کے لئے بطور سورج کی روشنی کی جھلکوں کے ہے۔ اشیاء زندگی میں اُن کے خندہ انگیز پہلو کو دیکھنے کی قابلیت زندگی کے بوجھ کو بہت ہی ہلکا کر دیتی ہے اور وہ شخص جو لوگوں کو ہنسا سکتا اور اُن میں زندہ دلی پیدا کر سکتا ہے۔ بنی انسان کا ایک سچّا مُربّی اور فیض رساں ہے +

لیکن اگرچہ ہنسی اور مزاح خدا کی بخشش ہے۔ شاید ہی خدا کی کوئی اور بخشش ہوگی جس کا ایسا بُرا استعمال کیا جاتا ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ بجائے برکت کے لعنت کا باعث ٹھیرتی ہے۔ جبکہ لوگ مُقدس اشیاء اور پاک اشخاص کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔ جب وہ اُس کے ذریعہ سے بڑی اور قابلِ عزت اشیاء کی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ جب وہ کمزوروں کی ایذا رسانی اور بیگناہوں کی تضحیک و تمسخر کا آلہ بنائی جاتی ہے۔ تب ہنسی بجائے ساغرِ محفل کی اُبلتی ہوئی جھاگ ہونے کے سمِ قاتل کا کام دیتی ہے۔ اس وقت اِن سپاہیوں کے بیرحمانہ افعال میں ہنسی ہی اُن کی رہنمائی کر رہی ہے۔ وُہ اُن کے افعال کی اصلی صورت کو اُن سے چھپائے ہوئے ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے مسیح کے دل پر پیلاطس کے کوڑوں سے بھی زیادہ گہرے زخم لگے ہونگے +

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ اس موقع پر مسیح کے عہدۂ شاہی کے خلاف ان لوگوں کی مخالفت ظاہر ہو رہی تھی۔ دینی عدالت کے فتوے کے بعد جو اُس کی بیحرمتی ہوئی وہ کچھ اور قسم کی تھی۔ اُس وقت اُس کے عہدۂ نبوت کی ہنسی اُڑائی گئی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ اُس کا مُنہ ڈھانپنے اور اُس کے مُکّے مارنے اور اُس سے کہنے لگے۔ نبوّت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا"۔ لیکن برخلاف اِس کے یہاں تمام تمسخر اس امر پر ہو رہا تھا کہ اُس نے بادشاہ ہونے کا دعوےٰ کیا تھا۔ سپاہیوں کے نزدیک یہ ایک بیہودہ اور قابلِ تمسخر بات معلوم ہوتی تھی کہ ایک شخص جو ایسا ذلیل اور بے یار و مددگار اور کمزور ہو اس قسم کے دعوے کرنے کا حوصلہ کرے +

اُس زمانہ سے آج تک بہت دفعہ مسیح کے اِسی دعوائے شاہی کی اسی طرح ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ وہ قوموں کا بادشاہ ہے۔ مگر زمینی بادشاہ اور حاکم

اس خیال کی ہنسی اُڑاتے رہے ہیں کہ اُس کی رضا اور اُس کی شریعت اُن کی تدابیر اور حرص و ہوا پر حاوی ہونے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ بلکہ جہاں کہیں اُسکے اختیار کو برائے نام مانا بھی جاتا ہے خواہ وہ سلطنت جمہوری ہو یا شاہی۔ وہ بھی اس امر کے تسلیم کرنے میں سستی ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کے قوانین اور اُن کی رسم و دستور اُسی کے کلام کے مطابق وضع اور قائم ہونے چاہئے۔ وہ کلیسیا کا بادشاہ ہے اینڈریو ملول[۱] نے جیمس شاہ انگلستان کو کہا تھا۔ کہ سکاٹ لینڈ میں دو بادشاہ دو بادشاہتیں ہیں ایک تو شاہ جیمس ہے جو اپنی مملکت کا حاکم ہے۔ دوسرا مسیح یسوع ہے جو کلیسیا کا بادشاہ ہے۔ اور جس کی رعایا خود شاہ جیمس ششم بھی ہے۔ اور وہ اُس کی سلطنت میں نہ تو بادشاہ ہے نہ امیر۔ نہ سردار۔ بلکہ ایک معمولی فرد کا رتبہ رکھتا ہے۔ اور سکاٹ لینڈ کی کلیسیا کی ساری تواریخ کو محض اِسی سچائی کے قائم رکھنے کے لئے جدوجہد کی تاریخ کہیں تو بجا ہے۔ اور اس جدوجہد کی بھی قریباً ایسی مخالفت ہوتی رہی۔ جیسے کہ خود یسوع کی پیلاطس کے محل میں ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ افراد انسانی کی مملکت میں مسیح کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا جائے۔ مگر یہاں زیادہ تر اُس کی مرضی کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ہم باتوں باتوں میں تو اُس کی

---

[۱] اینڈریو ملول ۱۵۴۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۲۲ء میں مرگیا۔ وہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔ اور اپنے علم و فضل کے لئے اپنے زمانہ میں نہائت مشہور تھا۔ وہ علاوہ عالم علم الٰہی ہونے کے مشرقی زبانوں میں بھی کامل مہارت رکھتا تھا۔ وہ فرانس۔ جنوا اور گلاسکو اور سینٹ اینڈریوز کی یونیورسٹیوں میں مختلف اوقات میں پروفیسر کے عہدہ پر رہا۔ اُس کی زندگی کے آخری سال شاہ جیمس کے مقابلہ میں کلیسیائے سکاٹ لینڈ کے حقوق کی حفاظت کے لئے لڑنے جھگڑنے میں خرچ ہوئے سخت کلامی کی وجہ سے وہ چار سال قید رہا اور بعد ازاں اپنے ملک کو واپس جانے کی اجازت نہ ملنے کے سبب وہ فرانس میں چلا گیا اور وہیں مرگیا +

اطاعت کو تیار رہیں۔ لیکن ہم میں سے کون ایسا ہے جو یہ کہہ سکے کہ وہ اپنے نفس پر ایسی کامل فتح حاصل کر چکا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اُس نے مسیح کے دعوے کو کامل طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ وہی ہمارے کاروبار اور فرصت کے گھنٹوں کا انتظام کرے۔ اور وہی ہمیں بتائے کہ ہمارے وقت اور وسائل اور خدمات سے کیا کام لیا جانا چاہیئے +

تیسرا سبق یہ ہے کہ جو کچھ یسوع نے اُس وقت برداشت کیا وہ سب ہمارے لئے برداشت کر رہا تھا +

اِس نظّارہ کی تمام باتوں میں سے جس بات نے مسیحیوں کے خیال پر بڑا اثر کیا ہے وہ کانٹوں کا تاج ہے۔ یہ ایک غیر معمولی چیز تھی اور بیرحمی کی قوت ایجاد اور شرارت پر شاہد تھی۔ اِس کے علاوہ چونکہ کانٹے کی چوٹ کو قریباً ہر ایک شخص کبھی نہ کبھی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اِس سے ہم مسیح کی تکلیف کا بہ نسبت کسی اور چیز کے زیادہ آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مگر اُس کی تاثیر کا اثر زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک اعلےٰ خیال کی علامت ہے۔ جب آدم اور حوّا باغِ عدن سے نکالے گئے اور انہیں ایک خشک اور پُرمحنت دنیا میں زندگی بسر کرنی پڑی تو اُن کو یہ حکم سنایا گیا تھا کہ زمین اُن کے لئے کانٹے اور اونٹ کٹارے پیدا کریگی۔ کانٹا لعنت کا نشان تھا۔ یاؤں کہو کہ خدا کی حضوری سے رد کئے جانے کا اور اُن تمام افسوسناک اور درد انگیز نتائج کا جو اُس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کیا یہ کانٹا کبھی جب کہ موسم سرما میں برہنہ شاخ پر سے اپنی بُری صورت کے ساتھ ڈراتا ہؤا نظر آتا ہے اور موسم سرما میں پتّوں یا پھولوں میں چھپا ہؤا ہاتھ کو چبھتا ہے۔ اور مسافر کے کپڑوں اور جسم کو جو جھاڑی میں سے اپنی راہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے پھاڑتا اور گھائل کرتا ہے۔ اور جہاں کہیں جسم میں لگتا ہے جلن ہی پیدا کرتا ہے۔ ہاں کیا یہ

کانٹا۔ زندگی کے اُس پہلو کی جو گناہ سے وابستہ ہے۔ ایک مناسب علامت نہیں ہے۔ وہ زندگی جو افکار اور اضطراب۔ دُکھ اور مایوسی۔ بیماری اور موت سے بھری پڑی ہے۔ الغرض وہ لعنت کا ایک مناسب نشان ہے۔ مگر مسیح اس لئے آیا تھا کہ اس لعنت کو برداشت کرے۔ اور جب کہ اُس نے اُسے اپنے سر پر اُٹھا لیا تو اُس نے اُسے دُنیا کے سر پر سے اُٹھا دیا۔ اُس نے ہمارے گناہ اُٹھا لئے اور ہمارے غم برداشت کئے ؛

مگر اس کا کیا سبب ہے کہ ہم اب جب کبھی کانٹوں کے تاج کا ذکر کرتے ہیں تو اُس سے ہمارے دل میں فقط ترس اور دہشت کے خیال ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ اُس کے ساتھ ہی ایک قسم کی شادمانی بھی حاصل ہوتی ہے جسے ہم دبا نہیں سکتے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ گو سپاہیوں کی مسخری سخت بیرحمی پر مبنی تھی۔ مگر اُن کے اِس فعل میں بھی ایک الٰہی کارسازی سمجھنی چاہئے۔ الٰہی حکمت اُن کے گناہ کے ذریعہ بھی اپنے مقصد و منشاء کو پورا کر رہی تھی۔ بعض اشخاص ایسے خوبصورت واقع ہوئے ہیں کہ اگر اُنہیں خراب سے خراب کپڑے بھی پہنا دئے جائیں جو اگر دوسروں کے جسم پر ہوں تو اُنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ ہنسی آئے یا نفرت پیدا ہو۔ مگر اُن پر بالکل سج جاتے ہیں۔ اور ٹوٹے پھوٹے زیور جو اُن پر بلا امتیاز لگا دئے جائیں ایسے دلکش معلوم دیتے ہیں کہ اوروں کی نہایت پُر تکلف پوشاک اور زیب و زینت بھی اُن کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ اِسی طرح مسیح میں بھی ایک ایسی بات ہے کہ جس سے وہ چیزیں بھی جو اُس کی بے ادبی و بیحرمتی کی نظر سے اُس پر پھینکی جاتی تھیں۔ اُس کے لئے زیور کا کام دیتی ہیں۔ جب لوگوں نے اُسے محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست کہا۔ تو اگرچہ یہ نام اُنہوں نے براہِ تمسخر اُسے دیا تھا۔ لیکن آخر کار یہ لقب ایسا دلکش ثابت ہوا کہ اُس کے

سبب سے سینکڑوں نسلیں برابر اُس کی محبت کا دم بھرتی چلی آئی ہیں۔ اور اسی طرح جب اُنہوں نے اُس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا تو وہ انجانے اُس کے سر شرافت کا سہرا باندھ رہے تھے۔ جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہؤا ہوگا۔ ان زمانوں کے اثناء میں یسوع برابر وہی کانٹوں کا تاج پہنے چلا آتا ہے۔ اور اُسکے عاشق اور پیرو اُس کے لئے کسی اور تاج کے خواہاں نہیں ہیں ❊

چہارم۔ اس نظارہ سے ہم یہ سبق سیکھتے ہیں کہ دُکھ اور درد کے وقت تحمل اور برداشت کو کس طرح کام میں لانا چاہیئے ❊

میں ایک مقدس خاتون سے واقف ہوں جس کی واقفیت کی عزت مجھے اپنے خادم الدین ہونے کے ابتدائی زمانہ میں حاصل ہوئی۔ اگرچہ وہ غریب اور ناتعلیم یافتہ تھی۔ مگر اُس کی خداداد ذہانت وقابلیت قابلِ تعریف تھی۔ اُس کے خیالات عجیب و غریب اور طبعزاد اور اُس کی گفتگو ایسی پسندیدہ تھی کہ سُننے والوں کا دل خود بخود کھنچا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ بہت عمر رسیدہ نہ تھی۔ مگر وہ جانتے تھے کہ اُس کی موت کا دن بہت دور نہیں ہے۔ اور جس مرض میں وہ مبتلا تھی وہ تمام امراض میں سے جو انسان کو لاحق ہوتی ہیں نہائت دردناک تھا مجھے یاد ہے کہ وہ اکثر مجھ سے کہا کرتی تھی کہ جب اُس کی تکلیف و جانکنی حد کو پہنچ جاتی تھی۔ تو وہ چپکے لیٹے لیٹے مُنجی کے دُکھ اور تکالیف پر غور کیا کرتی تھی۔ اور اپنے دِل میں کہا کرتی تھی کہ یہ چیزیں ایسی بڑی نہیں ہیں۔ جیسے کہ کانٹوں کے تاج کی سولیں تھیں ❊

مسیح کے دُکھوں کو دیکھ کر ہمیں اپنی عیش پرستی اور آرام طلبی قابل ملامت معلوم ہوتی ہے۔ زندگی کی آسائشوں اور عیش و آرام سے حظ اُٹھانے میں کچھ بُرائی تو نہیں ہے۔ خدا ہی ہمیں یہ سب کچھ عطا کرتا ہے۔ اور اگر ہم اُنہیں شکرگذاری کے ساتھ قبول کریں تو ممکن ہے کہ یہ چیزیں ہمیں اُٹھا کر اُس کے

زیادہ زیادہ قریب لے جائیں۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمیں اُن کی جُدائی کا خیال کرنے سے بھی دہشت دامنگیر ہو جاتی ہے۔ اور درد اور افلاس کا ذکر کرتے بھی ڈر معلوم دیتا ہے۔ خاص کر مسیح کے دُکھوں سے ہمیں حوصلہ ہونا چاہئے کہ خواہ کسی قسم کی تکلیف ہمیں پیش آئے یا لعنت ملامت ہمیں جھیلنی پڑے۔ ہم سب کچھ اُن کی خاطر سے برداشت کرنے کو تیار رہیں۔ بہت آدمی ہیں جو مسیحی بننے کے خواہاں تو ہیں۔ مگر اس خوف سے کہ علانیہ اقرار کرنے سے ہم پر ہمارے لنگوٹئے یار ہنسینگے یا دنیاوی عزّت و بہبودی میں نقصان اُٹھانا پڑیگا اس سے باز رہتے ہیں۔ مگر منجی کے دُکھوں پر نظر کر کے ہم کو ایسی بُزدلی اور خوف سے شرم آنی چاہئے۔ اگر کانٹوں کا تاج اِس وقت بھی مسیح کے سر پر ایسا سُہانا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اور فرشتے بھی اس پر فخر کرتے اور اُس کے گیت گاتے ہیں۔ تو یقین جانئے کہ اس تاج کی شاخوں کا کوئی ٹکڑا جو ہمیں کبھی پہننا پڑ جائیگا۔ وہ کسی نہ کسی دن ہمارے نہایت خوشنما زیورات میں سے شمار کیا جائیگا ❖

آٹھواں باب

پیلاطس کی بربادی

ہم پیلاطس کے تخت عدالت کے سامنے بہت دیر تک ٹھیرے رہے ہیں۔ پیلاطس نے ہمیں بہت ہی دیر تک ٹھیرائے رکھا ہے۔ وہ خوب جانتا تھا۔ بلکہ مقدمہ پر سرسری نظر ڈالتے ہی اُسے معلوم ہوگیا تھا کہ اِس بارہ میں اپنے فرض کی بجاآوری میں اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ مگر بجائے اِس کے کہ فی الفور اپنے یقین کے مطابق عمل کرتا۔ وہ اُسے معرضِ التوا میں ڈالتا رہا۔ اِس قسم کی دیر و تساہل سے عموماً فائدہ نہیں نکلا کرتا۔ پیلاطس نے آزمائش کو موقع دیا کہ اُس پر حملہ کرے۔ اُس نے اُس کا مقابلہ تو کیا۔ وہ دیر تک بڑی سختی سے اُس سے لڑتا رہا۔ مگر اُسے سرے ہی سے اُسے حملہ کرنے کا موقع ہی نہیں دینا چاہیئے تھا۔ اور آخرکار وہ نہایت ذلت کے ساتھ اُس کا شکار ہوگیا۔

ا

جب پیلاطس نے یسُوع کو کوڑے مارنے کے لئے حوالہ کر دیا۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُس نے درحقیقت اُسے صلیب دئے جانے کو حوالہ کر دیا ہے۔ اور غالب معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے بھی ایسا ہی سمجھا۔ کیونکہ کوڑے لگانا صلیب دئے جانے کا شروع ہوا کرتا تھا۔ تاہم اُس نے ابھی یسُوع

کے بچانے کی اُمّید کو بالکل ہاتھ سے نہ دیا تھا۔ وہ اب بھی اُسی تجویز کو جو اُس نے پیشتر کی تھی مدِّ نظر رکھے ہوئے تھا کہ اُسے کوڑے لگوا کر چھوڑ دے۔ شائد جب کوڑے لگائے جانے کے وقت وہ محل میں چلا گیا ہوگا۔ تو اُس کی بیوی نے ضرور اُسے ترغیب دی ہوگی کہ اس راستباز آدمی کو بچانے کے لئے اور بھی کوشش کرے +

بہر صورت وہ پھر باہر اُس چبوترہ پر آ بیٹھا جس کے گرد اگرد یہودی ٹھٹھ باندھے کھڑے تھے اور اُنہیں مطلع کیا کہ مقدمہ کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا۔ اور جب کہ یسوع جس کا پیٹنا ابھی ختم ہوا تھا سامنے آیا۔ تو وہ پھرا اور اُس کی طرف اشارہ کر کے بڑے اضطراب سے پکارا "اِس آدمی کو دیکھو" +

خواہ مخواہ اُس کی زبان سے یہ رحم انگیز کلمات نکل گئے اور اس میں گویا یہودیوں سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ آخر کار اس امر کو پہچان لیں کہ اِس مقدمہ میں اور زیادہ کچھ کرنا بالکل نامعقول بات ہوگی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یسوع ہرگز اُن لوگوں میں سے نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا کہ وہ اُسے سمجھے بیٹھے ہیں۔ بہر صورت اُسے کافی دُکھ اور سزا مل گئی ہے +

مگر مسیحی ذہن ہر زمانہ میں ان الفاظ سے اور بھی زیادہ گہرے معنی نکالتا رہا ہے۔ جیسے کہ قیافا بھی ایک بڑی سچائی کو بیان کر رہا تھا۔ گو وہ خود اُسے نہ سمجھتا تھا۔ جب اُس نے یہ کہا تھا کہ ضرور ہے کہ ایک آدمی سب کے لئے مرے۔ اسی طرح اِن الفاظ میں رومی گورنر نے بھی بلا جانے ایک نبوّت کر دی۔ واعظین ہر زمانہ میں انہی الفاظ کا استعمال کرتے رہے ہیں اور یسوع کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں "اِس آدمی کو دیکھو"! مصوّروں نے بھی اِس موقع کو انتخاب کر کے۔ جب کہ یسوع کوڑوں کے مارے خون

سے لتھڑا ہؤا اور ارغوانی لباس اور کانٹوں کا تاج پہنے ہوئے باہر آیا۔ اِس مردِ غمناک کی تصویریں کھنچی ہیں۔ اور بہت سے بیش قیمت صفحۂ تصویر پر الفاظ اکسی ہومو یعنی "اس ادمی کو دیکھو" ثبت دیکھے جاتے ہیں ؛

پیلاطس کی زبان سے دو لفظ نکلے جنہیں دُنیا کبھی نہ بھولیگی۔ اوّل تو یہ سؤال کہ "حق کیا ہے"؟ اور دوسرے یہ الفاظ "اِس آدمی کو دیکھو"۔ ایک کو گویا دوسرے کا جواب سمجھنا چاہئے۔ جب کہ یہ سؤال سچّے دل سے پوچھا جاتا ہے تو اس کا مطلب سوائے اِس کے اَور کیا ہوتا ہے کہ کون شخص ہمیں خدا کی معرفت عطا کریگا؟ کون شخص زندگی کے راز کو کھولیگا؟ کون شخص آدمی کو اُس کی حقیقت اور انجام سے مطلع کریگا؟ اور ان سؤالوں کا سوائے اِس کے اَور کیا کوئی جواب ہو سکتا ہے کہ "اس آدمی کو دیکھو"! اُس نے ابنائے آدم کو دکھا دیا ہے کہ انسان کو کیا بننا چاہئے۔ خود اُسی کی وہ کامل زندگی ہے جس کے مطابق ہر ایک شخص کو اپنی زندگی ڈھالنی چاہئے۔ اُسی نے غیر فانی زندگی کے دروازے کھول دئے۔ اور دوسرے عالم کے بھید ظاہر کر دئے۔ اور اِن سے بھی بڑھ کر ایک عظیم بات یہ ہے کہ اُس نے نہ صرف ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ ہماری زندگی اِس جہان میں اور اُس جہان میں کیسی ہونی چاہئے۔ بلکہ یہ بھی کہ ہم کس طرح اِس معراج کو حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ فقط کمالیت کی تصویر ہی نہیں ہے۔ بلکہ گناہ سے نجات دہندہ بھی ہے۔ اِس لئے ہم دنیا کو اُس کی طرف متوجّہ کرتے اور کہتے ہیں کہ "دیکھو اِس آدمی کو" ؛

۲

پیلاطس کو یہ اُمّید تھی کہ یسُوع کے دُکھ اور تکلیف کو دیکھ کر اُس کے

ایذا دینے والوں کے دل بھی اُس کے اپنے دِل کی طرح پگھل جائینگے۔ مگر وہاں اُسے فقط یہ جواب ملا کہ "اُسے صلیب دے۔ اُسے صلیب دے"۔ مگر اِس امر کو یہاں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ الفاظ اب سردار کاہنوں اور حاکموں نے کہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام النّاس کے دِل متاثر ہو گئے تھے اور اگر اُن کے سرگروہ اُنہیں اجازت دیتے۔ تو وہ ضرور اپنی ہٹ سے باز آجاتے۔ مگر ان سنگدلوں پر کچھ بھی اثر نہ ہؤا۔ بلکہ خون کو دیکھ کر اُن کا جوش اَور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ اگر وہ اپنی بات پر جمے رہینگے۔ تو پیلاطس کو آخرکار اُن کی بات ماننی ہی پڑیگی +

اب اُس کا بالکل قافیہ تنگ ہو گیا۔ اور وہ غصّے سے بولا "تو تم اُسے لو اور صلیب دو۔ کیونکہ مَیں اُس میں کچھ قصور نہیں پاتا"۔ جس سے غالباً اُس کا یہ مطلب تھا۔ کہ وہ قیدی کو اُن کے حوالہ کردیگا۔ بشرطیکہ وہ اُس کے صلیب دینے کی ذمّہ واری کو اپنے سر لے لیں۔ اگر درحقیقت اُس کے دل میں مذکورہ بالا الفاظ کے کچھ معنی تھے۔ اور وہ اُن الفاظ میں محض اپنے غصّے کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ تو اُن کے یہی معنی ہو سکتے ہیں +

اُنہوں نے دیکھ لیا کہ اب وہ نازک موقع آپہنچا اور آخرکار اُنہوں نے اُس کے قتل کرنے کی اصلی وجہ بیان کر دی اور کہنے لگے "ہم اہلِ شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے۔ کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا"+

تو یہ بنیاد تھی جس پر اُنہوں نے اُس پر قتل کا فتویٰ لگایا تھا۔ اگرچہ اُس وقت تک اُنہوں نے اُسے برابر چھپائے رکھا۔ اُنہوں نے اِس کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ پیلاطس [illegible]

مگراب پیلاطس پر اِس بات نے اُلٹا اثر پیدا کیا۔ وہ اُس دن سارے وقت کچھ بے چینی سی محسوس کرتا رہا تھا۔ اور جس قدر زیادہ وہ یسُوع کے رویّہ پر نظر کرتا تھا۔ اُسی قدر وہ اس مُقدمہ میں اپنے اُلجھاؤ کو ناپسند کرتا تھا۔ اور اب جب اُنھوں نے ذکر کیا کہ وہ ابن اللہ ہونے کا دعویدار ہے۔ تو وہ مارے خوف کے کانپ اُٹھا۔ اُس کو دفعتاً وہ ساری کہانیاں یاد آگئیں۔ جن سے خود اُس کا اپنا مذہب بھرا پڑا تھا کہ کس طرح بعض اوقات دیوتا یا دیوتاؤں کے بیٹے بھیس بدل کر زمین پر ظاہر ہوئے۔ اُن کے ساتھ معاملہ پڑنا خوفناک بات ہے۔ کیونکہ اگر اُنہیں کچھ ضرر پہنچ جائے۔ گو انجانے ہی کیوں نہ ہو۔ تو اُس کا سخت خمیازہ اُٹھانا پڑیگا۔ اُس نے پہلے ہی خود یسُوع میں بھی کوئی چیز ایسی پُر راز اور ناقابل بیان معلوم کرلی تھی۔ اگر وہ سچ مُچ یہوداہ کا بیٹا ہو۔ جسے وہ یروشلم کا محافظ دیوتا خیال کرتا تھا۔ جیسے کہ کاسٹر اور پولکس۔ جوپیٹر یعنی مشتری دیوتا کے بیٹے تھے۔ تو پھر کیا ہوگا؟ اور کیا خود یہوداہ۔ اگر اُسے نقصان پہنچایا جائے۔ آدمی کو اپنی لعنت سے برباد نہ کریگا۔ اب اس قسم کا خوف و دہشت اُس کے دل میں پیدا ہوگیا۔ اور یسُوع کو پھر محل کے اندر لے جاکر اور دہشت اور شوقِ جستجو سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ پُوچھنے لگا[1] تو کہاں کا ہے؟

مگر یسُوع نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ اور پھر وہی خاموشی اختیار کرلی جو ہم اس تحقیقات کے تین موقعوں پر پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ مسیح نے اپنے دُکھ اُٹھانے کے اثناء میں جو رویّہ اختیار کیا۔ اُس میں یہ خاموشیاں بہت ہی عجیب و غریب اور عظیم معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ہر ایک موقع پر اُس کے

[1] دیکھو یونانیوں کا علم الاصنام

دل کی حالت کا جس کے سبب سے اُس نے یہ خاموشی اختیار کی اندازہ لگانا آسان بات نہیں۔ اِس موقع پر یسُوع خاموش کیوں رہا؟ بعض کا خیال ہے کہ اِس کی وجہ یہ تھی کہ اِس سؤال کا جواب دینا ناممکن تھا۔ وہ اُس کے جواب میں ہاں یا نہیں نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ کہتا کہ خدا اُس کا باپ ہے تو پیلاطس اُسکے وہی معنے سمجھتا جیسا کہ اُس کا مذہب اُسے تعلیم دیتا تھا۔ تو بھی اِس بات سے پہلوتہی کرنے کے لئے وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ابن اللہ نہیں ہے۔ اِس لئے یہی بہتر تھا کہ کچھ بھی نہ کہے ؛

مگر اس امر کی سچی تشریح زیادہ سادہ ہے۔ یسُوع نے اپنے ابن اللہ ہونے یا نہ ہونے کی نسبت کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ اِس امر کی بنا پر رہا کیا جانا نہیں چاہتا تھا۔ ابن اللہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک بے گناہ آدمی کی حیثیت سے جس کا پیلاطس بھی بار بار اقرار کر چکا تھا۔ وہ رہائی کا خواستگار تھا۔ اور اُس کی خاموشی پیلاطس سے اِسی امر کی طلبگار تھی ؛

جج کو اب اور بھی تعجب ہؤا۔ اور اِس بات پر وہ کچھ کھسیانا سا بھی ہو گیا۔ اور بولا۔ ”تو مجھ سے بولتا نہیں؟ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے تیرے چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور صلیب دینے کا بھی؟“ بیچارہ پیلاطس۔ یہ تو ابھی چند منٹ میں ہی ظاہر ہونے والا تھا کہ اُس کا اختیار کیا کچھ ہے۔ اور وہ قدرت جس کا اُسے فخر تھا کیا تھی؟ اُس کی بات سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ جو کچھ چاہے بلا روک ٹوک کر سکتا ہے۔ کوئی عادل حاکم اِس قسم کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ عدل و انصاف ہر قسم کے ایسے میلان کو جو خلاف انصاف ہو اُس سے دُور کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اور اب جب کہ یسُوع نے بڑے اقتدار کے ساتھ اُس کے جواب کے لئے مُنہ کھولا تو اُس نے اُسے اسی امر کو یاد دلایا۔ ”اگر تجھے اُوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا[1]۔“ وہ اُسے

[1] اس کے اگلے فقرے میں جو لفظ ”اس لئے“ واقع ہؤا ہے اس سے ہمیں خواہ مخواہ یہ وہم گذرتا ہے کہ لفظ ”اوپر سے“ کا اشارہ یہودی عدالت کی طرف ہے ؛

یاد دلاتا ہے کہ جو قدرت اُسے حاصل ہے وہ اُسے خدا کی طرف سے ملی ہے۔ اس لئے اُسے اُس کو اپنی خواہش یا ہوس کے موافق استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ عدل کے تقاضا کے موافق۔ مگر ساتھ ہی اُس نے یہ بھی فرمایا۔ "اِس لئے جس نے مجھے تیرے حوالہ کیا اُس کا گناہ زیادہ ہے"۔ اُس نے اِس امر کو تسلیم کیا کہ پیلاطس ایسی حالت میں ہے کہ اُسے مجبوراً اِس مقدمہ کی تحقیقات کرنی پڑی ہے۔ اُس نے یہودیوں کے حاکموں کی طرح اپنے آپ اُسے ہاتھ میں نہیں لے لیا ۔

اِس طور سے یسوع نے اپنے جج کی تمام مشکلات کا اقبال کر لیا اور وہ اُس کے لئے ہر ایک مناسب معذرت کرنے کو تیار تھا۔ یہ وہی شخص تھا جسے پیلاطس نے چند منٹ ہوئے پٹوانے اور عذاب دینے کے لئے حوالہ کر دیا تھا۔ بھلا ایسی عظیم الشان اور ناخودغرضانہ رحمت بھی کبھی دیکھنے میں آئی ہے؟ کیا کینہ اور غصّہ پر اِس سے بھی بڑھ کر کوئی فتحیابی ہو سکتی ہے؟ اگر یسوع کی خاموشی عالیشان تھی۔ تو اُس کے الفاظ بھی جب اُس نے بولنا گوارا کیا۔ اُس سے کچھ کم عالیشان نہ تھے ۔

۳

پیلاطس نے اپنے قیدی کی عظمت و بزرگی اور عالی حوصلگی کو فوراً معلوم کر لیا۔ اور یہ عزم باندھ کر باہر نکلا کہ خواہ کچھ ہی ہو میں اُسے ضرور رہا کر دونگا۔ یہودیوں نے اُس کے چہرہ سے اِس بات کو جان لیا۔ اور آخر کار اُنہوں نے وہ آخری ہتھیار نکالا جو اُنہوں نے اب تک محفوظ رکھا تھا اور جس کا پیلاطس کو برابر خوف لگا رہا تھا۔ اُنہوں نے یہ دھمکی دی کہ وہ شاہنشاہ کے پاس اُس کی شکائت کرینگے۔ کیونکہ اُن کے ان الفاظ کا یہی مطلب تھا کہ "اگر تُو اِس کو چھوڑے دیتا ہے تو تُو قیصر کا خیر خواہ نہیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو بادشاہ بناتا ہے وہ قیصر کا مخالف ہے"۔

رومی صوبہ کے حاکم کے لئے کوئی چیز اِس سے زیادہ ہولناک نہ تھی کہ قیصر کے

حضور میں اُس کے خلاف شکائت کی جائے۔ اور پیلاطس کے حق میں اِس قسم کی شکائت کئی وجوہات سے نہائت خوفناک ہوتی۔ اِس وقت شاہی تخت پر ایک ایسا شخص بیٹھا تھا جو بڑا ہی شکی آدمی تھا۔ علاوہ بریں خاص اِس زمانہ میں وہ بہت ہی خوفناک ہو گیا تھا۔ اُس کی جسمانی بیماری کے سبب جو عرصہ دراز کے عیش وعشرت کا نتیجہ تھی اُس کا دل بالکل تاریک اور وحشیانہ ہو رہا تھا۔ درحقیقت اُس کی حالت دیوانگی سے کچھ ہی بہتر ہو گی۔ اُس کا مزاج بالکل سڑا ہؤا تھا۔ اور وہ شک وشبہ اور انتقام اور ضرر رسانی پر آمادہ تھا۔ اور اُس کی غضب کی آگ بھڑکانے کے لئے شاید اِس الزام سے بڑھ کر اَور کوئی دوسرا الزام ایسا برمحل نہ تھا۔ رُوم میں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ سارے مشرقی ممالک میں ایک آنے والے مسیح کی انتظاری لگی ہوئی ہے۔ اور اگر کسی صوبہ کے حاکم کی نسبت یہ شبہ پیدا ہو کہ وہ کسی اِس قسم کے دعویدار کی حمائت کرتا یا اُس کے دعووں سے چشم پوشی کرتا ہے تو اُس کا حکومت سے علیحدہ ہونا یقینی تھا۔ اور اُس کے بعد غالباً جلا وطنی یا قتل حدِّ امکان سے خارج نہ تھا۔ "قیصر کا خیر خواہ یا دوست" ایک ایسا خطاب تھا جس کے حاصل کرنے کے لئے پیلاطس کی حیثیت والے لوگ سخت خواہشمند تھے۔ اور کوئی ایسا فعل کرنا جس سے "قیصر کی خیر خواہی" ظاہر نہ ہو۔ سب خطروں سے زیادہ خطرناک تھا۔

مگر اِس کے علاوہ اَور باتیں بھی تھیں۔ جن سے یہودیوں کی اِس دھمکی کی دھاک اَور بھی تیز ہو گئی۔ پیلاطس جانتا تھا کہ اُس کے عہدِ حکومت میں بہت سی ایسی باتیں واقع ہوئی ہیں جن کا اُس تفتیش وتحقیقات کے نیچے آنا۔ جس کا ہونا اِس قسم کی شکائت کے بعد ضروری تھا کسی طرح سے مناسب نہیں۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اُس زمانہ کا ایک دوسرا مؤرّخ بھی ایک اَور موقع کا ذکر لکھتا ہے۔ جب کہ پیلاطس کو اِسی قسم کی دھمکی دی گئی تھی اور وہ اِس کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کرتا ہے کہ "اُسے خوف تھا کہ

اگر یہودیوں کی سفارت رومؔا کو بھیجی گئی تو ممکن ہے کہ وہ اُس کی عہدِ حکومت کی بہت سی بے ضابطگیوں۔سخت گیریوں۔ رشوتوں۔ بے انصافیوں اور سنگدلیوں کی بھی تحقیقات کریں" (فیلو)۔ پیلاطس کی گذشتہ زندگی اسی قسم کی تھی۔ اور اب جب کہ وہ ایک ایسا کام کرنا چاہتا تھا جو انصاف اور انسانیت کے تقاضا کے موافق تھا۔ تو اُس کی پچھلی بدکاریاں اُس کی سدِّراہ ہوئیں۔ اچھّے ارادوں اور شریفانہ کوششوں کے راستہ میں کوئی چیز ایسی سخت رُکاوٹ کا باعث نہیں ہوتی۔جیسے کہ گذشتہ گناہوں کا بوجھ۔ جو لوگ انسان کی زندگی کے خفیہ اور ناقابل بیان حصّوں سے واقف ہوتے ہیں وہ اس واقفیت کے زور پر اُس کو مجبور کرسکتے ہیں کہ وہ ہرگز اُس نیک کام کو جسے وہ کرنا چاہتا ہے نہ کرے۔یا وہ اس بدی وشرارت یا شرمناک حرکت کو عمل میں لائے جس کا وہ اُسے حکم دیتے ہیں۔ ایسی صحبتیں ہوتی ہیں جن میں ایک آدمی ایسے اعلےٰ اور عمدہ فقرے استعمال نہیں کرسکتا جو وہ اَور لوگوں کے سامنے کیا کرتا ہے کیونکہ وہاں ایسے اشخاص موجود ہوتے ہیں جو جانتے ہیں کہ اُس کی زندگی اِن الفاظ کے مخالف ہے۔ وہ کونسی بات ہے جو ہمارے دلوں میں عالی خیالات کو اُٹھتے ہی دبا دیتی ہے۔ جو ہمارے ہونٹوں پر شریفانہ کلمات کو روک دیتی ہے۔ جو ہمارے افعال کی طاقت کو جذب کرلیتی ہے؟ کیا یہ وہ اندرونی دھیمی آواز نہیں جو کہتی ہے کہ یاد کر کہ پہلے تُو فلاں امر میں کس طرح قاصر رہا؟ یہی گذشتہ گناہوں کی لعنت ہے۔ یہی ہمیں وہ نیکی جو ہم کرنا چاہتے ہیں نہیں کرنے دیتی ؛

لیکن اگر کسی شخص نے گذشتہ بداطوار زندگی کے سبب اپنے کو اس حالت میں گرفتار کردیا ہے۔ تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟ بھلا پیلاطس کو کیا کرنا

چاہیئے تھا؟ اِس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ یہ کہ انسانیت کی ساری ہمّت و استقلال کو اکٹھا کرکے اور نتائج کی طرف سے بے پرواہ ہوکر۔ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو حق اور سچّائی کے مطابق عمل کرو۔ اگر اپنی ضمیر کی پیروی میں ایک قدم بھی اُٹھاؤ گے۔ اور اگر اقرار گناہ میں ایک کلمہ بھی کہدوگے۔ تو دیکھوگے کہ ایک لمحہ میں اِس ظالم کی قدرت کا بند ٹوٹ جائیگا۔ اور افسوس زدہ آدمی گذشتہ زمانہ کی بدکاریوں کی قید کو توڑکر باہر کی آزادی میں نکل آئیگا ٭

مگر افسوس! پیلاطس اِس قسم کی جدّوجہد کے لئے تیار نہ تھا۔ صداقت کی خاطر۔ اور اِس دلکش اور بے گناہ مگر گمنام اور بے یارومددگار گلیلی آدمی کی خاطر اور اِس بات کے لئے تیار نہ تھا کہ اُس کی شکائت قیصر کے سامنے کی جائے۔ اور وہ جلاوطنی اور افلاس میں مارامارا پھرے۔ بھلا ایسے دُنیا پرست سے اِس سے بڑھ کر اور کیا اُمّید ہوسکتی ہے۔ وہ دنیا کا تھا۔ اور اُسی کے فیشن اور عزّت کا گرویدہ تھا۔ اُسی کے عیش وعشرت اور آرام وآسائش گویا اُس کی جان تھے۔ اور جب اُس نے اپنی رعایا کی یہ دھمکی سُنی اُس نے کھلے بندوں اپنے کو اُن کے حوالہ کردیا ٭

اِس طور سے یہودیوں کا جوش وخروش اور اصرار اور ہٹ آخرکار کامیاب ہؤا۔ پیلاطس بھی دیر تک اپنی بات پر جمارہا۔ مگر آخرکار اُسے مجبوراً قدم بقدم بسپا ہونا پڑا۔ وہ حق کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ وہ یسُوع کا گرویدہ ہوگیا تھا۔ اور اُسے اپنے ضمیر کے خلاف کرنا دوبھر معلوم ہوتا تھا۔ مگر اُس کی رعایا نے اُسے اُن کی شرارت کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کردیا۔ مگر اُس کی ناکامی کی اصلی بنیاد خود اُس کے اندر ہی تھی۔ ہاں خود اُس کی دُنیا پرستی اور بے اصُول زندگی میں۔ جو اس موقع پر اُس کی جڑوں تک

آشکارا ہوگئی [1]

۴۴

اب بہت تھوڑا کرنا باقی رہ گیا تھا۔ پیلاطس کے سر میں وحشت سما رہی تھی۔ اور اُس کا دل جل رہا تھا۔ اُس کو اُس وقت سخت زک اُٹھانی پڑی تھی۔ اور اگر موقع ملتا تو وہ بہت ہی خوش ہوتا کہ اپنے مخالفوں کو بھی کسی نہ کسی طرح ذلیل کر سکے۔ اب وہ تختِ عدالت پر جا بیٹھا۔ جو چبوترہ یا عبرانی زبان میں گبتّا کہلاتا تھا۔ غالباً اُس کا یہ فعل ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ انگریزی جج موت کا فتوےٰ صادر کرنے سے پہلے کالی ٹوپی سر پر پہن لیتے ہیں۔ اور پھر یسُوع کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ "اپنے بادشاہ کو دیکھو"۔ جس سے اُس کا یہ مطلب تھا کہ وہ اُس شخص کو۔ ہاں اِس بیچارے خون آلودہ اور ظلم رسیدہ شخص کو درحقیقت اُن کا مسیح سمجھتا ہے۔ وہ اُنہیں طعن و تشنیع کی برچھی سے گھائل کرنا چاہتا تھا۔ اور اِس امر میں وہ کامیاب بھی ہوا۔ کیونکہ وہ مارے دُکھ کے چلّا اُٹھے کہ "لے جا۔ لے جا۔ اُسے صلیب دے"۔ اور وہ بولا "کیا میں تمہارے بادشاہ کو صلیب دوں؟" اور نہایت غضبناک ہو کر وہ چلّا اُٹھے کہ "قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں"۔ ایسی قوم کے

---

[1] یہ ایک عجیب تاریخی واقعہ ہے کہ پیلاطس آخرکار اُسی مصیبت میں گرفتار ہوگیا جس سے بچنے کے لئے اُس نے یسُوع پر جور و ستم روا رکھا تھا۔ یسُوع کے مصلوب ہونیکے تھوڑا عرصہ بعد اُسکی رعایا نے رُوم میں اُسکے خلاف عرضی بھیجی۔ وہ واپس بلالیا گیا۔ اور پھر کبھی واپس نہ آیا۔ آخرکار لکھا ہے کہ اُس نے اپنی مصیبت ناک زندگی کا اپنے ہی ہاتھ سے خاتمہ کر دیا۔ اُس کے متعلق بہت سی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اور کئی ایک مقام بتائے جاتے ہیں۔ جہاں اُسکی بےچین رُوح بھٹکتی پھرتی ہے۔ اور لوگوں کو ڈراتی ہے۔

قائم مقاموں کے مُنہ سے جنہیں "لے پالک ہونے کا حق اور جلال اور چند عہد اور شریعت اور عبادت اور وعدے" حاصل تھے اس قسم کے کلمات نکلنا جائے تعجّب ہے۔ یہ گویا اپنے حقِ ولادت کو چھوڑنا اور اپنی تقدیر کو ترک کر دینا تھا۔ پیلاطس خوب جانتا تھا کہ اِس طور پر اپنے آباؤ اجداد کی اُمیدوں کو دے ڈالنے اور اپنے واتحوں کے حق کو تسلیم کرنے میں اُن کے مغرور دلوں کو کیا کچھ برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ مگر اُنہیں اِس قسم کی تلخ کامی پر مجبور کرنے میں بھی اُس کو اُس مجبوری و عجز کا بدلہ مل گیا۔ جس کا وہ خود شکار ہو رہا تھا۔ اور اُس نے اُن کے اِس اقرار کو مان لیا ؛

نواں باب

یہوداہ اسکریوتی

خداوند کی اِس روبکاری کا بھی ایک افسوسناک ضمیمہ ہے۔ جیسا کہ ہم شرعی عدالت کی روبکاری کے متعلق ایک اور ضمیمے کا ذکر کر چکے ہیں۔ سردار کاہن کی عدالت میں جب مسیح نے ایک عظیم الشان اقرار کیا۔ تو اُس کے ساتھ ہی مقام عدالت کے باہر ایک عظیم انکار پطرس کی زبانی ہو رہا تھا۔ اور اسی طرح پیلاطس کی عدالت کی کارروائی کے ساتھ یہوداہ کی دغابازی کا آخری فعل وقوع میں آیا۔ صرف فرق یہ ہے کہ اِس آخری صورت میں ہم بڑی صحت کے ساتھ اُس کے وقوعہ کا وقت اور مقام صحیح نہیں بتا سکتے۔

۱

یہوداہ تاریخ انسانی میں ایک سخت عقدۂ لاینحل ہے۔ ڈانٹی شاعر اپنی مشہور نظم "دوزخ" کی رو سے اِس عالم زیریں کے تمام طبقوں میں سے جہاں ہر ایک نمبر ارتکاب عمد دغلی قسم کی سزا بھگت رہے ہیں۔ آخرکار اپنے رہنما کے ہمراہ طبقۂ زیرین میں پہنچتا ہے جو قعر جہنم ہے۔ اور جہاں سخت ترین گنہگار سزا پا رہے ہیں یہ ایک جھیل ہے۔ آگ کی نہیں۔ بلکہ برف کی جس کی شفاف سطح کے نیچے خوفناک حالتوں میں اُن لوگوں کی یخ بستہ صورتیں نظر آتی ہیں۔ جنہوں نے اپنے آقاؤں سے بیوفائی کی تھی۔ کیونکہ ڈانٹی کی نظر میں یہ گناہ سب گناہوں سے زیادہ

قبیح وکریہ ہے۔ اِن سب کے درمیان اپنے خوفناک اور گراں ڈیل ڈول میں وہ "شاہنشاہ جو اس درد وتکلیف کی مملکت کا حاکم ہے" یعنی خود ابلیس کھڑا ہوًا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اِسی گناہ کی وجہ سے وہ فردوس سے نکالا گیا تھا۔ اور اُس کے ساتھ دوسری صورت یہوداہ اسکریوتی کی ہے۔ وہ شیطان کے مُنہ میں ہے۔ جسے وہ اپنے دانتوں میں کاٹتا اور چباتا رہتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں اس شخص کا اور اُس کے گناہ کا یہ خیال لوگوں کے درمیان مُروّج تھا۔ مگر زمانۂ حال میں یہ خیال دو متضاد نقطوں کے درمیان گھوم رہا ہے حالانکہ زمانہ اعتدال اور مذہبی تحمّل اور برداشت کا زمانہ ہے۔ اور بعض اشخاص کا دلپسند مشغلہ یہ ہے کہ زمانہ گذشتہ میں جو آدمی بدکرداری میں مشہور تھے جہاں تک ہو سکتا ہے اُن کی نیکنامی کو بحال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مرد و عورت جو صفحۂ تاریخ پر مجرموں کے چبوترہ پر کھڑے نظر آتے ہیں اُنہیں وہاں سے اُتارنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اُن کے مقدمات کی دوبارہ تحقیقات کی جاتی ہے۔ اور اُنہیں قابلِ تعریف وتکریم ثابت کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات یہ امر قرینِ انصاف ہوتا ہے۔ مگر اور صورتوں میں اِس امر کو بیہودگی کی حد تک پہنچایا جاتا ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ درحقیقت دنیا میں کوئی بھی شخص نہیں۔ جو نہایت شریر ہو۔ سخت بدکار اور بدمعاش بھی ایسے ہیں جن کے اصلی مُدّعا کو لوگوں نے غلط سمجھا ہے اور اُن لوگوں میں سے جن پر سے تاریخ کے فیصلہ کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہوداہ اسکریوتی بھی ہے۔ اُنّیس صدیاں اِس بات پر متفق ہیں کہ وہ بنی آدم میں سب سے کمینہ انسان تھا۔ مگر ہماری صدی میں یہ دکھلانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ ایک قسم کا اُلوالعزم مرد تھا۔ یہ خیال اہلِ جرمن کی ایجاد ہے مگر انگریزی قوم کے سامنے پہلے پہل ڈی کونزی نے اِس خیال کو اپنی تمام

فصاحت و بلاغت سے رنگین اور دلکش بنا کر پیش کیا تھا +

یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہوداہ کا اصلی منشا مسیح کی گرفتاری میں اُس امر سے جو اَب تک سمجھا جاتا رہا ہے - بالکل مختلف تھا - اُس نے روپیہ کے لالچ سے مسیح کو گرفتار نہیں کرایا تھا - وہ حقیر سی رقم جو آج کل کے حساب سے پچاس ساٹھ روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی - جس کے لئے اُس نے اپنے اُستاد کو بیچ ڈالا - ثابت کرتی ہے کہ اُس کا اصلی مُدعا کچھ اَور ہی تھا - روائت کے ذریعہ جو خیال ہم تک پہنچا ہے - وہ اِس امر کے ساتھ کہ مسیح نے اُسے منتخب کر کے اپنے بارہ شاگردوں کے زمرہ میں داخل کیا بالکل جوڑ نہیں کھاتا - اور نہ اِس واقعہ سے میل کھاتا ہے کہ بعد ازاں اُس نے پچھتا کر کس طرح اپنے آپ کو ضائع کر دیا - بلا شُبہ جو کچھ تصوّر اُس نے مسیح کے کام کی نسبت باندھا تھا - وہ محض دنیاوی اور مادّی قسم کا تھا - اُسے یہ اُمید تھی کہ مسیح بادشاہ ہوگا - اور وہ بھی اُس کے دربار میں اعلےٰ عہدہ پر مامور ہوگا - مگر دوسرے شاگردوں کے بھی تو ایسے ہی خیال تھے اور وہ بھی آخری دم تک اِسی امر کے منتظر رہے کہ مسیح اب بھی اپنے عجز و فروتنی کا بہروپ اُتار کر عنانِ سلطنت کو ہاتھ میں لے لیگا - صرف اتنا فرق تھا کہ اُنھوں نے اِس امر کے متعلق وقت اور مکان کا فیصلہ مسیح ہی کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تھا اور اُس کی کارروائی پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے - مگر یہوداہ ایسا صابر نہ تھا - وہ چُست و چالاک آدمی تھا اور اُسے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مسیح کی خصلت میں ایک قسم کی کوتاہی ہے - وہ بہت ہی رُوحانی آدمی ہے اور دُنیا پرستی سے کوسوں دور ہے - اِس لئے وہ اُس کام کو جس کے لئے وہ آیا ہے سر انجام کرنے میں ڈھیل کرتا ہے - اُس کا سارا وقت تو مریضوں کے شفا بخشنے - وعظ و نصیحت کرنے اور غور و فکر میں خرچ ہوتا ہے - یہ سب کچھ اچھا تو ہے - مگر پہلے

سلطنت کا قائم ہو جانا لازمی ہے۔ مگر اس طرح تو وہ اپنا موقع کھو رہا ہے۔ اس کی اس ڈھیل نے اُمرا و شُرفا کو اُس کے خلاف بر انگیختہ کر دیا ہے۔ ایک بڑی طاقت و قدرت۔ یعنی عوام النّاس کی عقیدت۔ اب بھی اُس کی جانب ہے۔ مگر وہ اس سے کچھ بھی کام لیتا ہوا نظر نہیں آتا۔ جب کھجوروں کے اتوار کے دن ایک بڑی جماعت۔ جو مسیح موعود کی منتظر تھی۔ بڑے جوش و خروش کے نعرے لگاتی ہوئی اُسے یروشلم میں لے گئی تو یہوداہ کو خیال گذرا کہ اب اُس کی زندگی کا اصلی مقصد پورا ہونے کو ہے۔ مگر مسیح نے اب بھی کچھ نہ کیا۔ اور جماعت مایوس و نا اُمید ہو کر منتشر ہو گئی۔ یہوداہ کے نزدیک جو کچھ اب یسوع کے لئے ضروری تھا۔ سو یہ تھا کہ اُسے ایک ایسی حالت میں پھنسا دیا جائے۔ جس میں اُسے مجبوراً کچھ نہ کچھ کرنا پڑے۔ اُس میں جُنبش اور قوّت فیصلہ کی کمی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ حُکّام کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔ جو اُس کی جان لینے کی فکر میں ہیں تو وہ اس تساہل کو چھوڑ دیگا۔ جب وہ اُسے پکڑنے کی کوشش کرینگے۔ تو یقیناً وہ اُن کے ہاتھوں سے نکل جائیگا۔ اور اُس کی معجزانہ قدرت اپنے سارے زور و قوّت میں ظاہر ہو گی۔ جس سے سب لوگوں میں ایک عالمگیر جوش و خروش پیدا ہو جائیگا۔ اِس طور سے اُس کی سلطنت شان و شوکت کے ساتھ قائم ہو جائیگی۔ اور یقیناً وہ اُسی شاگرد کو سب سے بڑھ کر عزّت و اقتدار بخشیگا۔ جس کی معاملہ فہمی اور دلیرانہ کارروائی سے یہ سب کام انجام کو پہنچا ✦

۲

لیکن اگر مذکورہ بالا بیان کو یہوداہ کی سچّی تاریخ بھی سمجھیں تو بھی اُس کا

چال چلن الزام سے ایسا بری نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ظاہر میں نظر آتا ہے۔ ہمارا خداوند اپنی زندگی کے اثنا میں اکثر اوقات ایسے اشخاص سے دوچار ہوتا رہا جو گو نیک غرض سے ہی کیوں نہ ہو اُس کے ارادوں اور تجویزوں میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ یا تو پیش از وقت اُسے کسی کام کے کرنے پر مجبور کریں۔ یا جب وقت آتا تھا۔ تو اُسے کسی کام سے روک رکھیں۔ لیکن وہ اس قسم کی خلل اندازی اور دخل در معقولات پر ہمیشہ ناراضگی اور غصہ ظاہر کرتا تھا۔ خود اُس کی ماں بھی جب اُس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو اس ناراضگی سے نہ بچی۔ اور اُس کی زندگی کا اصل اصول یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹھیک ٹھیک۔ نہ تو افراط کے ساتھ۔ نہ تفریط کے ساتھ۔ نہ آگے اور نہ پیچھے۔ خدا کی مرضی کو جیسی کہ وہ ہے۔ بجا لائے۔ اور جب کوئی اس میں دست اندازی کرتا تھا تو وہ اُسے شیطان کی آزمائش سمجھتا تھا۔

مگر یہ نیا مسئلہ جس کا اوپر بیان ہوا کسوٹی پر ٹھیک نہیں اُترتا۔ پاک نوشتوں میں اس کا کہیں بھی اشارہ تک نہیں ملتا۔ بلکہ اُن میں جہاں کہیں یہوداہ کا ذکر ہوتا ہے۔ تو اس میں ایک قسم کی نفرت اور حقارت پائی جاتی ہے اس کے علاوہ وہ اُس کے اس فعل کو ایک بالکل مختلف غرض پر محمول کرتے ہیں وہاں صاف لکھا ہے کہ یہوداہ چور تھا اور وہ تھیلی میں سے جس میں سے یسوع غریبوں کو دیا کرتا اور اپنی ضروریات کو بھی پورا کرتا تھا۔ چرا لیا کرتا تھا۔ اور یہ ایسی بدذاتی تھی کہ غالباً اکثر چور بھی اِس قسم کے کام سے نفرت کرتے۔ اور وہ الفاظ جو اُس نے صدر مجلس کے سامنے کہے۔ وہ بھی ٹھیک اِس خیال سے مطابقت کھاتے ہیں کہ "تم مجھے کیا دوگے"۔ یہ امر کہ وہ بالکل تھوڑے

پر راضی ہو گیا ثابت کرتا ہے کہ اُس کی طبیعت پر لالچ اور طمع کس قدر غالب ہو رہا تھا ✤

یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی طبیعت میں اُس قسم کی گرمجوشی جیسا کہ نئے خیال والے اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ گو کہ غلط خیال ہی پر مبنی کیوں نہ ہو۔ جگہ پائی۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ ممکن ہے کہ مسیحی سلطنت کی اُمّیدوں کی مایوسی نے اس لالچ اور طمع کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا ہو۔ اور ڈھی کوڑی کی تحریر اُلٹا اس خیال کو پختہ کرنے کے لئے اور اُس کی زندگی کا بھید کھولنے کے لئے بہت سی دلائل اور اشارات کے مہیّا کرنے کا ذریعہ ٹھیرتی ہے ✤

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک زمانہ میں یہوداہ کی زندگی بالکل ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات کی مصداق معلوم ہوتی تھی۔ یسُوع جو اپنے پیرووں کے انتخاب میں بڑا احتیاط تھا۔ اُس کو بھی انتخاب کر کے رسُولوں کے دائرہ میں داخل نہ کرتا۔ اگر اُس میں اپنی ذات اور کام کے لئے وہ عقیدت اور سرگرمی نہ پاتا۔ البتہ یہ تو وہ خوب جانتا تھا۔ کہ اُس کے اغراض میں خودغرضی کی آمیزش ہے۔ مگر اُس کے سارے پیرووں میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہ تھا۔ اور یہ مَیل اُس کی صحبت کی آگ میں صاف ہو جاتا ✤

دوسرے رسُولوں میں تو یہ صفائی واقع ہو گئی۔ وہ اُس کی رفاقت و صحبت میں پاک صاف ہو گئے۔ ان کی دُنیا پرستی تو درحقیقت اُس کی زمینی زندگی کے خاتمہ تک اُن سے لگی رہی۔ مگر وہ دن بدن کم ہوتی جاتی تھی۔ اور دوسرے رشتے جو اُن کی زمینی شان و شوکت کی اُمید سے بھی زیادہ مضبوط اور پختہ تھے اُنہیں یقینی طور پر اُس کے معاملہ کے ساتھ وابستہ کرتے جاتے تھے۔ مگر

برخلاف اس کے یہوداہ پر بالکل اسکے برعکس اثر ہوا۔ جو نیکی اُسمیں تھی وہ دن بدن کم سے کمتر ہوتی گئی۔ اور آخرکار اُس کا سارا تعلق مسیح کے ساتھ فقط یہی رہ گیا کہ وہ اِس معاملہ سے کیا کچھ کما سکتا ہے +

جب پہلے اُس کے دل میں یہ شُبہ وارد ہوا کہ جو مسیحی سلطنت کی اُمّید وہ پکار رہا تھا کبھی پُوری ہونے والی نہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ کی باطنی زندگی میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوگئی۔ مگر یہ بات خاتمہ سے کوئی ایک سال پہلے واقع ہوئی جب کہ یسُوع نے اپنے پیرؤں کی اس کوشش کی جو اُسے بجبر پکڑ کر بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ مخالفت کی۔ جب کہ بہت سے شاگرد اُسے چھوڑ گئے اور پھر کبھی اُس کے ہمراہ نہ ہوئے۔ اُس وقت یسُوع نے یہوداہ کو اُس بُری رُوح سے جو اُس کے دل پر قابُو پاتی جاتی تھی خبردار کیا اور فرمایا کہ "کیا میں نے تم بارھوں کو نہیں چُنا اور تم میں سے ایک شیطان ہے"۔ مگر شاگرد نے اِس تنبیہ پر توجّہ نہ کی۔ شائد اِس وقت سے اُس نے تھیلی میں سے جو اُس کے سپُرد تھی چوری کرنی شروع کی۔ شائد اُس نے یہ سوچا کہ یسُوع کی پیروی میں مجھے اَور نہیں کچھ تو فائدہ حاصل ہونا چاہئے۔ اور غالباً وہ اپنی اِس چوری کو اِس خیال سے جائز ٹھیراتا ہوگا کہ جو کچھ وہ اِس وقت لے رہا ہے اُس رقم سے جس کی اُسے اُمّید دلائی گئی تھی بہت ہی کم ہے۔ اور وہ اپنے کو ایسا شخص سمجھنے لگا ہوگا کہ گویا اُس کے ساتھ سخت بدسلوکی ہوئی ہے +

اِس خفیہ گناہ کے متواتر ارتکاب سے ممکن نہ تھا کہ اُس کی خصلت بگڑنے اور تنزّل کرنے سے بچی رہتی۔ یسُوع کبھی کبھی تنبیہ کے چند کلمات اشارتاً کہہ دیا کرتا تھا۔ مگر اُس پر اُن الفاظ کا اُلٹا اثر پڑتا تھا۔ یہوداہ

کو معلوم تھا کہ یسوع اِس بات کو جانتا ہے۔ اور اسی لئے اُس کے دل میں اُس کی طرف سے نفرت اور عداوت اَور بھی بڑھتی گئی۔ یہ علامت بہت ہی ردّی تھی۔ دوسرے شاگرد تو دن بدن زیادہ زیادہ اپنے اُستاد کے گرویدہ ہوتے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُس نے اُن پر کس قدر احسان کئے ہیں برخلاف اِس کے یہوداہ کا یہ خیال دِن بدن بڑھتا جاتا تھا۔ کہ اُس نے دھوکا کھایا ہے۔ اِس لئے وہ بھی اُلٹا اُسے دھوکا دیکر اپنا بدلہ کیوں نہ اُتارے۔ شائد مسیح کو اِس تھوڑی سی رقم کے عوض بیچ ڈالنے میں ایک قسم کی تحقیر بھی مقصود ہو کہ وہ اُسے بالکل خفیف سمجھتا ہے *

ایک سے زیادہ انجیل نویسوں نے اُس کی اس دغابازی کو اُس واقع کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ جب کہ مریم نے بیش قیمت عطر خداوند یسوع کے پاؤں پر ملا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دل کش اور محبّت آمیز حرکت نے اُس کے دِل کی ساری بدی کو تحریک دیکر اِس امر پر آمادہ کیا کہ اب جو کچھ کرنا ہے کر گذرے۔ اُس نے اپنے غصّے کا اظہار تو ان الفاظ میں کیا کہ یہ روپیہ غریبوں کو دیا جانا چاہیئے تھا۔ مگر اصل مقصد اَور ہی تھا۔ یہ ایک بڑی رقم تھی۔ اور اگر وہ اُس کی تھیلی میں پڑتے تو اس کا ایک بڑا حصّہ اُس کے ہاتھ لگتا۔ لیکن غالباً اس وقت اَور بھی باتیں تھیں جن سے اُس کا غصّہ اَور بھی بھڑک اُٹھا ہوگا۔ اُس کو یہ ضیافتیں اور عطر ملنا ایسے وقت میں جب کہ مسیح کی قسمت کا فیصلہ نزدیک تھا محض ایک حماقت معلوم ہوتی ہوگی اور وہ اِس امر کو اپنے نزدیک قابلِ حقارت سمجھتا ہوگا۔ اُس پر یہ ظاہر تھا کہ معاملہ ختم ہو چکا۔ ایک سرکردہ آدمی جو ایسے موقع پر اِس طور سے آوارہ و سرگردان پڑا پھرتا اور بے پروائی جتاتا ہے۔ اُس کے دن پُورے ہو چکے۔ اب ایسے ڈوبتے بیڑے میں سے نکل کھڑے ہونا ہی بہتر ہے۔ مگر نکلیں بھی تو اس طور سے کہ انتقام

بھی مل جائے اور روپیہ بھی ہاتھ لگے ۔

اِس طور سے اُس کے جذبات جوش مارتے اور زور آور ہوتے گئے۔ لیکن درحقیقت حرص و طمع بجائے خود بھی ایک نہائت پُرزور چیز ہے۔ منبروں پر سے شاذ اُس کے متعلق بہت کم وعظ سنائی دیتے ہیں۔ لیکن پاک نوشتوں اور تاریخ عالم میں اُسے ایک بڑی بلند جگہ دی گئی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جتنی خرابیاں اور بربادیاں دُنیا میں واقع ہوتی ہیں اُن میں اِس حرص و طمع سے بڑھ کر کسی اَور چیز کو بھی دخل ہے۔ طمع سارے احکام کو توڑتا ہے۔ قاتل کے ہاتھ میں اکثر یہی طمع تلوار دیتا ہے۔ اسی طمع نے دُنیا کے ہر زمانہ اور ہر ملک کی منڈی اور تجارت کے کاروبار کو ایک جھوٹ اور فریب کا بازار بنا رکھا ہے۔ مردوں کے جسم اور عورتوں کے دِل اسی چاندی سونے کے عوض بکتے ہیں۔ اِس کی کیا وجہ ہے۔ کہ بڑی بڑی شرارتیں زماناً بعد زماناً جاری رہتی ہیں۔ اور ایسے ایسے فعل جن کی تائید میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا سوسائٹی کی منظوری سے برابر جاری رہتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ اُن میں روپیہ کو دخل ہے۔ طمع شیطانی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن اِس بات کو یاد کر کے کہ یہی گُناہ تھا جس نے یہوداہ کا بیڑا ڈبویا۔ ممکن ہے کہ ہم اُسے اپنے دلوں سے باہر رکھنے میں کامیاب ہوں ۔

۳

بعض لوگ یہوداہ کی توبہ کو اُس کی رُوح کی عظمت کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ یقیناً یہ اُس نیکی و خوبی کا ثبوت تو ضرور ہے جو کسی زمانہ میں اُسے حاصل تھی۔ کیونکہ گناہ کی تاریکی کو محسوس کرنے کے لئے نیکی کے چنگارے کا ہونا لازم ہے۔ اور جس قدر ضمیر کو زیادہ روشنی ملی ہوگی اُسی قدر ضمیر کے خلاف کرنے کے بعد آدمی کو سخت درد و تکلیف محسوس ہوگی۔ جو لوگ کسی درجہ تک مسیح کی صحبت میں رہ چکے ہیں وہ کبھی پھر اُس حالت کو جو اُس کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے بھول نہیں سکتے۔ اور مذہب

اگر انسان کو بچانے میں کامیاب نہیں ہوتا تو رُوح کی بربادی کی حالت میں نہائت بیرحم دُکھ دینے والا ثابت ہوتا ہے ٭

یہ ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہوداہ کے دِل میں یہ معکوس تبدیلی کس وقت سے شروع ہوئی۔ یسوعؔ کی تحقیقات میں کئی ایک باتیں واقع ہوئیں جن سے اُس کے خیالات پر بہت کچھ اثر پیدا ہؤا ہوگا۔ مگر آخر کار ضمیر کی وہ بدلہ لینے والی طاقتیں بالکل جاگ اُٹھیں۔ جن کے بیان سے تمام افسوسناک ناٹک اور تاریخی قصّے کہانیاں بھری پڑی ہیں۔ اور جس کا عمدہ نمونہ بئبل میں قائنؔ ہے جو اپنے بھائی کے خون کی چیخوں کے آگے آگے بھاگتا پھرتا ہے جس کا نمونہ یونانی لٹریچر میں خوفناک یومینانڈس ہیں جن کی شکل بھیانک اور آنکھیں خون آلودہ ہیں اور وہ بیرحمانہ اپنے شکار کے پیچھے پیچھے لگے رہتے ہیں جس کی تصویر شیکسپیر کے مشہور ڈراموں میکبتھ اور رچرڈ سوم میں نہائت موثر طور پر کھینچی گئی ہے۔ اب اُس کے دل میں زبردست خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کسی طرح وہ سب جو اُس کے ہاتھوں ہؤا ہے نہ ہؤا ہوتا۔ روپیہ جس پر اُس کا دِل لگا ہؤا تھا اب اُس کی قوتِ واہمہ کے سامنے سانپ اور بچھّو نظر آنے لگا۔ اور ہر ایک سکّہ ایک آنکھ کی طرح دکھائی دینے لگا جس میں سے ابدی انصاف اُس کے جُرم پر نظر کرتا معلوم ہوتا تھا۔ اور زبانِ حال سے انتقام کے لئے پکارتا تھا۔ جیسے کہ قاتل ایک پوشیدہ کشش کے باعث پھر اُسی مقام کی طرف کھنچا جاتا ہے جہاں اُس کا مقتول پڑا ہوتا ہے۔ اِسی طرح وہ بھی اُسی مقام کو واپس گیا جہاں اُسکی نمک حرامی کا فعل عمل میں آیا تھا۔ اور اُن لوگوں سے رُو در رُو ہوکر جنہوں نے اُسے اِس کام کے لئے استعمال کیا تھا اُس نے روپیہ اُن کو واپس دیدیا اور ساتھ ہی بڑے جوش سے یہ اقرار بھی کیا۔ کہ میں نے بے قصور کو قتل کے لئے پکڑوا دیا۔ مگر وہ بہت بُرے تسلّی دینے والوں کے پاس آیا تھا۔ اور وہ بڑے حقارت آمیز لہجہ میں بولے۔

"ہمیں کیا؟ تو جان"۔ جب وہ پہلے آیا تھا تو انہوں نے اُس کی بڑی خاطر و تواضع کی تھی۔ لیکن اب وہ اپنا کام اُس سے نکال چکے تھے۔ اِس لئے اُسے حقارت کے ساتھ الگ ڈال دیا۔ اب وہ کمبخت آدمی اپنے گُناہ کے شرکا کے سامنے سے بھاگ نکلا۔ لیکن وہ اُس روپیہ کو اور زیادہ عرصہ تک اپنے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اُس کے ہاتھ میں دہکتے انگارے کی مانند معلوم ہوتا تھا۔ اور اس لئے وہاں سے نکلنے کے پیشتر اُس نے وہ روپیہ اُن کے سامنے پھینک دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقع ہیکل کے اُس حصّہ میں واقع ہؤا۔ جہاں صرف کاہن لوگ جا سکتے تھے۔ اِس لئے یا تو وہ دوڑ کر ممنوع دروازہ میں سے آگے نکل گیا ہوگا۔ یا اُس نے کھُلے دروازہ میں سے باہر ہی سے روپیہ پھینک دیا ہوگا۔ وہ صرف اُس روپیہ سے پیچھا چھُڑانے کا ہی خواہشمند نہ تھا۔ بلکہ اُس کے دِل میں پُرزور خواہش یہ تھی کہ کاہنوں کے پاس بھی اُسکے گناہ کا حصّہ چھوڑ جائے۔

تب وہ بھاگ کر ہیکل سے باہر نکل گیا مگر وہ کہاں جا رہا تھا؟ کاش کہ اُس کے اندر کوئی چیز ہوتی جو اُسے مسیح کے پاس بھاگ جانے کی تحریک کرتی۔ کاش کہ وہ سب رکاوٹوں اور قاعدوں پر پانی پھیر کر اُسی کے پاس جہاں کہیں وہ مل سکتا تھا جاتا اور اپنے کو اُس کے پاؤں پر ڈال دیتا! ایسا کرنے میں اگر سپاہی اُس کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالتے تو بھی کیا پروا تھی؟ تب تو وہ شہیدِ توبہ سمجھا جاتا۔ اور اُسی دن مسیح کے ساتھ فردوس میں ہوتا۔ یہوداہ اپنے گناہ سے تائب تو ہؤا۔ اُس کا اقرار بھی کیا۔ بدکرداری کی اُجرت بھی اپنے سے دُور پھینک دی۔ مگر اُس کی توبہ میں اُس عنصر یا جُز کی کمی تھی جو سب سے زیادہ ضروری تھی۔ وہ خدا کی طرف نہ پھرا۔ سچّی توبہ فقط اِس کا نام نہیں کہ

ضمیر خوف زدہ ہو کر اپنے گناہ سے ڈرے اور مضطرب و پریشان ہو جائے۔ بلکہ سچی توبہ بدی کو چھوڑ دینا ہے۔ اِس لئے کہ مسیح نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ وہ نہ صرف گناہ سے پھرنا بلکہ خدا کی طرف پھرتا بھی ہے۔ اِس میں نہ صرف خوف بلکہ ایمان بھی داخل ہے *

۴

یہوداہ کے انجام کو بھی بعض لوگ اُس کے حق میں اچھا خیال رکھنے کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے ہیں۔ خودکشی کے فعل کو اکثر اوقات ایک قسم کی اُلوالعزمی کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے۔ اور اِس رومی طریق سے زندگی سے باہر قدم رکھنے کو بعض مسیحی بھی۔ باوجودیکہ یہ مذہبی طور پر گناہ ہے۔ ایک غیر معمولی عالی حوصلگی اور مستقل مزاجی کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ درحقیقت خودکشی کو بالکل اِس کے برعکس سمجھنا چاہیئے۔ سوائے اُن اشخاص کے جن کی عقل و دانش کو مراق اور افسردہ دلی نے کھو دیا ہے۔ اِس فعل کو انسان کے تمام بُرے افعال میں سے نہائت ہی قابلِ تحقیر سمجھنا چاہیئے۔ اِس کے ذریعہ سے انسان گویا زندگی کے بوجھ اور ذمّہ واریوں سے خلاصی ڈھونڈتا ہے۔ اور یہ بوجھ اور ذمّہ داریاں نہ صرف دوسروں کے سر پر چھوڑ جاتا ہے بلکہ اُن کے ساتھ ہی شرم و بیعزّتی کی ناقابل برداشت وساطت بھی اُس کے پس ماندوں کے حصّہ میں آتی ہے۔ مذہبی پہلو سے تو خودکُشی اور بھی خراب اور نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ غیر مسیحی مصنّفوں کی رائے میں بھی خودکُشی کرنے والا نہ صرف اُس جگہ کو جہاں تقدیر نے اُسے متعیّن کیا تھا۔ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ بلکہ ایک طرح سے وہ خدا کی صفات اور اُس کی ہستی کا بھی انکار کرتا ہے۔ وہ اُس کی صفات سے انکار کرتا ہے۔

کیونکہ اگر وہ سچ مچ اُس کی رحمت و محبّت پر یقین رکھتا تو وہ ضرور اُسکی طرف بھاگتا۔ نہ اُس سے دور۔ وہ اُس کی ہستی کا منکر ہے۔ کیونکہ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اُسے اِس پردۂ حیات کی دوسری جانب ضرور خدا کے روبرو حاضر ہونا ہوگا۔ وہ اپنے کو اِس ناواجب طریق سے اُس کی حضوری میں ہرگز نہ پھینکتا +

یہوداہ کی خودکشی کا طریق بھی بالکل کمینہ تھا۔ پھانسی لینا یہودیوں کے درمیان ہرگز موت کا معمولی طریق معلوم نہیں ہوتا۔ سارے عہد عتیق میں اِس قسم کا صرف ایک ہی واقع بیان ہؤا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ بھی اُس شخص کے متعلق جسے اُس کی زندگی کے بُرے فعل کے لحاظ سے بالکل یہُوداہ کا نمونہ ہی سمجھنا چاہئے۔ اخی توفل نے جو حضرت داؤد کا دوست اور صلاح کار تھا اپنے آقا سے نمکحرامی کی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے یہوداہ نے مسیح سے۔ اور اُس کا انجام بھی ویسا ہی بُرا ہؤا +

علاوہ بریں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ کی پھانسی کے ساتھ اور بھی غیر معمُولی دہشت ناک بات واقع ہوئی۔ جس کا کتاب اعمال کے شروع میں ذکر ہے۔ وہاں جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اُن سے ٹھیک ٹھیک مطلب نہیں کُھلتا۔ مگر غالباً وہ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اِس خودکشی کے ساتھ ایک اور حادثہ بھی واقع ہؤا جس کے سبب اُس کا جسم جو ایک گھاٹی کے اُوپر لٹکا ہؤا تھا۔ دفعۃً رسّی کے ٹوٹ جانے سے نیچے گر کر ایسا کُچل گیا کہ جو کوئی اُس پر نظر کرتا تھا۔ اُسے دیکھکر خوف و ہیبت دامنگیر ہوتی تھی +

اور اُس کے انجام بد کا خیال قدیم مسیحیوں کے ذہن میں اس امر سے اور بھی مضبوط ہوگیا۔ کہ وہ روپیہ جس کے عوض اُس نے مسیح کو بیچ ڈالا

تھا آخر کار ایک قبرستان کے خریدنے میں خرچ کیا گیا جس میں اجنبی اور مسافر لوگ گاڑے جاتے تھے۔ کاہنوں نے اگرچہ روپیہ فرش پر سے۔ جہاں یہوداہ اُسے پھینک گیا تھا۔ اُٹھالیا۔ مگر اُن کی پابندئ شرع نے اُنہیں یہ اجازت نہ دی کہ اُسے پھر ہیکل کے پاک خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اِس لئے اُس روپیہ کو اِس مقصد کے لئے خرچ کر ڈالا۔ لوگوں نے یہ حال سُن کر اُس جگہ کا نام خون کا کھیت رکھ دیا اور اِس طور سے یہ قبرستان گویا اُس نمکحرام کی یادگار کے طور پر ہو گیا۔ جس میں سب سے پہلے وہ خود ہی گاڑا گیا۔

ساری دُنیا کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ یہوداہ سب سے بڑا گنہگار تھا لیکن اُس پر یہ فتوےٰ لگانے میں وہ اپنے اختیار سے آگے نکل گئے ہیں۔ انسان اپنے بھائی کے قاضی بننے کا حق نہیں رکھتا۔ یہوداہ نے جس بڑے جذبے کے تابع ہو کر یہ فعل کیا وہ نہائت کمینہ تھا۔ ڈانٹے کا یہ خیال بھی صحیح ہو تو ہو کہ نمکحرامی نہائت ہی سخت گناہ ہے۔ اور مسیح کی اعلےٰ اور بیمثال عظمت کے سبب اُس کے نقصان پہنچانے والے پر بھی ایک بے مثل داغ لگ گیا ہے۔ مگر اُس کے فعل کا منشاء ہم سے مخفی ہے۔ اور ہر ایک فعل کی تاریخ ایسی پیچ در پیچ ہوتی ہے۔ کہ ہم راستی کے ساتھ یہ ہرگز نہیں کر سکتے کہ کون شخص سب سے بڑھ کر سیاہ کار ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جن کو لوگ اولیاء اللہ اور نیک ترین بندگان خدا سمجھتے ہیں وہ آخری دن کو جب کہ ہر ایک شخص کو اُس کے اعمال کا بدلہ ملیگا۔ اِسی اعلےٰ پایہ کے مستحق سمجھے جائینگے۔ اور اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ گنہگاروں کے حق میں بھی عام رائے کا فتوےٰ آخر کار بالکل صحیح ثابت ہو گا۔ یہوداہ کے متعلق دو باتوں کو

مدنظر رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اول تو یہ کہ اُس کے گناہ کو ایسا خفیف ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں جس سے وہ طبعی اور صحیح نفرت جو اُس گناہ کے خلاف ہمارے دلوں میں پیدا ہونی چاہئے۔ کمزور ہو جائے۔ دوسرے اُسے ایسا گنہگار نہ سمجھیں کہ وہ اس گنہگاری میں بالکل یکتا و بے مثل ثابت ہو یا یہ کہ اُس کے گناہ کی ماہیت کوئی ایسی مختلف اور خاص قسم کی ہے۔ جس کے سبب سے وہ ہمارے لئے مثال نہیں ٹھیر سکتا۔ باقی کے لئے ہم صرف اُس فتوے کو دُہرا سکتے ہیں۔ جو بالکل بجا اور برمحل ہے۔ اور جس میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور وہ پطرس کے اِن الفاظ میں ہے کہ وہ "اپنی جگہ گیا"۔

دسواں باب

راہِ غم

ہم اب اپنی کتاب کا پہلا حصّہ ختم کر چکے۔ ہم نے یسُوع کی تحقیقات اور مُقدّمہ کا کل حال بیان کر دیا۔ اور اب ہم دوسرے حصّہ کی طرف جو زیادہ دردناک ہے۔ یعنی اُس کی موت کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔ تحقیقات کی نسبت سوائے اِس کے اَور کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ عدل و انصاف کی مسخری تھی۔ دینی عدالت تو مُقدمہ پیش ہونے سے پہلے ہی اُس پر حکم لگا چکی تھی۔ مگر حاکم فوجداری نے سرے ہی سے عدل و انصاف کا خون کر دیا۔ کیونکہ اُس نے محض اپنی خود غرضی اور پالیسی کا لحاظ کر کے ایک شخص کو جسکی بیگناہی کا وہ خود مُقر تھا قتل کے لئے حوالہ کر دیا۔ لیکن خیر اس ساری تحقیقات کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف اِس ظالمانہ فتوٰی کا عملدرآمد باقی رہ گیا۔ اب پیلاطس کی عدالت دن بھر کے لئے بند ہو گئی۔ لوگ اُسکے محل کی نواحی سے چلے گئے۔ اور موت کا جلوس تیار ہونے لگا +

۱

جن لوگوں پر آج کل سزائے موت کا فتوٰی صادر ہوتا ہے انہیں ابدیت کے لئے تیاری کرنے کے لئے چند روز کی مُہلت دی جایا کرتی ہے۔ مگر یسُوع کو اُسی روز جبکہ اُس پر فتوٰی لگایا گیا صلیب پر کھینچا گیا۔ رومؔ میں بھی اُس وقت ایک رحیمانہ قانون جاری تھا۔ جس کے رُو سے سزائے موت اور اُسکے عملدرآمد کے

کیونکہ اگر وہ سچ مچ اُس کی رحمت و محبّت پر یقین رکھتا تو وہ ضرور اُسکی طرف بھاگتا۔ نہ اُس سے دور۔ وہ اُس کی ہستی کا منکر ہے۔ کیونکہ جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اُسے اِس پردۂ حیات کی دوسری جانب ضرور خدا کے روبرو حاضر ہونا ہوگا۔ وہ اپنے کو اِس ناواجب طریق سے اُس کی حضوری میں ہرگز نہ پھینکتا +

یہوداہ کی خودکشی کا طریق بھی بالکل کمینہ تھا۔ پھانسی لینا یہودیوں کے درمیان ہرگز موت کا معمولی طریق معلوم نہیں ہوتا۔ سارے عہد عتیق میں اِس قسم کا صرف ایک ہی واقع بیان ہوا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ بھی اُس شخص کے متعلق جسے اُس کی زندگی کے بُرے فعل کے لحاظ سے بالکل یہوداہ کا نمونہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ اخی توفل نے جو حضرت داؤد کا دوست اور صلاح کار تھا اپنے آقا سے نمکحرامی کی۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے یہوداہ نے مسیح سے۔ اور اُس کا انجام بھی ویسا ہی بُرا ہوا +

علاوہ بریں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہوداہ کی پھانسی کے ساتھ اور بھی غیر معمولی دہشت ناک بات واقع ہوئی۔ جس کا کتاب اعمال کے شروع میں ذکر ہے۔ وہاں جو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اُن سے ٹھیک ٹھیک مطلب نہیں کُھلتا۔ مگر غالباً وہ یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اِس خودکشی کے ساتھ ایک اور حادثہ بھی واقع ہوا۔ جس کے سبب اُس کا جسم جو ایک گھاٹی کے اُوپر لٹکا ہوا تھا۔ دفعۃً رسّی کے ٹوٹ جانے سے نیچے گر کر ایسا کُچل گیا کہ جو کوئی اُس پر نظر کرتا تھا۔ اُسے دیکھکر خوف و ہیبت دامنگیر ہوتی تھی +

اور اُس کے انجام بد کا خیال قدیم مسیحیوں کے ذہن میں اس امر سے اور بھی مضبوط ہو گیا کہ وہ روپیہ جس کے عوض اُس نے مسیح کو بیچ ڈالا

تھا آخر کار ایک قبرستان کے خریدنے میں خرچ کیا گیا جس میں اجنبی اور مسافر لوگ گاڑے جاتے تھے۔ کاہنوں نے اگرچہ روپیہ فرش پر سے۔ جہاں یہوداہ اُسے پھینک گیا تھا۔ اُٹھا لیا۔ مگر اُن کی پابندیٔ شرع نے اُنہیں یہ اجازت نہ دی کہ اُسے پھر ہیکل کے پاک خزانہ میں داخل کیا جائے۔ اِس لئے اُس روپیہ کو اِس مقصد کے لئے خرچ کر ڈالا۔ لوگوں نے یہ حال سُن کر اُس جگہ کا نام خون کا کھیت رکھ دیا اور اِس طور سے یہ قبرستان گویا اُس نمک حرام کی یادگار کے طور پر ہو گیا۔ جس میں سب سے پہلے وہ خود ہی گاڑا گیا ۞

ساری دُنیا کا اِس امر پر اتفاق ہے کہ یہوداہ سب سے بڑا گنہگار تھا لیکن اُس پر یہ فتوے لگانے میں وہ اپنے اختیار سے آگے نکل گئے ہیں۔ انسان اپنے بھائی کے قاضی بننے کا حق نہیں رکھتا۔ یہوداہ نے جس بڑے جذبے کے تابع ہو کر یہ فعل کیا وہ نہائت کمینہ تھا۔ ڈانٹے کا یہ خیال بھی صحیح ہو تو ہو کہ نمک حرامی نہائت ہی سخت گناہ ہے۔ اور مسیح کی اعلےٰ اور بینظیر عظمت کے سبب اُس کے نقصان پہنچانے والے پر بھی ایک بے مثل داغ لگ گیا ہے۔ مگر اُس کے فعل کا منشاء ہم سے مخفی ہے۔ اور ہر ایک فعل کی تاریخ ایسی پیچ در پیچ ہوتی ہے۔ کہ ہم راستی کے ساتھ یہ ہرگز نہیں کر سکتے کہ کون شخص سب سے بڑھ کر سیاہ کار ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جن کو لوگ اولیاءاللہ اور نیک ترین بندگانِ خدا سمجھتے ہیں وہ آخری دن کو جب کہ ہر ایک شخص کو اُس کے اعمال کا بدلہ ملیگا۔ اِسی اعلےٰ پایہ کے مستحق سمجھے جائینگے اور اسی طرح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ گنہگاروں کے حق میں بھی عام رائے کا فتوے آخر کار بالکل صحیح ثابت ہوگا۔ یہوداہ کے متعلق دو باتوں کو

مدنظر رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اول تو یہ کہ اُس کے گُناہ کو ایسا خفیف ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں جس سے وہ طبعی اور صحیح نفرت جو اُس گناہ کے خلاف ہمارے دلوں میں پیدا ہونی چاہئے۔ کمزور ہو جائے۔ دوسرے اُسے ایسا گنہگار نہ سمجھیں کہ وہ اس گنہگاری میں بالکل یکتا و بے مثل ثابت ہو یا یہ کہ اُس کے گناہ کی ماہیت کوئی ایسی مختلف اور خاص قسم کی ہے۔ جس کے سبب سے وہ ہمارے لئے مثال نہیں ٹھیر سکتا۔ باقی کے لئے ہم صرف اُس فتوے کو دُہرا سکتے ہیں۔ جو بالکل بجا اور برمحل ہے۔ اور جس میں کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور وہ پطرس کے اِن الفاظ میں ہے کہ وہ "اپنی جگہ گیا"۔

دسواں باب

راہِ غم

ہم اب اپنی کتاب کا پہلا حصّہ ختم کر چکے۔ ہم نے یسُوع کی تحقیقات اور مُقدّمہ کا کل حال بیان کر دیا۔ اور اب ہم دوسرے حصّہ کی طرف جو زیادہ دردناک ہے یعنی اُس کی موت کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔ تحقیقات کی نسبت سوائے اِس کے اَور کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ عدل و انصاف کی مسخری تھی۔ دینی عدالت تو مُقدمہ پیش ہونے سے پہلے ہی اُس پر حکم لگا چکی تھی۔ مگر حاکم فوجداری نے سرے ہی سے عدل و انصاف کا خون کر دیا۔ کیونکہ اُس نے محض اپنی خودغرضی اور پالیسی کا لحاظ کرکے ایک شخص کو جسکی بیگناہی کا وہ خود مُقِر تھا قتل کے لئے حوالہ کر دیا۔ لیکن خیر اس ساری تحقیقات کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف اِس ظالمانہ فتویٰ کا عملدرآمد باقی رہ گیا۔ اب پیلاطس کی عدالت دن بھر کے لئے بند ہو گئی۔ لوگ اُسکے محل کی نواحی سے چلے گئے۔ اور موت کا جلوس تیار ہونے لگا +

۱

جن لوگوں پر آج کل سزائے موت کا فتویٰ صادر ہوتا ہے اُنہیں ابدیت کے لئے تیاری کرنے کے لئے چند روز کی مُہلت دی جایا کرتی ہے۔ مگر یسُوع کو اُسی روز جبکہ اُس پر فتویٰ لگایا گیا صلیب پر کھینچا گیا۔ رومؔ میں بھی اُس وقت ایک رحیمانہ قانون جاری تھا۔ جس کے رُو سے سزائے موت اور اُسکے عملدرآمد کے

مابین دس دن کا وقفہ دیا جاتا تھا۔ لیکن یا تو اس قانون کا بیرونی صوبجات میں رواج نہ تھا یا یہ کہ یسوع کو اس قانون کی حدود سے باہر سمجھا گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ بادشاہ ہونے کا دعویدار تھا۔ بہرصورت اُسے فی الفور عدالت گاہ سے سیدھے قتل گاہ کو لے گئے۔ اور اُسے تیاری یا دوستوں کو الوداع کہنے کا بھی موقع نہ دیا۔

اس فتویٰ کے جاری کرنے والے پیلاطس کے سپاہی تھے۔ مُقدّس یُوحنّا کی طرز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا پیلاطس نے اُسے یہودیوں کے حوالہ کر دیا تھا اور انہوں نے سزائے موت کا عملدرآمد کیا۔ مگر اُس کے کلام کا صرف یہ مطلب ہے کہ اس معاملہ کی اخلاقی ذمہ داری یہودیوں کے سر پر تھی۔ اُنہوں نے ہر طور سے یہ ظاہر کیا کہ یہ سب کچھ جو ہوا ہے اُنہیں کے ہاتھوں ہوا ہے۔ وہ یسوع کی موت پر ایسے تُلے ہوئے تھے کہ اُنہوں نے اس کام کو اُن لوگوں کے ہاتھوں میں بھی نہ چھوڑا جن کا یہ منصبی فرض تھا۔ بلکہ وہ جلّادوں کے ہمراہ گئے۔ اور دیکھتے رہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو مناسب طور پر ادا کرتے ہیں۔ مگر اصل کام درحقیقت رُومی سپاہیوں نے ایک صوبہ دار کی نگرانی میں سرانجام دیا۔

اس ملک میں اب پھانسی وغیرہ کی سزا بالکل علیحدہ جگہ میں عموماً قید خانہ کی دیواروں کے اندر ہی عمل میں آتی ہے۔ لیکن ابھی بہت سال کا عرصہ نہیں گذرا جب کہ عوام الناس کے سامنے پھانسی دی جایا کرتی تھی اور اُس سے بھی پہلے یہ دستور تھا کہ جب کبھی کسی کو پھانسی ہوتی تھی تو پہلے اُسے شہر کے سارے گلی کوچوں میں پھراتے تھے۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو سب لوگ اُسے دیکھیں اور اُس پر نفرین بھیجیں۔ یسوع کو بھی اسی طور سے قتل کی طرف لے گئے۔ رومیوں اور نیز یہودیوں کے درمیان بھی سزائے قتل شہر کے دروازہ کے باہر عمل میں آتی تھی قدیم

روائت کے مطابق جو مقام یسوع کے قتل کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور جس پر اب مزار مقدس کی کلیسیا تعمیر ہے۔ شہر کی موجودہ فصیل کے اندر واقع ہے۔ لیکن جو لوگ اس روائت کو صحیح مانتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اُس زمانہ میں یہ مقام شہر کے باہر واقع تھا۔ مگر یہ روائت مشتبہ ہے۔ اور یہ بات بھی تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ مقتل کونسے دروازہ کے باہر واقع تھا۔ کلوری یا گلگتھا کے ناموں سے ظاہر ہے کہ یہ مقام غالباً کھوپری کی شکل تھا۔ مگر اس خیال کے لئے کہ وہ مقام اس قدر بلند تھا کہ اُسے کلوری کی پہاڑی کہنا درست ہو۔ کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ درحقیقت اس شکل و جسامت کی کوئی پہاڑی یروشلم کے گرد و نواح میں نہیں پائی جاتی۔ جس کا تصور عوام الناس نے باندھ رکھا ہے۔ زمانۂ حال کے یروشلم میں ایک کوچہ ہے۔ جو ویاڈولوروسا یعنی راہِ غم کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں سے مقتل کو جاتے ہوئے مسیح کا گذرنا بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہ امر بھی مشتبہ ہے۔ قدیم روشلم الکبریٰ کی طرح قدیم یروشلم بھی صدہا سال کی مٹی کے نیچے دبا پڑا ہے۔ جس مقام پر مقدس کی تحقیقات ہوئی۔ وہاں سے مقتل گاہ کوئی ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو اِس قدر یا اِس سے زیادہ فاصلہ پر جانا پڑا ہوگا اور راستہ میں لوگ جلوس کو دیکھ کر جوق جوق جمع ہوتے گئے ہونگے۔

ایک اور بے عزتی جو صلیبی موت کے ساتھ وابستہ تھی یہ تھی کہ مجرم کو وہ صلیب جس پر وہ لٹکنے کو تھا اپنی پیٹھ پر اٹھا کر جائے قتل تک لے جانی پڑتی تھی۔ تصویروں میں یسوع کی صلیب اتنی بڑی بنائی جاتی ہے جس کے اٹھا کر لے جانیکے لئے کئی ایک آدمیوں کی ضرورت پڑتی۔ مگر اصل میں وہ اِس سے بالکل مختلف شکل کی ہوگی اُس کی لمبائی غالباً اُس کے جسم کی لمبائی سے کچھ ہی زیادہ ہوگی۔ اور اُس میں اتنی ہی لکڑی لگی ہوگی جو ایک آدمی کے جسم کو اُٹھانے کے لئے کافی ہو۔ لیکن

توبھی وہ بڑی بوجھل ہوگی۔ اور اُس پیٹھ پر جہاں پہلے ہی اتنے کوڑے لگ چکے تھے اُسے اُٹھانا نہایت ہی دُشوار اور باعث درد و تکلیف ہوگا +

اور اگر اُس کے سر پر کانٹوں کا تاج اب بھی دھرا تھا۔ تو وہ بھی سخت تکلیف کا باعث ہوگا۔ لکھا ہے کہ بیشتر اس کے کہ اُسے قتل گاہ کو لے گئے۔ ارغوانی پوشاک جو مسخری کے طور پہنائی گئی تھی۔ اُتار کر اُس کے اپنے کپڑے اُسے پہنائے گئے تھے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ کانٹوں کا تاج بھی اُٹھا دیا گیا تھا۔ مگر سب سے سخت اور ناقابلِ برداشت شرم و بےعزتی تھی۔ آدمی سے اُس کی موت کا آلہ اُٹھوانے میں ایک قسم کا سخت وحشی پن تھا اور ہم قدیم لٹریچر میں مصنفین کو اس قسم کے طریق سزا پر بار بار وحشیانہ تمسخر کرتے اور مضحکہ اُڑاتے دیکھتے ہیں +

اناجیل سے اِس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ یسوع کی قوتِ واہمہ پہلے ہی سے اِس قسم کی موت کا تصور باندھتی رہی تھی۔ خاتمہ سے بہت پہلے اُس نے پیشین گوئی کی تھی کہ اُسے کس قسم کی موت سے مرنا ہوگا۔ مگر اس قسم کی پیشین گوئیوں سے بھی پہلے وہ اِن قربانیوں کو جو اُس کے پیرو ہونے کے لئے کرنی ضروری ہونگی صلیب اُٹھانے سے تشبیہ دے چکا تھا۔ گویا کہ یہ سزا ہر ایک قسم کے دُکھ اور تکلیف اور بےحرمتی کی آخری حد تھی۔ کیا اُس نے اِن لفظوں کو محض اِس سبب سے استعمال کیا کہ جہاں تک اُسے دُنیا کی باتوں کا علم تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ سزا انسانی زندگی میں سب سے زیادہ شرمناک ہے؟ یا کیا اِس قسم کے الفاظ کے استعمال کی وجہ وہ علم غیب تھا جس کے ذریعہ سے اُسے معلوم تھا کہ ایک دن یہی سزا خود اُس پر وارد ہونے والی ہے؟ کچھ شبہ نہیں کہ آخری وجہ درست ہے۔ اب وہ گھڑی جس کا پہلے سے تصور باندھا

کرتا تھا آپہنچی اور کمزوری اور لاچاری کی حالت میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے جو اُس پر نفرین کر رہے تھے اُسے یہ صلیب اُٹھانی پڑی۔ ایک شریف مزاج آدمی کے لئے شرم سے بڑھ کر کوئی سخت مصیبت نہیں۔ اُس کے لیے ہنسی و تمسخر کا تختۂ مشق بنایا جانا نہایت شاق ہوتا ہے۔ یسُوع میں وہ عظمت و صلاحیت تھی جس کی وجہ سے نہ کسی کے آگے۔ جنکا نے یا دب نکلنے کی ضرورت کا محتاج نہ تھا۔ وہ لوگوں سے اِس قدر محبّت رکھتا اور اُن کی عزّت کرتا تھا کہ ممکن نہ تھا کہ اُن سے محبّت و عزّت کا طالب نہ ہو۔ وہ اچھّے دن دیکھ چکا تھا جبکہ سب لوگ اُس کی عزّت کرتے اور اُسے عزیز رکھتے تھے۔ لیکن اب اُس کی جان لوگوں کی ملامت و تحقیر سے معمور ہو رہی تھی۔ اور وہ زبور کے اِن الفاظ کو اپنے حق میں لگا سکتا تھا کہ "میں تو ایک کیڑا ہوں نہ انسان آدمیوں کا ننگ ہوں اور قوم کی عار" ؛

اب مسیح کی عار و ننگ سب جلال میں بدل گئی ہے اور اِس بات کا متحقق کرنا نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ وہ در اصل کس قدر گہری ذلت تھی۔ جو اُسے برداشت کرنی پڑی۔ اِس سے بڑھ کر اور کیا ذلّت کا ثبوت ہوگا کہ دو چوروں کو بھی اُس کے ہمراہ صلیب پر کھینچنے کے لئے بھیجا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ بات پیلاطس نے خاص کر یہودیوں کے ذلیل کرنے کو کی تھی۔ جس سے یہ دکھلانا مقصود تھا کہ وہ اُس شخص کو جو اُس کے نزدیک اُن کے بادشاہ ہونے کا دعویدار تھا۔ کیسی حقارت سے دیکھتا ہے۔ مگر میرے نزدیک زیادہ اغلب بات یہ ہے کہ رومی حکّام کی نظر میں مسیح کی اُن قیدیوں کی نسبت جو آئے دن اِن سپاہیوں کے ہاتھ سے سزایاب ہوتے رہتے تھے کچھ بڑی عزّت نہ تھی۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ پیلاطس کو اِس معاملہ میں کچھ زیادہ

دلچسپی تو تھی۔ اور وہ اِس مُقدمہ کے فیصلہ کرنے میں کسی قدر اُلجھاؤ میں بھی پڑا رہا۔ لیکن پھر بھی یسُوع ایک معمولی یہودی تھا جس کی مانند سینکڑوں اُس کے ہاتھوں میں سے نکلتے رہے تھے۔ اور اُس کا صلیب دیا جانا بھی دوسرے مجرموں کے مُقدمہ سے کچھ بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا تھا۔ اِس طور سے تینوں قیدی اپنی اپنی صلیبیں اُٹھائے ہوئے اُس محل کے دروازہ سے نکلے اور راہِ غم پر روانہ ہوئے ؛

۲

لیکن اگرچہ وہ پیلاطس کے محل میں سے اپنی صلیب اُٹھائے ہوئے نکلا۔ مگر وہ رستے بہت دور تک نہ لے جا سکا۔ یا تو وہ اُس کے بوجھ کے مارے دب کر زمین پر بیٹھ گیا۔ یا وہ ایسی سُست قدمی سے چل رہا تھا کہ سپاہیوں نے دیری کے خیال سے یہ مناسب سمجھا کہ بوجھ اُس کے کندھے پر سے اُٹھا لیا جائے۔ اِس قسم کی نقاہت اور ماندگی کے لئے کوڑوں کی سختی ہی کافی تھی۔ لیکن اِس کے علاوہ ہمیں ساری رات کی بیخوابی اور خفا۔ اور بدسلوکی کو بھی نہیں بھولنا چاہئیے۔ اور اِس سے پہلے گتسمنی کی جانکنی بھی واقع ہوئی تھی۔ اِس لئے جائے تعجب نہیں کہ اُس کی کمزوری اِس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ ایسا بوجھ اُٹھائے ہوئے آگے بڑھنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا ؛

ایک یا دو سپاہی اُسے اِس بوجھ سے خلاصی دے سکتے تھے۔ مگر شرارت اور تمسخر اب بھی اُن پر سوار تھا۔ اور اُنھوں نے ایک آدمی کو جو اتفاقاً اُس راہ سے گذر رہا تھا۔ بیگاری پکڑ کر اس خدمت میں لگا دیا۔ وہ اُنہیں باہر سے شہر کے پھاٹک کے اندر آتا ہُوا ملا۔ اور اِس امر میں وہ ایک جنگی قانون یا رسم کے مطابق عمل کر رہے تھے ؛

اس آدمی کو تو یہ بات نہایت تکلیف دِہ اور شرمناک معلوم دی ہوگی۔ غالباً وہ کسی ضروری کام پر جا رہا تھا جو اِس وجہ سے ملتوی کرنا پڑا۔ اُس کے بال بچے اور دوست آشنا اُس کے منتظر بیٹھے ہونگے مگر وہ راستہ میں روک لیا گیا۔ اِس موت کے آلہ کو چھونا اُس کے لئے ایسی ہی قابلِ نفرت بات ہوگی۔ جیسے ہم پھانسی کی رسّی کو چھوتے جھجکتے ہیں۔ شائد اُس وقت اُس کو یہ بات اَور بھی بُری معلوم ہوئی ہوگی۔ کیونکہ یہ عیدِ فسح کا وقت تھا۔ اور اس کے چھونے سے وہ ناپاک ہوگیا۔ مگر وہ اُس وقت سپاہیوں کی ظرافت کا تختۂ مشق بن رہا تھا۔ جب وہ چوروں کے ساتھ ساتھ چلتا ہوگا تو معلوم ہوتا ہوگا کہ گویا اُسے بھی صلیب پر کھینچنے کو لے جا رہے ہیں ؎

یہ اُس صلیب اُٹھانے کی جس کے لئے مسیح کے پیروؤں کو بُلایا گیا ہے ایک عمدہ تصویر معلوم ہوتی ہے۔ ہم جب کبھی کسی قسم کی تکلیف کا ذکر کرتے ہیں تو اُسے صلیب کے نام سے پکارا کرتے ہیں۔ اور بلاشُبہ تکلیف خواہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو مسیح کے نام سے اُس کا اُٹھانا ایسا دوبھر نہیں معلوم ہوتا۔ مگر صحیح طور پر وہی دُکھ یا تکلیف مسیح کی صلیب کہلانے کی مستحق ہے جو اُس کا اقرار کرنے یا اُس کی خدمت کی بجاآوری میں برداشت کرنی پڑی۔ جب کوئی شخص کسی مسیحی اُصول کی بنا پر کسی بات پر جم کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ اور اُس سے جو کچھ ذلّت اور شرمندگی اُس پر وارد ہو اُس کی کچھ پروا نہیں کرتا تو اُسے مسیح کی صلیب اُٹھانا کہہ سکتے ہیں۔ جو تکلیف تمہیں مسیح کے نام سے کسی کے ساتھ کلام کرنے میں محسوس ہو۔ یا مسیح کی خدمت میں جو وقت یا آسائش تمہیں قربان کرنی پڑے۔ یا اپنے مال و دولت کو مسیح کی سلطنت کے اپنے وطن۔ اور دوسرے ممالک میں پھیلانے کے لئے دے ڈالنے سے جو خود انکاری کرنی

پڑے۔ یا جو لعنت ملامت تمہیں ایسے معاملات میں حصّہ لینے یا ایسے اشخاص کے ساتھ شریک ہونے میں جنہیں تم مسیح کے طرفدار سمجھتے ہو اُٹھانی پڑے۔ ان سب باتوں کو مسیح کی صلیب کے نام سے پکار سکتے ہیں۔ اس میں تکلیف۔ بے آرامی اور قربانی تو ضرور ہے۔ اِس کی برداشت کرنے میں شائد شمعُون کی طرح کُڑھنا پڑے یا خود مسیح کی طرح اُس کے بوجھ سے گر جائیں۔ وہ بہت دردناک۔ بھیانک اور شرمناک تو ہوگی۔ مگر مسیح کا کوئی سچّا شاگرد اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارا آقا فرماتا ہے کہ "جو شخص اپنی صلیب اُٹھا کر میری پیروی نہیں کرتا میرے لائق نہیں"۔

۳

جو بات شمعُون کو صلیب اُٹھانے کا نا کامل نمونہ ٹھیراتی ہے۔ سو یہ ہے کہ ہمیں تحقیق نہیں کہ آیا اُس نے اُسے برضا و رغبت اُٹھایا یا مجبوری سے۔ یہ تو سچ ہے کہ رُومی سپاہیوں نے اُسے جبراً اس کام کے لئے پکڑا تھا۔ مگر کیا اِس میں محض جبر ہی جبر تھا۔ اور اَور کچھ نہیں؟

بعض کا خیال ہے کہ وہ مسیح کے پیرؤں میں سے تھا لیکن یہ امر اغلب نہیں معلوم ہوتا کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ سپاہیوں کو اس مقصد کے لئے ایک شخص کی ضرورت پڑی تو یسُوع ہی کے پیروؤں میں سے ایک اُن کے ہاتھ لگ گیا۔ طرزِ بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض اتفاقی طور پر وہاں آنکلا تھا اور صرف اُسی وقت اور اپنی مرضی کے خلاف وہ بھی اِس ڈرامہ میں شریک کیا گیا۔

انجیل نویس اُسے قُرینی کا باشندہ لکھتا ہے جو شمالی افریقہ کا ایک شہر ہے۔ اِس شہر کے رہنے والوں کا بھی اُس فہرست میں ذکر ہوا ہے۔ جہاں

عید پنتیکوست کے روز جب کہ رُوح قدس آتشی زبانوں کی صورت میں کلیسیا پر نازل ہُوا۔ اُن لوگوں کا بیان کیا گیا ہے (جو بیرونجات سے عید کے موقع پر آئے ہوئے تھے) اور اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شمعُون بھی اسی طرح اپنے دور دراز مکان سے عید فسح کے موقع پر یروشلیم میں آیا ہُوا تھا۔ؔ

وہ غالباً وہاں حج و زیارت کے لئے آیا تھا۔ شائد وہ اُن دینداروں میں سے تھا جو اسرائیل کی تسلی کے منتظر تھے۔ وہ اپنے دور و دراز گھر واقع قوریتی میں مسیح کی آمد کے لئے دعائیں مانگتا رہا ہوگا۔ اور سفر پر روانہ ہونے سے پہلے خدا کی برکت و رحمت کا طالب ہُوا ہوگا۔ خدا نے اُس کی دعا سُنی اور اب پایۂ قبول کو پہنچائی۔ مگر ایسے مختلف طور پر کہ اُس کو پہلے اُس کا نشان و گمان بھی نہ تھا۔

کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے اس طور پر سابقہ پڑنا اُس کی اپنی اور اُس کے خاندان کی نجات کا باعث ہُوا۔ انجیل نویس اُسے "اسکندر اور روفس" کا باپ بتاتا ہے۔ اور ایسے طور سے ذکر کرتا ہے کہ گویا وہ اُس سے خوب واقف تھا۔ ظاہر ہے کہ اُس کے ان بیٹوں سے وہ لوگ جن کے لئے مقدس مرقس اپنی انجیل کو تحریر کر رہا تھا خوب واقف ہونگے۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ وہ کلیسیا کے شرکا میں سے ہونگے۔ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُس کے

ؔ بہت سے یہودی جو کسی زمانہ میں قوریتی کے باشندہ تھے۔ اب یروشلیم میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ غالباً اُن میں زیادہ تر وہ ضعیف العمر لوگ تھے جو پاک زمین میں دفن ہونے کی غرض سے وہاں آ رہے تھے۔ کیونکہ اعمال کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یروشلیم میں اُن کی اپنی عبادت گاہ تھی۔ اور ممکن ہے کہ شمعُون بھی اُنہیں میں سے تھا۔ مگر دوسری بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

خاندان کا تعلق کلیسیا سے اُن کے باپ کی زندگی کے اس واقعے کے ساتھ وابستہ تھا۔ مقدس مرقس نے اپنی انجیل روم کے مسیحیوں کے لئے تیار کی تھی۔ اور رومیوں کے نام کے خط میں ایک روفس کا ذکر ہے۔ جو اپنی ماں کے ہمراہ روم میں مقیم تھا۔ ممکن ہے کہ یہی شخص شمعون کا بیٹا تھا۔ اور اعمال ۱۳: ۱ میں ایک اور شمعون کا ذکر ہے۔ جو لوکیس قرینوی کے ہمراہ انطاکیہ کے سربرآوردہ عیسائیوں میں سے تھا۔ اُس کے نام کے ساتھ لفظ نیگر یعنی سیاہ فام بھی استعمال ہوا ہے جو اُس کی رنگت کا جو افریقہ کے گرم سورج کا نتیجہ تھی نشان دیتا ہے۔ عہد جدید میں اور بھی کئی اسکندروں کا ذکر ہوا ہے۔ مگر یہ نام عام تھا اور اسی لئے ان میں سے کسی ایک کو شمعون کا بیٹا ٹھیرانا ناممکن ہے۔ مگر ان تفصیلی باتوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس اس امر کی صاف شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمعون اسی حادثہ کی وجہ سے مسیحی ہو گیا۔

کیا یہ ایک پُر معنی بات نہیں معلوم ہوتی۔ جس سے اِس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ دُنیا میں کوئی بات اتفاقی طور پر واقع نہیں ہوتی؟ اگر شمعون اس سے ایک گھنٹہ پہلے یا ایک گھنٹہ پیچھے شہر میں داخل ہوتا تو اُس کی زندگی کے بعد کی تاریخ مختلف ہوتی۔ بعض اوقات نہائت ہی چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتیجے نکلتے ہیں۔ ایک اتفاقی ملاقات کسی شخص کی زندگی بھر کی خوشی یا غمی کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ بلاشبہ شمعون کو اُس وقت یہ اتفاقی واقعہ نہائت ہی خراب اور مکروہ معلوم ہؤا ہوگا۔ کیونکہ اُس کے سبب سے نہ صرف وہ اپنے کام سے رُک گیا ہوگا بلکہ سخت بیعزتی اور شرمندگی بھی اُٹھانی پڑی۔ لیکن آخرکار وہ اُس کے لئے گویا حیاتِ ابدی کا دروازہ ثابت ہؤا۔ اِسی طرح الٰہی برکات بعض اوقات ایک دوسرے بھیس میں آیا کرتی ہیں۔ اور ایک بھوت کی

صورت میں سے جسے دیکھکر ہم مارے خوف کے چلا اُٹھیں۔ دفعتاً ابن آدم کی صورت دکھائی دی جاتی ہے۔ مگر اس واقع سے شمعون کو فقط اپنی ہی نجات حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس میں سارا کنبہ شریک ہؤا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسیح کسی ایک شخص پر جلوہ گر ہو تو اس سے کیا کچھ اُمید نہیں ہو سکتی۔ اِس ایک شخص کے ایمان لانے میں اُس کے بچوں اور بچوں کے بچوں کی جو ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ نجات و بہبودی بھی شامل تھی ٭

لیکن سوچو تو کہ اگرچہ شمعون کو اُس وقت مسیح کی صلیب اُٹھانا تلخ معلوم ہؤا لیکن بعد کی زندگی میں وہ اُس کے لئے خدا کا کس قدر شکر کرتا ہوگا! بلاشبہ وہ اُسے اپنی زندگی کا ایک عجیب ماجرا خیال کرتا ہوگا۔ اور آج کے دن تک کون ہے جو اِس امر کے لئے اُس پر رشک نہ کھاتا ہو کہ اُس شخص کو یہ نصیب ہوا کہ اُس نے غش کھاتے ہوئے مُنجی کا ہاتھ بٹایا۔ اور اُس کی خون آلودہ اور درد ناک بیٹھ پر سے اُس کا بوجھ اُٹھاکر اپنے سر لیلیا؟ اسی طرح سب کی زندگی میں ایک نہ ایک دن آتا ہے جبکہ ہر ایک خدمت جو وہ مسیح کے لئے بجا لاسکتے ہیں ایک ایسی عمدہ یادگار رہوتی ہے جس کے لئے وہ باقی عمر بھر سب سے زیادہ فخر کیا کرتے ہیں۔ زندگی کے خاتمہ پر جب ہم اپنے سارے کارناموں پر نظر کرینگے تو وہ انعامات جو ہم نے حاصل کئے۔ یا وہ عیش و عشرت جس سے محظوظ ہوئے۔ یا وہ تکالیف و مصائب جن سے ہم بچ گئے۔ اُن کی یاد ہمیں اتنا خوش و خرّم نہیں کریگی۔ لیکن اگر ہم نے کبھی خود انکاری کر کے مسیح کی صلیب اُٹھائی ہے۔ تو اُس کی یاد ہمارے بسترِ مرگ پر ہمارے سر کے نیچے ملائم تکیہ کا کام دیگی۔ اُس وقت ہمارے دل میں یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ منٹ جو ہم نے مسیح کی خدمت میں

صرف کئے۔ سال ہوتے اور وہ پیسے اشرفیاں ہوتیں۔ اور اُس وقت ٹھنڈے پانی کا ہر ایک پیالہ اور ہر ایک تسلی آمیز کلمہ اور ہر ایک خود انکاری کا کام ایسا خوشنما معلوم ہوگا کہ ہمارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ کاش وہ اُس سے جو ہیں ہزار ہا گُنا زیادہ ہوتے ؞

خداوند کی زندگی کے اس حصّے کے متعلق بہت سی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں ÷

مثلاً یہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ صلیب اُٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہا تھا تو راستہ میں سستانے کے لئے وہ ایک گھر کے دروازے سے تکیہ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ مگر گھر کے مالک نے اُسے ایک دھکا مار کر ہٹا دیا اور کہا کہ چلو اپنا راستہ لو۔ اس پر خداوند اپنے مارنے والے کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "تو چلتا ہی جائیگا اور کبھی نہیں ٹھیرے گا۔ جب تک کہ میں پھر نہ آؤں" اور آج کے دن تک نہ اُس شخص کو آرام ملتا ہے نہ موت آتی ہے۔ بلکہ یہ کمبخت برابر زمین پر سفر کرتا رہتا ہے اور خداوند کی آمد ثانی تک ایسا ہی کرتا رہیگا۔ یہی آوارہ گرد یہودی کی حکائت ہے جس پر مختلف صورتوں میں زمانہ گذشتہ میں اور نیز آج کل بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک خیالی تصویر ہے۔ جس میں ایک آدمی کی مثال میں یہودی قوم کی اُس دردناک قسمت کا خاکہ کھینچا گیا ہے۔ جو اُس دن سے جب کہ اُنہوں نے خداوند پر ہاتھ ڈالے۔ ساری دنیا میں ماری ماری پھرتی ہے۔ اور جس کے پاؤں

کو تختۂ زمین پر کہیں بھی قرار و آرام نصیب نہیں ہوتا +

ایک اور کہانی ہے جس کو مصوّری میں دہی جگہ دی گئی ہے۔ جو آوارہ گرد یہودی کو لٹریچر میں حاصل ہے۔ ویرونیکا یروشلم کی ایک معزز خاتون مسیح کو اپنے مکان کے پاس سے گذرتے اور بوجھ کے نیچے دبے دیکھ کر گھر سے باہر نکل آئی اور ایک رومال کے ذریعہ اُس کے چہرہ پر سے خُون اور پسینہ پونچھ دیا۔ اور دیکھو جب اُس نے اُس رومال پر جس سے اُس نے مسیح کا مُنہ پونچھا تھا نظر کی تو کیا دیکھتی ہے کہ اُس تلخ اور غمناک کی شبیہ عین لعین نقش ہے۔ بعض مشہور اور عالیقدر مُصوّروں نے اس نظارہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اور میرے نزدیک اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اس زندگی کی معمولی سی معمولی باتیں بھی جب رحمت کے کاموں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ تو اُن پر بھی مسیح کی صورت کا نقش ہو جاتا ہے +

رومن کیتھلک گرجاؤں میں عموماً دیواروں پر قریباً ایک درجن تصویروں کا سلسلہ دیکھا جاتا ہے جو خداوند کی زندگی کے اِس حصّہ کو ظاہر کرتی ہیں۔ اِن تصویروں کا نام منازل صلیب ہے۔ کیونکہ لوگ عبادت کے وقت ایک سے شروع کر کے برابر آخر تک گھوم جاتے ہیں اور ایک ایک تصویر کے سامنے تھوڑی دیر تک ٹھیر کر اور اُس پر نظر کر کے خداوند مسیح کے دُکھوں اور مصیبتوں پر غور و فکر کرتے ہیں۔ بعض ممالک میں جہاں کیتھلک مذہب زوروں پر ہے۔ اِسی خیال کو ایک اور طرح سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ جو زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ شہر کے قریب ایک پہاڑی کے سرے پر تین صلیبیں نصب کی

جاتی ہیں - اور شہر کی ایک گلی جس کا نام راہ کلوری ہوتا ہے - اُس میں کچھ کچھ فاصلہ پر خداوند کے اس سفر کے مختلف نظاروں کو ظاہر کرنے کے لئے بڑی بڑی تصویریں یا منقّش پتھروں کی سلیں نصب کی جاتی ہیں +

مگر اس راہ غم کے صرف دو واقعات ہیں جن کا یقینی علم ہمیں حاصل ہے - ایک تو شمعون قرینی کا خداوند کی صلیب کو اُٹھانا - دوسرے یروشلم کی بیٹیوں کی ہمدردی کا اظہار جس کا ذکر ہم اب کرنا چاہتے ہیں +

۱

جو شخص خداوند کی زندگی کی آخری گھڑیوں کا حال پڑھتا ہے - اُسے ہر قدم پر سخت سخت دہشت ناک نظاروں سے دوچار ہونا پڑتا ہے - بعض نظّارے جن میں سے ہم ابھی ابھی گذرتے آئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں ہم آدمیوں سے نہیں بلکہ عفریتوں اور شیطانوں سے ملاقی ہوئے ہیں - اور دل اُن کو دیکھ دیکھ کر ایسا دقّ آجاتا ہے کہ وہ اس امر کا آرزومند ہوتا ہے کہ کاش کوئی اور چیز نظر آئے جس سے دم بھر کے لئے مذہبی تعصب اور خونخواری کے دردناک نظاروں سے خلاصی ملے - اس لئے وہ نظّارہ بہت ہی فرحت بخش اور دلکش معلوم ہوتا ہے جس میں اس شب غم پر روشنی کی کچھ کرنیں پڑتی ہوئی نظر آتی ہیں - اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں دل انسانی سے بالکل نااُمید نہ ہو جانا چاہئے - بلکہ اُس میں ابھی کچھ کچھ جان باقی ہے +

یہ فی الحقیقت ایک خلاف اُمید اور حیرت میں ڈالنے والا نظّارہ تھا - اگر اس وقت اُس کا ایسا بیّن اظہار نہ ہوا ہوتا تو یہ یقین کرنا مشکل ہوتا کہ یسوع کو یروشلم کے باشندوں کے کسی حصّہ کے دل میں بھی ایسی گہری جگہ حاصل تھی - یہودیوں کے صدر مقام میں ہمیشہ اُسے مخالفت سے سابقہ پڑتا رہا تھا - اور اُن میں اُس

کی تعلیم کی قبولیت کا مادّہ بہت کم دکھائی پڑتا تھا۔ یروشلم میں ربّیوں اور کاہنوں کا زور تھا۔ جو اپنے علم اور عہدے پر بڑے نازاں تھے۔ یہی فریسیوں اور صدوقیوں کی جولانگاہ تھا اور عوام الناس انہیں کی راے پر چلتے تھے اور یہاں اوّل سے آخر تک اُس کے صرف چند ہی آدمی پیرو بنے تھے۔ وہ صرف بیرونی علاقہ اور خاصکر گلیل میں کامیاب ہوا تھا۔ وہاں لوگ اُس کی بڑی قدر دعوّت کرتے تھے۔ یہ گلیلی حاجی تھے جو عید فسح کے موقع پر آئے ہوئے تھے۔ جو ہوشعنا کے نعرے لگاتے ہوئے اُسے دارالخلافہ کے اندر لے گئے تھے۔ مگر شہر کے باشندے اُس کی طرف سے بے پروا تھے۔ اور یہی لوگ تھے جو پیلاطس کی کرسئے عدالت کے سامنے چلّا رہے تھے "اُسے صلیب دے۔ اُسے صلیب دے"۔

لیکن اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کم سے کم یروشلم کی آبادی کے ایک حصّہ کے دل میں اُس نے کچھ اثر پیدا کر لیا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ "لوگوں کی بڑی بھیڑ اور بہت سی عورتیں جو اُس کے واسطے روتی پیٹتی تھیں اُس کے پیچھے پیچھے چلیں"۔ بعض کو یہ امر ایسا عجیب و غریب معلوم ہوا ہے کہ اُن کا خیال ہے کہ یہ گلیلی عورتیں ہونگی۔ مگر یسوع نے انہیں "یروشلم کی بیٹیو" کہکر خطاب کیا۔ اہل گلیل میں سے جو اُس کی فتح و کامیابی کے گھڑی میں اُسے اس طرح گھیرے ہوئے تھے۔ اب اُس کی مصیبت کے گھڑی میں ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ مگر یروشلم کی عورتوں نے مردوں کی اس مثال کی پیروی نہ کی۔ بلکہ علانیہ اُس کی جوانی۔ نیک چلنی اور مصائب پر آنسو بہائے۔ بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں ایک قانون تھا جس کے مطابق سزا یافتہ آدمی کے ساتھ کسی قسم کے اظہار ہمدردی کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ اگر یہ سچ ہے تو اس اظہار ہمدردی کے لئے یہ لوگ اور بھی زیادہ تعریف کے مستحق ہیں۔ اُن کے جذبات کا بہاؤ اس قدر زوروں پر تھا کہ قانون و دستور کے بند اُس کے رو

کو نہ روک سکے +

کہا گیا ہے کہ اناجیل میں کوئی بھی ایسی نظیر نہیں پائی جاتی جس میں کسی عورت کا ذکر ہو جو یسوع کی دشمن تھی۔ کسی عورت کی نسبت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ اُسے چھوڑ کر بھاگ گئی یا اُس نے اُسے پکڑوا دیا۔ یا اُسے کسی قسم کا دُکھ دیا یا اُس کی مخالفت کی بلکہ عورتیں اُس کی پیروی کرتی تھیں۔ اپنے مال و دولت سے اُسکی خدمت کرتی تھیں۔ اُس کے پاؤں آنسوؤں سے دھوتی تھیں۔ خوشبوئیں اُس کے سر پر ملتی تھیں۔ اور اب جب کہ اُن کے خاوند اور بھائی موت تک اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ روتی۔ چلّاتی اور نوحہ و زاری کرتی ہوئی اُس کے قتل تک اُس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھیں +

یہ واقعہ ایک طرف تو مسیح کی خصلت کی خوبی کے لئے ایک بڑی بھاری شہادت ہے۔ اور دوسری طرف عورتوں کی خصلت کے لئے۔ عورت کی عقل و تمیز نے اُسے سمجھا دیا۔ گو وہ ابھی تک اِس سچائی کو صاف طور پر نہ بھی سمجھی ہو۔ کہ یہی شخص اُس کا رہائی دینے والا ہے۔ کیونکہ اگرچہ مسیح سب کا نجات دینے والا ہے۔ لیکن وہ عورت کا نجات دہندہ خاص معنوں میں ہے۔ اُس کی آمد کے زمانہ میں چونکہ اُس کی ذلت اور بیچارگی مردوں کی نسبت کہیں زیادہ تھی اس لئے وہی اُس کی زیادہ حاجتمند تھی۔ اور اُس وقت سے جہاں کہیں انجیل پہنچی ہے اُس کے لئے گویا رہائی اور آزادی کا پیغام لیکر گئی ہے۔ اُسکی حضوری میں وہ تمام ملائم اور خوبصورت اوصاف جو اُس کے باطن میں پنہاں ہیں۔ عیاں ہو جاتے ہیں۔ اور اُس کے اثر سے اُس کی خصلت و مزاج میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی واقع ہوتی ہے +

بعض یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یروشلم کی بیٹیوں کا یہ جذبہ کچھ بہت گہرا

نہ تھا۔ اور اس سے انکار کرنا بھی ضروری نہیں۔ اُن کا یہ جذبہ اور یہ آنسو بہانا ایمان و توبہ کا پُرجوش اظہار نہ تھا جس سے عجیب و غریب نتائج اور تبدیلیاں واقع ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ فقط ایک طبعی جوش کا اظہار تھا جو ہر ایک دردناک نظارہ کو دیکھ کر ہو جایا کرتا ہے۔ یہ اُسی قسم کے آنسو تھے جو آج کل بھی مسیح کے دُکھوں اور مصیبتوں کا حال سُنکر نرم دل لوگوں کی آنکھوں سے نکل آیا کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کے جذبات دیرپا نہیں ہوتے۔ ہماری طبیعت و مزاج میں کئی ایک تہیں ہیں اور غالباً اس قسم کے جذبات ان سب کے اُوپر کے حصّوں میں واقع ہیں۔ اس لئے یہی کافی نہیں کہ مذہب ان اُوپر کی تہوں میں کام کرے۔ بلکہ اُسے اُن اُوپر کی تہوں میں سے ہو کر نیچے اُتر جانا چاہئے اور گہری تہوں میں مثلاً ضمیر اور قوّتِ ارادی میں اُتر جانا چاہئے۔ اور اُن پر قبضہ کرکے اپنی آگ کو روشن کرنا چاہئے۔ تب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اب مذہب نے انسان کی کل ہستی پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اُس میں گویا رچ گیا ہے ٭

مگر عورتوں کا مسیح کی بابت اس طور سے رنج و غم ظاہر کرنا محض ایک اتفاقی بات تھی۔ اور اِسی میں اس کی خوبی منحصر ہے۔ اُس کے لئے یہ گویا اُس اعلےٰ اور گہری عقیدت کا جو دُنیا کی عورتیں آئندہ زمانہ میں اُس کی نسبت رکھنے کو تھیں ایک پیش خیمہ تھا۔ اُس مصیبت اور تنہائی کے گڑھے میں وہ اُس کے لئے ایسی ہی خوش آئند ثابت ہوئی ہوگی جیسے صحرائے لق و دق میں گھاس کی ایک پتّی کا نظارہ پیاسے راہگیر کے لئے ہوتا ہے۔ اِس ہمدردی کی آوازوں نے اُسکی رُوح پر ویسا ہی کام کیا ہوگا جیسے مریم کے محبّت آمیز تحفہ نے اُس کے حواس پر کیا تھا۔ جب کہ گھر عطر کی خوشبو سے مہک گیا تھا ٭

اِس طور سے راہِ غم پر یسوع کو اپنی مصیبت اور دُکھ میں دو دفعہ تسلّی و تسکین

نصیب ہوئی۔ ایک آدمی کی قوت بازو سے اُس کے جسم کو صلیب کے بوجھ سے نجات ملی۔ اور عورتوں کی ہمدردی سے اُس کی رُوح کے دُکھ کو تسکین ملی۔ کیا یہ واقعہ اِس امر کی تمثیل کے طور پر نہیں ہے کہ اب بھی مرد و عورت اُس کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ مسیح کو مردوں کی قوت بازو کی ضرورت ہے۔ ہاں ایسے مضبوط اور جفاکش کندھوں کی جو اُس کی خدمت کا بوجھ اُٹھا سکیں اُس کو ایسے ذہنوں اور عقلوں کی ضرورت ہے جو اُس کی بادشاہت کے پھیلانے کے لئے ضروری تجاویز سوچ سکیں۔ اُسے اُن کے مستقل ارادوں کی ضرورت ہے جو باوجود مخالفتوں اور رکاوٹوں کے استقلال کے ساتھ اُس کی سلطنت کی حدود کو پھیلاتے جائیں۔ اُسے ایسے فیاض ہاتھوں کی ضرورت ہے۔ جو کھلے دِل سے اُس کے مقدمہ کی کامیابی اور ترقی کے لئے اپنے مال و دولت کو نثار کر دیں۔ عورتوں سے وہ ہمدردی اور آنسوؤں کا طالب ہے۔ وہ اُس حسن و ملائمت کو دے سکتی ہیں۔ جو دُنیا کے دل کو پتھر ہونے سے محفوظ رکھتی ہے وہ اُن سے اُس خفیہ علم کا طالب ہے جس کے ذریعہ سے عورتیں فوراً دریافت کر لیتی ہیں کہ کون شخص رحم و ہمدردی کا حاجتمند ہے اور اُس کی حاجتوں کو معلوم کر کے اُن کو پُورا کر سکتی ہیں۔ وہ اُس سرگرمی کا خواہاں ہے جو مذہبی کاروبار کے دل میں آگ کی طرح جلتے رہتے ہیں۔ اور اُسے زندہ رکھتی ہے۔ عورت کا اثر بہت ہی پوشیدہ اور دور از کار معلوم ہوتا ہے۔ مگر خاص اِسی وجہ سے وہ نہایت طاقتور ہے۔ کیونکہ وہ انسانی زندگی کے دریاؤں کے منبع پر بیٹھ کر اُن کے بہاؤ کا رُخ قائم کرتی رہتی ہیں۔ جہاں ایک ذرا سی تبدیلی سے اِسکی رَو کا رُخ کہیں سے کہیں بدل جاتا ہے ✦

۲

ہر زمانہ میں یہ دستور رہا ہے کہ جن لوگوں پر سزائے موت کا فتویٰ صادر ہوتا تھا۔ انہیں مرنے سے پہلے یہ اجازت دی جاتی تھی کہ لوگوں سے جو تماشا دیکھنے کو جمع ہوتے تھے۔ جو کچھ چاہیں کہیں۔ اور اس ملک میں بھی جب سزائے موت عام طور پر لوگوں کے سامنے دی جاتی تھی مرتے دم کی سپیچ ساری کارروائی کا لوازمہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اُن زمانوں میں بھی جب کلیسیا پر ظلم و ستم روا رکھا جاتا تھا۔ شہیدوں کو عموماً دار پر چڑھنے سے پہلے لوگوں کے سامنے تقریر کرنے کی اجازت دی جاتی تھی۔ اور اس قسم کی مرتے دم کی شہادتیں جن میں سے اکثر بہت ہی پُرزور اور مؤثر ہوتی تھیں اب تک مذہبی دنیا میں محفوظ چلی آتی ہیں۔ اس لئے یہ کوئی جائے تعجب نہیں کہ یسوع کو بھی اپنے تماشائیوں سے گفتگو کرنے کی اجازت دی گئی۔ یا کم سے کم اُسے اُس سے روکا نہیں گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اُس وقت نہایت ہی ضعیف و درماندہ ہو رہا تھا۔ لیکن جب صلیب کے بوجھ سے اُسے چھٹکارا ملا تو اُس کی کچھ جان میں جان آگئی اور وہ تقریر کرنے کے قابل ہو گیا۔ اس لئے سڑک پر ذرا ٹھہر کر اور پیچھے پھر کر وہ اُن عورتوں سے جن کے رونے چلانے کی آواز اُس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ یوں مخاطب ہوا۔

اُس کے الفاظ سے اوّل تو خود اُس کے مزاج کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم مصلوب ہونے کے زمانہ میں اور موقعوں پر بھی بارہا اس کا ثبوت پاتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح قطعی طور پر دوسروں کے فکر و اندیشہ میں اپنے دکھ اور تکلیف کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اُس کے درد و تکالیف پہلے ہی حد درجہ کی تھیں۔ اُس کی روح بے انصافی

اور لعنت ملامت سے سیر ہو چکی تھی۔ اور عین اس وقت بھی اُس کی بوٹی بوٹی مارے درد کے کانپ رہی تھی۔ اور اُس کا ذہن آنے والی سخت دردوں کے خیال سے تاریک ہو رہا تھا۔ لیکن جب اُس نے اپنے پیچھے یروشلم کی بیٹیوں کی آہوں کی صدا سُنی اُس کی رُوح پر رحمت کی ایک لہر پھر گئی جس کے سبب لمحہ بھر کے لئے اُسے اپنے تمام دُکھ اور تکلیفیں فراموش ہو گئیں ۔

ہم اُس کے کلام میں حُبّ الوطنی کی گہرائی اور جوش بھی دریافت کرتے ہیں۔ جب اُس نے عورتوں کے آنسو بہتے دیکھے۔ تو اس سے اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک اور سماں پھر گیا اور اُسے یاد آیا کہ کس طرح اُس شہر جس کی وہ لڑکیاں ہیں ایک سخت آفت و مصیبت کی تلوار جھوم رہی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے یروشلم نے کبھی بھی اُس کی قبولیت کے لئے اپنے بازو نہیں پھیلائے تھے۔ اُس نے اُس کے ساتھ ماؤں کا سا سلوک نہیں کیا تھا۔ مگر باوجود اس کے اب بھی اُس کے دل میں اُس کی نسبت فرزندانہ محبّت باقی تھی۔ اُس نے اِس سے چند روز پہلے بھی اُس کا ثبوت دیا تھا۔ جب کہ عین فتح اور کامیابی کی گھڑی میں وہ کوہ زیتون کی ایک چوٹی پر جہاں سے سارا شہر بخوبی نظر آتا تھا ٹھہر گیا اور زار زار روتے ہوئے وہ شیریں الفاظ زبان سے فرمائے جو شائد ہی کسی اور شہر کے حق میں سُنے گئے ہونگے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے شاگردوں کے ہمراہ ہیکل کے مقابل بیٹھا تھا۔ تو اُس نے ظاہر کیا کہ وہ اُس آفت سے جو اُس کے وطن کے صدر مقام پر آنے والی ہے کیسی اچھی طرح واقف ہے۔ اور اُس کو یاد کر کے اُس کے دل میں کیسی چوٹ لگتی ہے۔ شہر کی بربادی نزدیک تھی۔ اس بربادی میں پچاس سے بھی تھوڑے سال باقی تھے۔ اور یہ بربادی

ایسی سخت تھی کہ جس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ ایک اور یہودی مؤرخ اس بربادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "دنیا میں شائد ہی کوئی قوم ہوئی ہوگی اور شائد ہی آئندہ ہوگی جس کے مصائب کا یروشلم کے اُن مصائب سے جو محاصرہ کے دنوں میں اُس پر واقع ہوئے۔ مقابلہ کرنا ممکن ہو"۔ اِسی مصیبت کو نبیانہ نگاہ سے دیکھ کر یسوع کے مُنہ سے یہ کلمات نکلے " اے یروشلم کی بیٹیو! میرے لئے مت روؤ۔ بلکہ اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے روؤ" +

علاوہ بریں اُس کے الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے عورتوں اور بچوں کی کس قدر فکر تھی۔ عورتوں کے آنسوؤں سے یہ ظاہر ہوا کہ اُن کے دل میں اُس کی طرف سے محبت و ہمدردی ہے جس سے مرد بے بہرہ تھے۔ اور وہ درحقیقت اُن سے اِس ہمدردی کا مستحق بھی تھا۔ کیونکہ اُس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح وہ عورتوں کے مزاج سے واقف اور اُن کا ہمدرد تھا۔ اور ایسے کامل طور پر کہ اُس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ قوت واہمہ کے زور اور دل کی ہمدردی کی بنا پر اُس نے خوب تحقیق کر لیا کہ کس طرح آنے والے محاصرہ میں مصیبت کا سب سے بھاری بوجھ شہر کی مستورات کے حصہ میں آئیگا۔ اور کس طرح عورتیں اپنے بچوں کی تکالیف کے سبب دُکھ اُٹھائینگی۔ اُس ملک میں جہاں بچے عورت کا تاج اور بزرگی سمجھے جاتے تھے۔ بھوک اور درد کے مارے طبعی جذبات ایسے اُلٹ جائینگے کہ بانجھ ہونا خوش قسمتی خیال کیا جائیگا۔ اور ایسے ملک میں جہاں عمر کی درازی اعلےٰ سے اعلےٰ برکت سمجھی جاتی تھی وہ اس بات کی آرزومند ہونگی۔ کہ کاش ہمیں اچانک اور پیش از وقت موت آجائے +

اور ایسا ہی فی الحقیقت واقع ہؤا۔ مؤرخ کے بیان کے موافق یروشلم کے محاصرے میں ایک بڑی بات یہ تھی کہ اُس میں عورتوں اور بچوّں پر بڑی سخت مصیبتیں نازل ہوئیں۔ جنگ کے دوسرے وسائل کے علاوہ رومیوں نے اُن کو بھوکوں مارنا شروع کیا اور لوگوں کو بھوک کے مارے نہایت سخت تکلیف برداشت کرنی پڑی۔ لوگ اس سے آخر کار ایسے وحشی ہو گئے۔ کہ دوسروں کو کھانا کھاتے دیکھنا ایک مصیبت ہو گیا اور وہ عورتوں اور بچوّں کے مُنہ سے لقمے چھین چھین کر کھانے لگے۔ اِس امر کے متعلّق یوسیفس کے کئی ایک قصّوں کے بیان کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر وہ ایسے دردناک اور دہشت انگیز ہیں کہ اُن کا بیان کرنا ہرگز مناسب نہیں ؞

یسوع کی زود فہم ہمدردی نے یہ سب باتیں محسوس کیں۔ اور اُس کے رحم کا چشمہ اُن کے حق میں جن پر یہ سب کچھ وارد ہونے والا تھا۔ ابل پڑا عورتیں اور بچّے! اگر صفحۂ تاریخ پر نظر کرو تو معلوم ہو گا کہ اُن کی کیسی تحقیر و تذلیل ہوتی رہی۔ اور کیسی بیرحمی سے اُن کے ساتھ سلوک ہوتا رہا ہے اگرچہ ہمیشہ نوع انسان کا سب سے بڑا حصّہ رہے ہیں۔ اُسی کی حمد و تعریف ہو جس نے اُن کو اس ذلت اور بدسلوکی کے گڑھے سے اُٹھایا اور اُٹھا رہا ہے۔ اور جس نے اُن کے حق میں عدل و رحم کو کام میں لانے کی تعلیم دی ہے ؞

پھر ان الفاظ میں جو اُس نے یروشلم کی بیٹیوں سے کہے توبہ و استغفار کی ترغیب و تحریص بھی پائی جاتی ہے۔ جب یسُوع نے فرمایا کہ ”اپنے اور اپنے بچّوں کے لئے روؤ“ تو وہ صرف اُن آنے والی مصیبتوں ہی کا ذکر نہیں کر رہا تھا بلکہ اُن کی گنہگاری کا بھی۔ اور یہ بات خاصکر اُس کی تقریر کے باقی الفاظ سے زیادہ ترعیاں ہوتی ہے۔ ”کیونکہ جب ہرے

درخت کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ تو سوکھے کے ساتھ کیا نہ کیا جائیگا ✦
وہ اپنے کو "ہرا درخت" کہہ سکتا تھا۔ وہ نوجوان اور بیگناہ تھا۔
اور اس امر کی اُن عورتوں کے آنسو بھی شہادت دے رہے تھے۔ کوئی
وجہ نہیں تھی۔ کہ وہ اُسوقت مارا جائے۔ مگر خدا نے یہ سب کچھ اُس پر واقع
ہونے دیا۔ یہودی قوم کو بھی ہرے درخت کی مانند ہونا چاہئے تھا۔ خدا نے
اُسے لگایا تھا۔ اور اُس کی رکھوالی کرتا رہا تھا۔ ہر ایک ضروری چیز اُس
کے لئے مہیا تھی۔ لیکن جب وہ پھل ڈھونڈنے کے لئے آیا تو کچھ نہ پایا۔
وہ کملا رہا تھا۔ نیکی اور راستی کا رس اُس میں بالکل سوکھ گیا تھا۔ اب وہ
بالکل خشک اور جلانے کے قابل تھا۔ اور جب دشمن آگ لگانے کو آئیگا
تو خدا کب اُس کو اس بات سے روکیگا؟ اس طور سے یسوع نے پھر ایک
دفعہ اُنہیں توبہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اُس نے چاہا کہ یروشلم
کے دل میں ان گہری باتوں کا خیال پیدا ہو۔ اُنہوں نے اُس کے
لئے آنسو تو بہائے تھے۔ مگر وہ چاہتا تھا کہ اس سے بڑھکر وہ توبہ کے
آنسو بھی بہائیں۔ کیونکہ مذہبی اُمور میں جب تک ضمیر تک اثر نہیں پہنچ
جاتا تب تک کسی بہتری کی اُمید کرنا لاحاصل ہے ✦

ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا اُن میں سے کسی کے دل پر اُس کے اس
قول نے کچھ اثر پیدا کیا یا نہیں۔ شاید اگر ہؤا بھی ہو۔ تو چند ایک ہی پر
ہؤا ہوگا۔ نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ توبہ کرنے سے یہودی سلطنت کی تباہی
ضرور رُک جاتی۔ بہر صورت حملہ کی آگ اُن خشک پتّوں پر پڑی اور سب
جلکر خاک سیاہ ہوگئے اور اُس زمانہ سے لیکر وہ لوگ جو سزا کا پہاڑ
گرنے سے پہلے اپنے گناہوں پر گریہ وزاری کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

آج تک برابر روتے چلے آتے ہیں۔ جو لوگ آج کل یروشلم کی سیر کو جاتے ہیں اُنہیں ایک مقام دکھایا جاتا ہے۔ جو مقام گریہ وبکا کہلاتا ہے جہاں ہر جمعہ کو اس قوم کے لوگ اپنے شہر اور ہیکل کی بربادی کے لئے گریہ و زاری کرنے کو آتے ہیں۔ اور یہ بات صدیوں سے چلی آئی ہے۔ اور یہ اُس حیرت کے پیالہ کا جو اُن کے لئے لبالب بھر اگیا محض ایک نشان ہے جس سے صدہا سال سے بنی اسرائیل کے ہونٹ آشنا رہے ہیں ؎

گناہ کے لئے رونا ضروری ہے۔ جو سزا کے واقع ہونے سے پہلے نہیں روتا۔ اُسے بعد کو رونا پڑتا ہے۔ جو اِس دنیا میں نہیں روتا۔ وہ آئندہ جہان میں روئیگا۔ اور یہ سبق سب کے لئے ہے۔ اور کیا یسوع کے آخری الفاظ اُن لوگوں کی نسبت جن سے وہ کہے گئے تھے زیادہ گہرے معنی نہیں رکھتے کہ "جب ہرے درخت کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔ تو سُوکھے کے ساتھ کیا نہ کیا جائیگا؟" اگر غم اور جانکنی سے خود ابن اللہ بھی نہ چھوٹا۔ جب وہ دنیا کے گناہوں کو اُٹھا رہا تھا۔ تو اُن لوگوں کا حصّہ کیا ہوگا۔ جو خود اپنے ہی گناہ اُٹھا رہے ہیں ؎

بارھواں باب

کلوری

جو شخص خداوند کی زندگی پر لکھنے بیٹھتا ہے۔ وہ ضرور بہت جگہ قلم کو اپنے ہاتھ سے رکھ کر سوچنے لگتا ہے کہ "یہ تو آسمانوں کے برابر بلند ہے میں کیا کر سکتا ہوں ؟ پاتال سے زیادہ گہری ہے میں کیا جان سکتا ہوں ؟" لیکن ہم اب ایسے نقطہ پر پہنچے ہیں۔ جہاں اس قسم کی ناقابلیت کا خیال بڑے زور کے ساتھ دل میں پیدا ہوتا ہے۔ آج ہم مسیح کو مصلوب ہوتے دیکھنے کو ہیں۔ مگر کون اس لائق ہے کہ اس نظارے کو دیکھنے کے لئے آنکھ اٹھائے ؟ کس میں طاقت ہے کہ اُس کا بیان کرے ؟ "ایسا علم میرے لئے نہائت عجیب ہے۔ یہ تو بلند ہے۔ میں اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔" اس مضمون کے سامنے آدمی اپنے کو ایک چھوٹے سے کیڑے کے برابر سمجھنے لگتا ہے۔ جو سمندر کی تہ میں پڑا ہو۔ اُس کا اُس بھید کے سمجھنے کا دعویدار ہونا ایسا ہے۔ جیسا گھونگے کا اپنی سیپی کے ذریعہ سے سمندر کو خالی کر دینے کی کوشش کرنا +

یہ مقام جہاں ہم اب کھڑے ہیں سب کا مرکز ہے۔ یہاں ازل و ابد کا ملاپ ہے۔ قدیم تاریخ کے نالے یہیں آ کر مل جاتے ہیں۔ اور زمانۂ حال کی تاریخ کا دریا یہیں سے شروع ہوتا ہے +

بزرگوں اور نبیوں کی آنکھیں اسی کلوری کو ڈھونڈتی تھیں۔ اور اب تمام قوموں اور تمام نسلوں کی آنکھیں پیچھے پھر کر اسی پر لگی ہوئی ہیں۔ یہی تمام سڑکوں کا انجام ہے۔ سچائی کا طالب جب علم کی تمام مملکتوں کو کھوج چکتا ہے۔ تو کلوری کے پاس آتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ آخر کار وہ مرکز پر پہنچ گیا۔ آدمی کا تھکا ہارا دل جس نے محبت اور ہمدردی کی تلاش میں ساری دنیا چھان ماری۔ آخر کار یہیں پہنچ کر آرام پاتا ہے۔ خیال تو کرو کہ کس قدر بیشمار روحیں ہر اتوار کو گرجوں اور عبادت خانوں میں جمع ہو کر گلگتا کی یاد کرتی ہیں۔ اور بستر بیماری اور مرگ پر سے کس قدر بیشمار آنکھیں اُسی مقام کی طرف اُٹھتی ہیں۔ "خداوند ہم کس کے پاس جائیں؟ ابدی زندگی کا کلام تو تیرے ہی پاس ہے"۔

اس لئے اگرچہ مضمون ہماری حیثیت سے بلند و بالا ہے۔ تو بھی ہم آگے بڑھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ وہ عقل انسانی سے کہیں اونچا ہے۔ مگر اور کہیں عقل کو اس قدر علو اور شرافت نصیب نہیں ہوتی جس قدر اس مضمون پر غور کرتے ہوئے۔ کلوری پر شاعروں نے اپنے میٹھے سے میٹھے گیت گائے ہیں۔ مصوروں نے اپنی اعلےٰ سے اعلےٰ رؤیا دیکھی ہیں۔ حکماء نے اپنے اعلےٰ سے اعلےٰ تصورات باندھے ہیں۔ گھونگا سمندر کی تہ میں پڑا رہتا ہے۔ اور ایک پانی کا عالم اُس کے اُوپر سے گذرتا رہتا ہے۔ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے سیپیوں میں اس شفاف لہرانے والی چیز کے کالے کوسوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ تو بھی سمندر کا پانی ہی اُس کی سیپی کو بھی بھرتا ہے۔ اور اُس کے چھوٹے سے جسم کو کامل خوشی سے معمور کرتا ہے۔ اور اسی طرح اگرچہ ہم بھی اُس نظارہ کے جس کے سامنے ہم کھڑے ہیں۔ تمام مطالب و معانی کو نہیں سمجھ

سکتے۔تاہم اپنے ذہن اور عقل کو اُس سے لبالب بھر سکتے ہیں۔ اور جب اُس کے ذریعے ہمارے اندر الٰہی زندگی کی تحریکیں پیدا ہوتی ہیں۔ تو ہم خوشی سے اقرار کرتے ہیں کہ اُس کی چوڑائی اور لمبائی اُونچائی اور گہرائی ہماری فہم سے باہر ہے *

۱

وہ طویل سفر جو اُسے گلیوں میں سے ہو کر قتل گاہ تک کرنا پڑا۔ آخرکار اختتام کو پہنچا۔ اور اُس کے ساتھ ہی اُس ایذا رسیدہ کے تکلیف دہ سفر دن کا بھی خاتمہ ہؤا۔ سپاہیوں نے اب آخری کام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن اِسی اثناء میں ایک چھوٹی سی بات وقوع میں آئی۔ جس سے مسیح کے چال چلن پر ایک اَور روشنی پڑتی ہے *

یروشلم کی مالدار خاتونوں میں ایک رسم تھی کہ جن لوگوں پر صلیب کی خوفناک سزا کا فتویٰ صادر ہوتا تھا۔ وہ اُن کے لئے ایک قسم کی شراب جس میں کوئی منشّی چیز مثل پت یا مُر کے ملی ہوتی تھی مہیّا کرتی تھیں۔ تاکہ اُن کے حواس مخبوط ہو جانے سے وہ درد کو محسوس نہ کر سکیں۔ یہ ایک اچھی رسم تھی جس سے اُن کی ہمدردی اور نیک دلی ظاہر ہوتی تھی۔ اور یہ پیالہ سب مجرموں کو بلالحاظ اُن کے جرم کے دیا جاتا تھا۔ یہ پیالہ عین اُس وقت جب کہ میخیں ٹھونکی جانے کو ہوتی تھیں پلایا جاتا تھا۔ جب وہ گلگتا پر پہنچا۔ تو یسوع کو بھی یہ پیالہ دیا گیا۔ وہ مارے تکان کے بیتاب ہو رہا تھا۔ اور پیاس کی شدّت سے جل رہا تھا۔ وہ اس پیالہ کو لیکر بلا تامّل مُنہ کی طرف لے گیا۔ مگر جونہی اُس نے اُس کا مزا چکھا اور بیہوش کرنے والی دوائی کی بُو سُونگھی۔ اُس نے اُسے نیچے رکھ دیا۔ اور پینے سے انکار کر دیا *

یہ بات تو معمولی سی تھی۔ مگر اس میں بڑی دلیری پائی جاتی تھی۔ اُسے اُس وقت ایسی سخت پیاس لگ رہی تھی۔ جب کہ آدمی جو کچھ ملتا ہے۔ بے تحاشا چڑھا جاتا ہے۔ اور وہ اب نہائت سخت ایذا و تکلیف سے دوچار ہو رہا تھا۔ اُس کے بعد کے زمانوں میں اُس کے وفادار شہید جب قتل گاہ کی طرف جاتے تھے۔ خوشی سے اس قسم کی اشیاء کا استعمال کر لیتے تھے۔ مگر اُس نے نہ چاہا کہ مرتے وقت اُس کے ذہنی قویٰ پر بادل چھا جائے۔ اُس کی اطاعت و فرمانبرداری ابھی تکمیل کو نہیں پہنچی تھی۔ اُس کی تجاویز ابھی پورے طور پر انجام نہیں ہوئی تھیں۔ وہ موت کا ذائقہ اچھی طرح چکھنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک عورت کا ذکر سنا ہے جو ایک نہائت دردناک مرض سے مرنے کو تھی۔ کہ جب اُس کے دُکھ اور تکلیف کو دیکھ کر اُس کے عزیزوں نے اُسے صلاح دی کہ وہ کوئی منشی چیز پی لے۔ تو اُس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "نہیں نہیں۔ ہوش میں مرنا چاہتی ہوں"۔ میرے نزدیک اس عورت نے مسیح کے مزاج کو پا لیا تھا +

یہ موقع اس امر کی بحث کے لئے کہ آیا قدرت کی اُن پیداواروں کا جن سے نشہ یا بیہوشی پیدا ہوتی ہے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں۔ کچھ بہت موزون نہیں معلوم ہوتا۔ اس خاصیت والی جڑیں یا رس ہمیشہ سے دنیا کی مختلف قوموں کو خواہ وہ وحشی ہوں یا شائستہ معلوم ہیں۔ اور انسانی زندگی کے معاملات میں ان چیزوں کو بہت کچھ دخل رہا ہے۔ ان کی تاریخ نہائت عجیب و غریب ہے۔ جھوٹے مذاہب کی پُر اسرار مجلسوں میں اُن کا استعمال ہوتا تھا۔ اور غیر اقوام کی نبوّت اور جادوگری کے ساتھ بھی اُن کا بہت کچھ تعلق پایا جاتا ہے۔

حواس کے ذریعہ سے وہ ذہن پر ایسا اثر کرتی ہیں کہ اُس پر عالم اسرار کے دروازہ کھل جاتے ہیں۔ جن کی دہشت و ہیبت سے انسان معمولی حالت میں بالکل بیخبر ہوتا ہے۔ طبیب بھی اُن کا بہت استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور زمانۂ حال میں بھی افیون اور دیگر منشّی اشیاء کی صورت میں اِن کے سبب سے بہت سے سخت اخلاقی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا حل کرنا ضروریات سے سمجھا جاتا ہے ÷

اِس سؤال پر کہ آیا اِس قسم کی اشیاء کو تفریح و نازکی کے لیئے استعمال کرنا چاہیئے۔ یا نہیں۔ ہم اِس وقت بحث کرنا نہیں چاہتے۔ اِس وقت صرف اِس امر پر غور کرینگے کہ آیا ہوش و آگاہی کو کم کرنے کے لئے اُن کا استعمال مناسب ہے یا نہیں۔ ہمارے ہی زمانہ میں ایک انگریز نے کلورافارم کی خاصیّت کو دریافت کرکے بنی انسان پر ایک نہایت ہی بڑا احسان کیا ہے۔ جب کہ اِس طور پر بیہوشی پیدا کرکے سرجن ایک عمل جرّاحی کو کر سکتا ہے۔ جو دوسری صورت میں ناممکن ہوتا۔ یا جب بخار کی آخری نوبت پر خواب آور دوائی کے ذریعہ بیمار کے تھکے ہارے جسم کو بیماری کے مقابلہ کے لئے مدد مل جاتی ہے۔ اور اِس طور اُس کی جان بچ جاتی ہے۔ تو ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ آج کل کے علم و فن کو اِس قسم کے مفید سامان حاصل ہو گئے ہیں ÷

برخلاف اِس کے اِن فوائد کے ساتھ کئی ایک سخت نقصانات بھی ملے ہوئے ہیں۔ لاکھوں مرد و عورت اِن اشیاء کو استعمال کرنے لگ گئے ہیں۔ تاکہ اپنی نسوں کی حِسّ کو کمزور کردیں۔ اور درد و غم کی حالت میں جو خدا نے اِس لئے بھیجے ہیں کہ ہوش و حواس بجا ہونے کی

حالت میں دلیری کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں۔ جیسا کہ یسُوع نے صلیب پر کیا۔ وہ اپنے دماغی قُوا کو دھندلا کر دیتے ہیں۔ طبابت پیشہ لوگوں پر اِس امر کی ذمہ واری کا مدار ہے کہ وہ اُس سامان کو جو خدا نے اُن کے ہاتھوں میں ایک اچھی غرض کے لئے رکھا ہے۔ زندگی کے اُن سنجیدہ اور دردناک موقعوں کے ضائع کرنے میں استعمال نہ کریں۔ یہ بات ایک ابدی سچائی ہے کہ درد و رنج رُوح کی تربیت کے لئے ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی حالتوں میں جو نشہ سے بدمست ہو کر گذر جانا رُوحانی و اخلاقی نشوونما کے نہایت عمدہ موقعوں کو کھو دینا ہے۔ مرد و عورت دُکھ و تکلیف کے وسیلہ سے کامل کئے جاتے ہیں۔ لیکن دُکھ جب ہی اپنا کام کریگا۔ جب اُسے محسوس کیا جائے۔ اِس سے بڑھکر اور کیا بدقسمتی ہوگی کہ خدا کی ضربوں اور صدموں کو سہنے کے لئے آسانی ڈھونڈی جائے۔ مثلاً خدا ہمارے کسی عزیز کو اپنے پاس بُلا لیتا ہے۔ تاکہ اس ذریعہ سے ہمارے گھر کو پاک کرے مگر ممکن ہے کہ خدا کا یہ مقصد پُورا نہ ہو۔ صرف اِس وجہ سے کہ گھر کے لوگ سخت مشغولیت کی حالت میں ہیں۔ یا اس لئے کہ بہت سے لوگ آ جا رہے ہیں۔ یا زبانوں کے شور و غوغا سے جو اپنے نزدیک تسلی اور غمخواری کے کام میں مشغول ہیں۔ خدا کے پیغامبر باہر نکالے جاتے ہیں۔ یہ تو ایک طبعی بات ہے کہ طبیب اور دوست اقربا ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح غمناک کا غم ہلکا ہو جائے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس بارہ میں حد سے بڑھ کر کامیابی حاصل کریں۔ اگرچہ یروشلم کی خاتونوں کا یہ دستور بہت اچھا تھا۔ مگر اُن کے رحمدل ہاتھوں کا یہ تحفہ ہمارے خداوند کو آزمائش کا پیالہ معلوم ہؤا۔ اور اُس نے اُسے اپنے سے پرے ہٹا دیا ✤

۲

اب سب کچھ تیار تھا اور سپاہیوں نے اپنا خوفناک کام شروع کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ صلیب کے تمام دکھوں کو تفصیل وار بیان کر کے خواہ مخواہ اپنے ناظرین کے خیالات اور حسیات کو صدمہ پہنچاؤں۔ اگر میں چاہتا بھی۔ تو ایسا کرنا بالکل آسان ہوتا۔ کیونکہ صلیبی موت ایک نہائت ہی خوفناک قسم کی موت تھی۔ رومی حکیم (کیسرو) جو اس سے خوب واقف تھا لکھتا ہے کہ "یہ سب سزاؤں سے زیادہ بیرحمانہ اور شرمناک سزا تھی"۔ وہ پھر لکھتا ہے کہ "یہ سزا ایک رومی کے جسم پر کبھی نہ دی جائے۔ نہیں بلکہ اُس کے خیال یا آنکھوں یا کانوں کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائے"۔ یہ سزا صرف غلاموں یا باغیوں کو دی جاتی تھی۔ جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ اُن کی موت لوگوں کے لئے خاص کر عبرت کا باعث ہو۔

صلیب کی غالباً وہی شکل تھی جو عموماً بنائی جاتی ہے۔ ایک سیدھی لکڑی جس کی چوٹی کے قریب ایک اور لکڑی اُس پر آڑی لگی ہوتی ہے۔ اس کے سوا دو اور شکلیں بھی ہوتی تھیں۔ ایک تو انگریزی حرف T کی مانند اور دوسری حرف X کی مانند۔ مگر چونکہ لکھا ہے کہ یسوع کا جرمنامہ اُس کے سر کے اُوپر لگا تھا۔ اِس لئے ضرور ہے کہ اُس کے سر کے اُوپر لکڑی کچھ اُبھری ہوئی ہو۔ ہاتھ غالباً دونو جانب لکڑی سے باندھے گئے ہونگے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بارے بوجھ کے ہاتھ کے زخم بالکل چر جاتے۔ اِسی غرض سے کھڑے ہوئے گھٹنے کے نیچے کی طرف بھی لکڑی کا ایک ٹکڑا جسم کو سہارا دینے کے لئے لگا ہوگا۔ پاؤں یا تو اکٹھے میخوں کے ساتھ اس لکڑی پر جڑے گئے تھے یا علحدہ علحدہ۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا

جسم صلیب کی لکڑی کے کھڑے کئے جانے اور زمین میں گاڑے جانے سے پہلے اُس پر چڑھا گیا تھا یا پیچھے۔ سر لکڑی سے بندھا ہؤا نہ تھا اور اس لئے لٹکنے والا اُن لوگوں کو جو صلیب کے آس پاس کھڑے تھے دیکھ سکتا اور اُن سے بات چیت کر سکتا تھا۔

آج کل جہاں تک ممکن ہو موت کی دردوں کو کم کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اور یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ موت فی الفور واقع ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے جانکنی کی تکلیف زیادہ دیر تک رہے تو اس سے لوگ بہت ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن صلیب کی موت میں سب سے خوفناک بات یہ تھی کہ جان بُوجھ کر اس جانکنی کی حالت کو طول دیا جاتا تھا۔ آدمی عموماً دن بھر جیتا لٹکا رہتا تھا۔ اور بعض وقت دو دو تین تین دن تک اُس کے ہوش وحواس بجا رہتے تھے۔ اور اس اثنا میں ہاتھوں اور پاؤں کے زخموں کی جلن۔ لٹکتے جسم کی بےچینی وبیقراری۔ نسوں کا پھول جانا۔ اور سب سے بڑھ کر ناقابل برداشت پیاس کی شدت دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ یسوع نے بہت دیر تک تکلیف نہ اُٹھائی۔ تاہم چار یا پانچ گھنٹے لٹکے رہ کر جان دی۔

مگر اب میں اس دردناک اور ہیبت ناک نظارہ کے متعلق تفصیلیں بیان نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ کس حد تک یہ تمام تکلیفیں اُس کی ایذا کے پیالہ کا ضروری حصہ تھیں۔ اُن نبوّتوں سے قطع نظر کر کے جو اُس کے حق میں ہو چکی تھیں کیا یہ امر غیر لازمی تھا کہ وہ کس موت سے مرے؟ کیا اگر وہ پھانسی دیا جاتا یا اس کا سر قلم کیا جاتا تو یہ بھی ایسا ہی کام دے جاتا؟ ہم اس بارہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ فقط اُس وقت جب ہم کو یہ راز معلوم ہو کہ اُس کی رُوح کو کیا تکلیف ہوئی۔ اُس وقت ہم کہہ سکینگے کہ اُس کی

جسمانی موت کے لئے الیسی شرمناک اور دردانگیز قسم کی موت کہاں تک مناسبت رکھتی تھی +

مگر مسیح کی حقیقی تکالیف جسمانی نہیں بلکہ باطنی تھیں۔ اُس کی صورت پر نظر کرنے سے ہمیں کسی اور غم کا سایہ نظر آتا ہے جو ظاہری جلتے ہوئے زخموں اور نہ بجھنے والی پیاس اور تڑپتے ہوئے جسم سے کہیں گہرا تھا۔ یہ اُس ردشدہ محبّت کا رنج تھا۔ یہ اُس دل کی ناامّیدی تھی۔ جو محبّت و رفاقت کی تلاش میں تھا۔ مگر اُس کے عوض اُسے تحقیر و نفرت سے سابقہ پڑتا تھا۔ یہ اُن بدیوں اور بےعزّتیوں کا رنج و غم تھا۔ ہاں یہ وہ ناقابل بیان رنج تھا۔ جو وہ اُن لوگوں کے لئے کھینچ رہا تھا۔ جنہیں وہ بچانا چاہتا تھا۔ مگر وہ نہیں مانتے تھے۔ مگر یہی سب سے گہرا سایہ نہیں تھا۔ اُس وقت نجات دہندہ کے دل میں ایک ایسا گہرا رنج و غم تھا جس کے بیان کرنے کے لئے انسانی زبان میں لفظ نہیں ملتے وہ عالم کے گناہوں کے لئے جان دے رہا تھا۔ اُس نے بنی آدم کا گناہ اپنے اُوپر اُٹھا لیا تھا۔ اور اب وہ اُس آخری جدوجہد میں مشغول تھا۔ تاکہ اُسے دور کرکے نابود کر دے۔ اُس وقت صلیب پر صرف انسان یسوع مسیح کا جسم و تن ہی نہیں لٹک رہا تھا۔ بلکہ اُس کا جسم خفی بھی۔ یعنی وہ جسم جس کا وہ خود سر ہے اور اُس کے لوگ اُس کے اعضاء ہیں۔ اُس جسم میں بھی میخیں گاڑی گئی تھیں اور اُس پر بھی موت نے اپنا انتقام لیا۔ اُس کے لوگ بھی اُس کے ساتھ جسم کی نسبت مر گئے۔ تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں +

یہ ایک راز ہے۔ مگر یہی بات اُس نظارہ کی عظمت بھی ظاہر کرتی ہے جب تک کہ وہ اُس پر نہیں لٹکا تھا۔ صلیب غلامی اور شرارت کا نشان سمجھی جاتی تھی۔ مگر اُس نے اُسے بہادری ۔ خود انکاری اور نجات کے نشان

میں بدل ڈالا۔ یہ محض لکڑی کی خون آلود بلیوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ جسے چھونا بھی شرم کی بات سمجھی جاتی تھی۔ مگر اُس وقت سے ایک دنیا اُس پر فخر کرتی رہی ہے۔ وہ ہر طرح کی خوب صورتی کے ساتھ ہر بیش قیمت چیز پر کھودی جاتی ہے۔ وہ قوموں کے جھنڈوں پر نظر آتی ہے۔ اور بادشاہوں کے تاجوں اور عصائے سلطنت پر منقش دیکھی جاتی ہے۔ جو صلیب گلگتا پر نصب کی گئی تھی وہ تو ایک معمولی خشک لکڑی تھی۔ مگر دیکھو وہ عصائے ہارون کی طرح پھوٹ نکلی ہے۔ اُس نے اپنی جڑیں دنیا کے دل کے اندر گہری جما دی ہیں اور اپنی ٹہنیاں اُوپر آسمان کی طرف پھیلا دی ہیں۔ یہاں تک کہ آج سارے تختۂ زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور قومیں اُس کے سایہ میں آرام کرتی اور اُس کے پُر مزہ میووں کو کھاتی ہیں +

۳

آخر کار یہ خوفناک تیاریاں ختم ہو گئیں۔ اور نجات دہندہ کو یہودیوں کی نفرت بھری آنکھوں کے سامنے جو شکاری کُتوں کی طرح اُس کے پیچھے لگے ہوئے تھے بلند کر دیا گیا۔ لیکن جب کاہنوں۔ فریسیوں اور عوام النّاس نے اپنی کامیابی سے بھری ہوئی نظروں کے ساتھ اُس پر نظر کی۔ تو اُن کے دل سرنگوں ہو گئے۔ کیونکہ اُس مظلوم کے عین سر پر اُنکو کچھ نظر آیا جس سے اُن کے دل پاش پاش ہو گئے +

آلۂ قتل کے ساتھ مجرم کے جرائم کا حال لکھکر چسپاں کرنے کا اکثر ملکوں میں آج کل بھی رواج پایا جاتا ہے۔ پادری گلمور صاحب کی سوانح عمری میں جو عرصہ تک منگولیا میں مشنری رہے تھے۔ چین میں کسی مجرم کو سزائے قتل دئے جانے کا ذکر درج ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اُس گاڑی پر جسمیں اُس

کو قتل گاہ کی طرف لے گئے ایک تختی لگی تھی جس پر اُس کی ساری بداعمالیوں کا ذکر درج تھا۔ رومیوں میں بھی یہی رسم تھی۔ اور عموماً ایک افسر آگے آگے جایا کرتا تھا اور مجرم کے جرائم کا اعلان کرتا جاتا تھا۔ اناجیل میں اس قسم کے کسی افسر کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ اور نہ وہ کتبہ بھی پیشتر اِس کے کہ صلیب پر نصب کیا ہؤا دکھائی دیا کسی نے دیکھا تھا۔ یہ صلیب کی سیدھی لکڑی کی چوٹی پر لگا تھا۔ اور پیلاطُس نے اِس طور سے یہودیوں سے اُس سارے دُکھ درنج کا انتقام لیا تھا جو اُن کے ہاتھوں سے اُسے پہنچا تھا۔ وہ غصہ کی حالت میں اُن سے جُدا ہؤا تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے اُسے خوب ذلیل کیا تھا۔ مگر اُس نے اُن کے پیچھے پیچھے ایک ایسی چیز بھیجی جس نے اس کامیابی کے گھڑی میں بھی اُن کے خوشی کے پیالے میں زہر کے قطروں کا کام دیا۔ جب کہ وہ اُس کی کرسئ عدالت کے سامنے کھڑے تھے تو اُس کی آخری چوٹ جو اُس نے اُن پر کی یہ تھی کہ اُس نے دکھاوے کے طور پر یہ ظاہر کیا کہ وہ درحقیقت یسُوع کو اُن کا بادشاہ سمجھتا ہے۔ اِسی ضرب کو اب اُس نے اور بھی زور سے لگایا اور کتبہ پر یہ الفاظ لکھ دئے۔ "یہ یسُوع یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔ دوسرے لفظوں میں یہ جتانا مقصود ہے کہ "جو یہودیوں کا بادشاہ ہو اُس کا یہ حال ہوگا۔ رُومی اُس کے ساتھ یہ سلوک کرینگے۔ اِس قوم کا بادشاہ ایک غلام اور مصلوب مجرم ہے۔ اور جب کہ بادشاہ کا یہ حال ہے۔ تو جس قوم کا وہ بادشاہ ہے اُس کا کیا حال ہوگا؟"

یہ دیکھ کر یہودیوں کو ایسا غصہ آیا کہ اُنہوں نے فی الفور گورنر کے پاس کچھ لوگ بھیج کر اُس کی منت کی کہ ان الفاظ کو بدل دے۔

بلاشبہ وہ اُنہیں دیکھ کر بہت ہی خوش ہؤا ہوگا۔کیونکہ اُن کے آنے سے اُس پر ثابت ہوگیا کہ اُس کے الفاظ نے کیسا گہرا زخم لگایا ہے۔ مگر اُن کی عرض کو سُن کر اُس نے فقط ہنس دیا۔ اور بڑی تمکنت اور اقتدار کے لہجہ میں جو رومی حاکموں ہی کا حصّہ تھا۔ یہ کہہ کر انہیں ہنکا دیا کہ "جو کچھ میں لکھ چکا سو لکھ چکا" ۔

اِس وقت تو اُس کا یہ رویّہ آزادی اور خصلت کی مضبوطی کا اظہار معلوم ہوتا تھا۔ مگر دراصل یہ اُس کی کمزوری کے چھپانے کے لئے بطور ایک پردہ کے تھا۔ اُس نے کتبہ کی بابت تو اپنی مرضی کو پورا کر لیا۔ جو ایک ادنےٰ سی بات تھی۔ مگر وہ اُس کے ہاتھوں صلیب کا حکم لکھوانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ وہ اُنہیں چڑانے یا کھجانے میں تو مضبوط تھا مگر اُس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اُن کی مرضی کو ردّ کر سکتا ۔

لیکن اگرچہ پیلاطس کے ذہن میں یہ کتبہ محض ایک تمسخر تھا۔ جو اُس نے یہودیوں سے انتقام لینے کے لئے لکھا تھا۔ مگر اس سے بھی الٰہی منشا پُورا ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ "میں نے جو کچھ لکھ دیا سو لکھ دیا"۔ لیکن اگر وہ اصل حقیقت سے واقف ہوتا تو وہ یُوں کہتا کہ "جو کچھ میں نے لکھا ہے سو خدا نے لکھا ہے"۔ بعض اوقات میں اور بعض مقامات میں ساری فضا الٰہی حضوری کی کہربائی قوّت سے ایسی بھر جاتی ہے کہ وہاں کی ہر ایک چیز مصدر و موردِ الہام و وحی ٹھیر جاتی ہے۔ اور یہ بات اس صلیب کے موقع پر بوجہ اولےٰ صادق آتی ہے۔ پیلاطس پہلے ہی انجانے نبیوں کی سی باتیں کر چکا تھا۔ جب اُس نے یسوع کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ "اِس آدمی کو دیکھو"! اور یہ ایسے الفاظ تھے۔ جو برابر صدیوں میں گونجتے

چلے آئے ہیں۔ اور اب زبانی نبوت کرنے کے علاوہ اُس نے گویا تحریری نبوت بھی کی۔ کیونکہ کوئی بالائی قدرت و طاقت اُس کے قلم سے یہ الفاظ لکھوا رہی تھی کہ "یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے"*

یہ امر اس کتبہ کو اور بھی پُرمعنی بنا دیتا ہے کہ یہ تین زبانوں یعنی عبرانی۔ یونانی اور لاطینی میں لکھا تھا۔ پیلاطس کے ایسا کرنے سے یہ غرض تھی کہ اپنے طنزیہ الفاظ میں زور پیدا کر دے۔ اُس کی یہ خواہش تھی۔ کہ تمام اجنبی لوگ جو اُس وقت یروشلم میں عید کے موقع پر آئے تھے اُس کتبہ کو پڑھ سکیں۔ کیونکہ اُن میں سے سب کے سب جو پڑھنے کے قابل تھے۔ ان تینوں زبانوں میں سے ایک نہ ایک سے ضرور واقف ہونگے۔ مگر تقدیر کا منشا اِس بات سے کچھ اور ہی تھا۔ قدیمی دُنیا کی یہی تین بڑی زبانیں تھیں جنہیں گویا ساری زبانوں کا قائم مقام سمجھنا چاہیئے۔ عبرانی وحی و مذہب کی زبان ہے۔ یونانی تہذیب و شائستگی کی۔ لاطینی قانون اور حکومت کی۔ اور مسیح کو ان تینوں زبانوں میں بادشاہ مشہور کیا گیا۔ اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں۔ وہ دین و مذہب کا بادشاہ ہے کیونکہ وہ نجات۔ تقدس اور محبت کا شاہزادہ ہے۔ وہ تہذیب و شائستگی کا بھی بادشاہ ہے۔ اور فنون شریفہ۔ موسیقی۔ علم ادب و فلسفہ کے خزانے سب اُسی کی ملکیت ہیں۔ اور سب ایک نہ ایک دن اُسی کے قدموں پر رکھے جائینگے۔ وہ سیاستی دنیا کا بھی حاکم ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ اور بدنی تعلقات۔ تجارت و حرفت۔ غرضیکہ انسان کے تمام کاروبار پر حکمران ہے۔ ہم نے الحقیقت اس وقت سب چیزوں کو اُس کی تحت میں نہیں دیکھتے۔ مگر ہم روز بروز

دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ اُس کے پاؤں کے نیچے آتی چلی جاتی ہیں۔
یسوع کا نام ہر جگہ صفحۂ زمین پر پھیلتا جاتا ہے۔ ہزاروں آدمی اُس نام
کو لینا سیکھتے جاتے ہیں۔ لاکھوں اُس نام کے لئے جان دینے کو تیار ہیں۔
اور یہی پیلاطس کی انجانی نبوّت ہے۔ جو برابر پوری ہوتی چلی جاتی
ہے ❊

تیرھواں باب

صلیب کے گرداگرد کے مجمعے

گذشتہ باب میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح ابن آدم کو اس لعنتی درخت کے ساتھ میخوں سے جڑ دیا گیا۔ یہاں وہ گھنٹوں تک اس بیچارگی اور درماندگی کی حالت میں سب کی نظروں کے سامنے برابر لٹکا رہا۔ وہ سارے وقت برابر ہوش میں تھا۔ اور آخری دم تک برابر اُن لوگوں کی صورتوں کو جو وہاں جمع تھے دیکھ سکتا تھا۔ ہمارے ملک میں بھی جب لوگ عام طور پر پھانسی پر چڑھائے جاتے تھے۔ اِس تماشے کو دیکھنے کے لئے بہت سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ اس وقت یروشلم میں بھی ایسا ہی ہؤا ہوگا۔ جب یسُوع صلیب دیا گیا تو وہ عید فسح کا موقع تھا۔ اور شہر میں بیشمار لوگوں کا جو دور دراز مقامات سے آئے ہوئے تھے بڑا مجمع تھا۔ عوام النّاس کے لئے اس قسم کے موقع بہت غنیمت ہؤا کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ یسُوع کے مُقدمہ نے نہ صرف دارالسّلطنت بلکہ سارے ملک کو ہلا دیا تھا +

جو گروہ اُس وقت اِس نظّارہ کو دیکھنے کے لئے جمع ہوئی تھی۔ اب ہم جانتے ہیں۔ اتنی بڑی نمائش اسی قسم کے موقع پر دنیا بھر میں کبھی اکٹھی نہ ہوئی ہوگی۔ فرشتے اور مقرب فرشتے اِس میں محو ہو رہے تھے۔ کروڑہا مرد و عورت اس وقت بلکہ ہر روز اُس پر نظر کر رہے ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کے دل پر

جنہوں نے اُس روز اُسے ملاحظہ کیا کیا تاثیر ہوئی تھی؟ اِس امر کو معلوم کرنے کے لئے آؤ ہم تین مختلف جماعتوں پر جو صلیب کے قریب کھڑی تھیں نظر کریں۔ جن کے خیالات میں اُن کے اردگرد کے بہت سے لوگ شریک تھے +

ا

پہلے اُس جماعت پر نظر کرو۔ جو صلیب کے بہت ہی قریب کھڑی ہے۔ یہ رومی سپاہی ہیں +

معلوم ہوتا ہے کہ رومی فوج میں یہ قاعدہ تھا کہ جب سپاہی کسی کو سزائے موت دیتے تھے تو مجرم کے کپڑے اور مملوکات ان سپاہیوں کے حصہ میں آتے تھے۔ اگرچہ وہاں بہت سے سپاہی موجود تھے۔ مگر کھنبوں کا کھڑا کرنا۔ ہتھوڑے اور میخوں کا استعمال۔ صلیب کو کھڑا کرنا وغیرہ صرف چار آدمیوں کے ہاتھ سے سرانجام ہؤا ہوگا۔ اِس لئے اُس کے اسباب کے صرف یہی چار سپاہی حقدار تھے۔ اور اب وہ فی الفور اپنے مال غنیمت کو تقسیم کرنے کی فکر میں لگے۔ کیونکہ صلیب دئے جانے کے وقت مجرم کے سب کپڑے اُتار لئے جاتے تھے جو ایک بڑی شرمناک بات تھی۔ ایک لمبا چوڑا جُبّہ جو سب سے اُوپر پہنا جاتا تھا۔ شاید ایک عمامہ ایک کمربند اور نعلین کا ایک جوڑا۔ اور نیز ایک کُرتہ جیسا کہ عموماً گلیل کے دہقان پہنتے تھے۔ جو کاٹ کر سیا ہؤا نہیں۔ بلکہ سراسر ایک ہی ٹکڑا ہوتا تھا۔ اور اُس کی ماں نے اپنی محبّت بھری انگلیوں سے

---

[1] چونکہ بالکل برہنہ کرنا یہودیوں کے نزدیک قابل اعتراض تھا۔ اس لئے اور نیز اور صاحب اس امر پر بحث کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ کوئی نہ کوئی کپڑا ضرور خداوند کے جسم پر چھوڑا گیا ہوگا۔ اگرچہ وہ بھی اس امر کو کامل طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا سکے +

اُس کے لئے بنا ہوگا۔ یہ سب کپڑے سپاہیوں کے حصہ میں آئے ہونگے ۔ یہی یسُوع کی ساری جائداد تھی۔ جو اُس نے پیچھے چھوڑی۔ اور یہ چار سپاہی گویا اُس کے وارث تھے۔ لیکن یہ وہ شخص تھا جس نے ایسا بڑا ورثہ اپنی وصیت میں چھوڑا۔ جس کے برابر آج تک کسی آدمی نے نہ چھوڑا ہوگا۔ ہاں ایسا ورثہ جو گویا سارے عالم پر حاوی تھا۔ البتہ یہ ایک روحانی وراثت تھی۔ یعنی حکمت۔ تاثیر اور عمدہ نمونہ کی وراثت +

سپاہی اپنے خوفناک کام سے فارغ ہو کر صلیب کے نیچے مال غنیمت تقسیم کرنے کو بیٹھ گئے ۔ اس سے نہ صرف اُنہیں کچھ ہاتھ لگا بلکہ مفت میں ایک قسم کا شغل بھی مل گیا۔ کیونکہ دوسری اشیاء کو جس طرح ہو سکا تقسیم کر کے اب اُنہوں نے قمیص پر جسے وہ ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر سکتے تھے چٹھیاں ڈالنی شروع کیں۔ اُن میں سے ایک نے اپنی جیب میں سے پانسہ کا ایک دانہ نکالا۔ کیونکہ جوا کھیلنا رومی سپاہیوں کا عام مشغلہ تھا۔ اور اس طور سے اُنہوں نے اس مشکل کو حل کیا۔ دیکھو۔ وہ کیسے ہنسی ٹھٹھا کرتے اور قہقہے لگا رہے ہیں۔ اور اُن کے پاس ہی مشکل سے ایک گز کے فاصلے پر وہ صورت اُن کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اور کیسی صورت! ابن اللہ دنیا کے گناہوں کا کفارہ دے رہا ہے۔ اور جب کہ فرشتے اور مقدس ارواح آسمانی شہر کی دیواروں پر سے اِس نظارہ کو دیکھ رہے ہیں۔ اُس کے پاک جسم سے صرف ایک گز کے فاصلہ پر سپاہی بے پروائی کے ساتھ اُس کے ناچیز کپڑوں کے ٹکڑوں پر جوا کھیل رہے ہیں۔ ان لوگوں کو حالانکہ اُس سے اس قدر قریب تھے۔ اس عظیم الشان ڈراما کا فقط اسی قدر رُخ

نظر آیا- کیونکہ گہرا اثر کرنے کے لئے جس قدر ایک بڑے عظیم نظارہ کی ضرورت ہے- اُسی قدر دیکھنے والی آنکھ کا ہونا بھی ضرور ہے- ایسے لوگ ہیں جن کی نظر میں یہ زمین نہائت مقدّس ہے- صرف اس لئے کہ یسُوع نے اپنے قدموں سے اُسے چھُوا ہے- آسمان بھی مُقدّس ہے کیونکہ یہ اُس پر شامیانہ کئے تھا- تاریخ مقدّس ہے کیونکہ اُس کا نام اُس کے صفحوں پر ثبت ہے- زندگی کے روزمرّہ کے تمام کاروبار مقدّس ہیں- کیونکہ یہ سب اُس کے نام سے کئے جاتے ہیں- مگر کیا خود مسیحی ممالک میں بھی ایسے اشخاص نہیں پائے جاتے جو اس طور سے زندگی بسر کرتے ہیں- گویا اُن کے نزدیک مسیح کبھی اس دنیا میں نہیں آیا- اور جن کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ اس امر سے کہ یسُوع اس دنیا میں جس میں ہم بودوباش رکھتے ہیں آکر رہا- ہمارے لئے کیا کچھ فرق واقع ہو گیا ہے؟

۲

اب دوسری جماعت پر نظر کرو- جو مذکورہ بالا جماعت سے کہیں زیادہ ہے- اور جس میں صدر مجلس کے ممبر شریک ہیں ٭

اپنی عدالت میں اُس پر فتویٰ لگا کر وہ اُسے گورنر کی عدالت میں لے گئے- اور اُس کی تحقیقات کے ہر درجہ پر اُس کے ہمراہ رہے- اور آخرکار پیلاطس سے اُس کے قتل کا فتویٰ لینے میں کامیاب ہوئے- جب آخرکار وہ جلّادوں کے حوالہ کیا گیا- تو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ اب وہ اس تمام لمبی چوڑی کارروائی عدالت سے ماندہ ہو کر خوشی خوشی اپنے گھر کا راستہ لیتے- مگر اُن کا جوش و غضب اب بھی بھڑک رہا تھا- اور

اُن کے انتقام کی پیاس ایسی سخت تھی کہ وہ سپاہیوں کو اپنا کام کرنے کے لئے اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ بلکہ اپنی عزّت و مرتبہ کو بھول کر وہ عوام النّاس کے ہمراہ قتل گاہ میں جا موجود ہوئے۔ اور مظلوم کے درد و دُکھ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہے۔ جب وہ اُوپر صلیب پر بلند کر دیا گیا تھا۔ تب بھی اُن کی زبانوں کو آرام نہ آیا۔ اور مرتے دم تک اُسے تنہا نہ چھوڑا۔ بلکہ انسانیت اور مناسبت سب کچھ بالائے طاق رکھ کر انہوں نے مُنہ بنانا اور آوازے کسنا شروع کیا۔ عوام النّاس نے بھی طبعی طور پر اُن کی نقل کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ نہ صرف سپاہی بلکہ چور بھی جو اُس کے ساتھ صلیب پر لٹکے ہوئے تھے اس میں شریک ہو گئے۔ اس لئے اُس کی آنکھوں کے سامنے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ ساری جماعت لعنت ملامت کا سمندر رہے۔ جس کی غضب ناک لہریں صلیب کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں ٭

وہ اب سب بڑے بڑے نام جو اُس نے اپنی طرف منسوب کئے تھے۔ یا جن سے لوگ اُسے پکارتے تھے اُسے یاد دلاتے تھے۔ اور اُس کی موجودہ حالت سے اُس کا مقابلہ کرتے تھے۔ "خدا کا بیٹا"۔ "خدا کا برگزیدہ" "اسرائیل کا بادشاہ"۔ "مسیح"۔ "یہودیوں کا بادشاہ"۔ "تو جو ہیکل کو ڈھانے اور تین دن میں بنانے والا ہے"۔ ان ناموں سے پکار پکار کر وہ اُسکا مضحکہ اُڑاتے تھے۔ وہ اُسے للکارتے تھے کہ اب صلیب پر سے اُتر آ تو ہم تجھ پر ایمان لائینگے۔ اس بات کو وہ بار بار دُہراتے تھے کہ اُس نے دوسروں کو بچایا مگر اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ وہ ہمیشہ سے یہ کہتے تھے کہ وہ شیطان کی قدرت سے اپنے معجزے کرتا تھا۔ مگر ان بد رُوحوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنا

نہایت خوفناک بات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے کسی کو اپنی قوت مستعار دیں۔ لیکن آخرکار وہ اُس سے اپنی مُنہ مانگی قیمت طلب کرتے ہیں اور نازک وقت میں وہ اپنے پیرؤں کو چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اُن کے نزدیک یسُوع کے ساتھ بھی ایسا ہی ہؤا۔ اب آخری دم اُس کا جادو کا عصا ٹوٹ گیا۔ اور اُس کی ساری جادوگری کی طاقت زائل ہوگئی +

جب وہ اِس طرح سے اپنے دِل کا زہر اُگل رہے تھے جو مُدت سے اُن کے دلوں میں جمع ہورہا تھا۔ تو اُن کو اس بات کا خیال نہ آیا کہ وہ درحقیقت وہی الفاظ استعمال کررہے ہیں جو زبور ۲۲ میں کسی مظلوم کے مخالف اُس کے حق میں استعمال کرتے ہیں "اُس نے خدا پر بھروسہ کیا۔ وہ اب اُسے چھڑائے۔ اگر وہ اُسے پسند کرتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں" سرد مزاج مؤرخوں نے اِس امر میں شک ظاہر کیا ہے کہ آیا ممکن تھا کہ وہ اس قسم کے الفاظ کہتے اور اُن کا مطلب نہیں سمجھتے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ زمانۂ حال ہی میں ایک بات واقع ہوئی ہے جو بالکل اُسی کے مطابق ہے۔ جب سوئٹزرلینڈ کے مصلحین دین میں سے ایک شخص پوپ کی عدالت کے سامنے جواب دہی کررہا تھا۔ تو صدر عدالت نے ٹھیک اُنہیں الفاظ میں جو قیافا نے صدر مجلس کے ممبروں کو کہے تھے اُسے ٹوکا۔ "اُس نے کُفر بکا۔ ہمیں اَور گواہوں کی کیا ضرورت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" اور اُن سب نے جواب دیا کہ "وہ قتل کے لائق ہے" اور جب تک خود اُس شخص نے اُسے یاد نہ دلایا اُن کو ہرگز معلوم نہ ہؤا کہ وہ انجیل کے فقرات کو نقل کررہے ہیں +

یسُوع اگر چاہتا۔ تو اپنے دشمنوں کی ان باتوں کا جواب دے سکتا

تھا۔ کیونکہ صلیب پر لٹکنے والے کے لئے نہ صرف سُننا اور دیکھنا بلکہ گفتگو کرنا بھی ممکن تھا۔ مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بولا "وہ گالی کھا کر گالی نہ دیتا تھا" جیسے بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے آگے بے زبان ہے۔ اُسی طرح اُس نے اپنا منہ نہ کھولا"۔ مگر اُس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ اِن باتوں کو محسوس نہ کرتا تھا۔ اُن میخوں کی نسبت جو اُس کے جسم میں گڑی ہوئی تھیں۔ یہ عداوت کے تیر زیادہ تیزی کے ساتھ اُس کے دل میں چبھتے تھے۔ دلِ انسان نے اپنی نہائت کمینہ اور تاریک گہرائیاں اُس کی آنکھوں کے عین سامنے کھول کر رکھ دیں۔ اور اُس کی تمام گندگی اُس پر پھینکی گئی +

یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ جب ہر طرف سے اُسے یہ کہا جاتا تھا کہ صلیب پر سے اُتر آ تو کیا یہ بھی اُس کے لئے ایک قسم کی آزمائش تھی؟ یہ کچھ کچھ اُسی قسم کی آزمائش تھی جو اُس کی رسالت کے شروع ہی میں اُسے پیش آئی تھی۔ جب کہ شیطان نے اُسے ہیکل کے کنگورے پر لیجا کر کہا تھا کہ یہاں سے اپنے کو نیچے گرا دے۔ یہی آزمائش مختلف صورتوں میں عمر بھر اُس کے پیچھے لگی رہی۔ اور اب اُس کی عمر کے آخری وقتوں میں پھر اُس پر حملہ کرتی ہے وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اُس کا صبر کمزوری کی علامت ہے۔ اور اُس کی خاموشی سے ثابت ہے کہ وہ اب ہار مان گیا ہے۔ وہ کیوں اُس وقت اپنا جلال سارے آب و تاب سے ظاہر کر کے اُن کا منہ بند نہیں کر دیتا؟ ایسا کرنا اُس کے لئے کیسا آسان تھا لیکن نہیں۔ وہ ہرگز ایسا نہ کر سکتا تھا۔ جب اُنہوں نے یہ کلمات استعمال کئے۔ تو بالکل سچ کہتے تھے کہ "اُس نے اَوروں کو بچایا۔ مگر اپنے کو نہیں بچا سکتا"۔ اگر وہ اپنے کو بچاتا تو نجات دہندہ کب ہوتا؟ لیکن وہ قدرت جس نے اُسے صلیب پر تھام رکھا اُس کی

جو صلیب پر سے اُتر آنے کے لئے ضروری ہوتی کہیں قوی تر تھی - اُسے وہ میخیں جو اُس کے ہاتھوں یا پاؤں میں جڑی تھیں۔ وہاں پکڑے ہوئے نہ تھیں۔ اور نہ وہ رسّیاں جن سے اُس کے بازو بندھے تھے۔ نہ وہ سپاہی جو نیچے کھڑے پہرا دے رہے تھے - ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ غیر مرئی بیڑیوں - ہاں نجات دینے والی محبّت اور الہٰی مشیت کی رسّیوں سے جکڑا ہؤا تھا۔ مگر اس بات کو اُس کے دشمن کب سمجھ سکتے تھے۔ وہ اُسے ایک نہایت ادنیٰ مقیاس سے تول رہے تھے - اُن کے ذہن میں قدرت کا جو خیال جاگزین تھا۔ وہ محض مادّی چیزوں کے متعلق تھا۔ اور جلال اور شان و شوکت اُن کے نزدیک خود غرضی کا نام تھا۔ اُن کے ذہن میں جو نجات دہندہ کا خیال تھا سو یہ تھا کہ وہ اُنہیں غیر قوم کی حکومت سے آزاد کریگا نہ یہ کہ وہ گناہ سے رہائی بخشیگا۔ اور آج کے دن بھی ہم کئی اطراف سے یہی پکار سُنتا ہے کہ "تو صلیب پر سے اُتر آ۔ اور ہم تجھ پر ایمان لائینگے"۔ وہ لوگ جو رُوحانی باتوں میں بہت کم سمجھ رکھتے ہیں۔ اور اپنی نالائقی اور قدوس خدا کی عظمت اور حقوق سے ناواقف ہیں۔ اس قسم کی باتیں کہہ اُٹھتے ہیں۔ وہ گناہ اور سزا۔ کفّارہ اور نجات کے معنوں کو نہیں سمجھتے۔ اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُس کی موت کے گہرے معنوں کو مسیحی مذہب میں سے خارج کر دیا جائے۔ تب وہ اُس پر ایمان لاسکینگے۔ وہ لوگ بھی جو اخلاقی لحاظ سے بُزدل اور دنیا پرست ہیں اسی قسم کی باتیں کہتے ہیں۔ اور وہ بھی ایسے دین کے خواہاں ہیں جس میں صلیب کا نام و نشان نہ ہو۔ اگر مسیحی دین فقط ایک عقائدنامہ ہوتا جسے مان چھوڑتے یا ایک طریق عبادت ہوتا جس کے ادا کرنے میں انسان کی نزاکت و لطافت پسند قوٰاء کو

حظ حاصل ہوتا۔ یا کوئی ایسی پوشیدہ راہ ہوتی۔ جس سے آدمی کسی کے دیکھے بوجھے بغیر چپ چاپ آسمان تک جا پہنچتا۔ تو وہ خوشی سے ایسے دین کو قبول کر لیتے۔ لیکن چونکہ اِس میں مسیح کا اقرار کرنا اور اُس کے لئے ملامت کو سہنا۔ اُس کے حقیر و ذلیل لوگوں سے ملنا جلنا اور اُس کے مقصد کے پھیلانے میں امداد کرنا بھی شامل ہیں۔ اِس لئے وہ اُس سے کچھ غرض و واسطہ رکھنا نہیں چاہتے۔ کوئی شخص جس نے گناہ کی ذِلّت کو محسوس کر کے خاکساری اور فروتنی کے بھید کو معلوم نہیں کر لیا۔ مسیح کی صلیب کی کبھی عزّت و توقیر نہیں کر سکتا +

۳

اب ہم ایک تیسری جماعت کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ جماعت بھی بالکل مختصر سی ہے +

جب مسیح کی آنکھ اُن صورتوں کے سمندر پر۔ جو اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ اور جن پر ہر طرح کی تحقیر و عداوت کے آثار نظر آتے تھے۔ اِدھر اُدھر پڑتی رہی۔ تو کیا اُسے اُن کے درمیان کوئی بھی ایسا نقطہ نظر نہ آیا۔ جس سے اُس کی کچھ تسکین ہوتی؟ ہاں ان تمام کانٹوں میں بھی ایک سوسن تھی۔ اِس جماعت سے الگ باہر کی طرف اُس کے جان پہچانوں اور اُن عورتوں کی۔ جو اُس کے پیچھے پیچھے گلیل سے چل آئی تھیں۔ اور اُس کی خدمت کرتی تھیں۔ ایک چھوٹی سی جماعت کھڑی تھی۔ جہاں تک معلوم ہو سکتا ہے۔ اُن کے قابل عزّت اسما یہ ہیں "مریم مگدلینی۔ مریم یعقوب اور یوسی کی ماں۔ اور زبدی کے بیٹوں کی ماں" +

اُن کے فاصلہ پر کھڑے ہونے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوف کی حالت میں تھیں۔ اپنے کو ایسے شخص کا رفیق ظاہر کرنا جس کے خلاف حُکّام کو اس قدر نفرت اور کینہ ہو۔ ایسے موقع پر خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اور ایسے وقت میں اُن کا الگ تھلگ کھڑے رہنا مناسب بھی تھا۔ جو کچھ ان کو دشمنوں کی طرف سے خوف تھا سو تو تھا۔ اُس کے علاوہ خود اُن کے اپنے دل سخت غم و اندوہ سے بھر رہے تھے۔ ابھی تک وہ پاک نوشتوں کو نہیں سمجھتی تھیں کہ ضرور ہے کہ وہ مُردوں میں سے جی اُٹھے۔ اور سارے معاملہ کو اس طور پر ضائع ہوتے دیکھ کر جس میں اُنہوں نے اپنا سب کچھ اس جہان اور اُس جہان کے لئے دے ڈالا تھا۔ اُن کی حالت دگرگُوں ہو رہی تھی۔ اُنہیں یہ اعتماد تھا کہ یہ وہی ہے۔ جو اسرائیل کو رہائی بخشیگا۔ اور وہ اس رہائی یافتہ قوم پر ہمیشہ کے لئے سلطنت کریگا۔ اور وہی شخص یہاں اُن کی آنکھوں کے سامنے اِس شرم و بیعزّتی کی حالت میں مر رہا تھا اس صورت میں بھلا اُن کے اس یقین و اعتماد کا کیا ٹھکانا تھا۔ یا یُوں کہو کہ جو کچھ اب باقی رہ گیا تھا۔ وہ فقط اُلفت و محبّت تھی۔ جو اُن کو اُس کی ذات سے تھی۔ اگرچہ اُن کے خیالات بالکل مضطرب اور پریشان ہو رہے۔ مگر اُن کے دِل میں اُس کو اب بھی وہی جگہ حاصل تھی۔ وہ اُس کی دلدادہ تھیں۔ اُس کے دُکھ سے اُنہیں دُکھ تھا۔ اور اگر ممکن ہوتا تو وہ اُس کے لئے اپنی جان تک دینے میں دریغ نہ کرتیں ۔

تو کیا ایسا یقین کرنا خلاف عقل ہے کہ یسُوع کی آنکھیں جب تک اُن میں بینائی باقی تھی۔ اُن وحشی سپاہیوں کی طرف سے جو صلیب کے نیچے بیٹھے تھے۔ اور اُن بگڑی ہوئی صورتوں کے سمندر کی طرف سے ہٹ کر

بار بار اُسی جماعت کی طرف پھرتی ہونگی- ایک طرح سے تو اُن پر نظر کرنا دشمنوں کے نفرت انگیز چہروں کی نسبت اُس کے لئے زیادہ درد کا باعث ہوتا ہوگا- کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ہمدردی ایسے شخص کے دل کو جو مخالفوں کے سامنے پتھر بنا رہتا ہے- پاش پاش کردیا کرتی ہے- مگر تو بھی یہ ہمسایانہ ہمدردی اور زنانہ محبت اُس کے لئے نہائت گہری تسلّی اور دلدہی کا باعث ثابت ہوتی ہوگی- اس دُکھ درد کی حالت میں اُسے اس خیال سے بہت کچھ تسکین ملتی ہوگی- کہ اُن تکلیفوں سے کس قدر بیشمار لوگ فائدہ حاصل کرینگے- مگر یہاں اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کے اِس انعام کا بیعانہ موجود تھا- جس میں اُس نے اپنی جان کے دُکھ کا نتیجہ دیکھا اور سیر ہوا-

۴

ان تین جماعتوں میں ہمیں مختلف قسم کی ذہنی حالتیں نظر آتی ہیں- سپاہیوں میں نادردی- صدر مجلس والوں میں بیدردی- اور گلیل والوں میں ہمدردی- کیا آپ کے دِل میں بھی کبھی اس قسم کا سؤال پیدا ہؤا ہے کہ اگر ہم وہاں ہوتے تو ان تینوں میں سے کس گروہ میں شامل ہوتے؟ یہ ایک بڑا نازک سؤال ہے- البتہ اس وقت تو یہ بتا دینا بالکل آسان ہے- کہ اُن میں سے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر- گذشتہ زمانہ کے اُولوالعزم لوگوں کو اور جو معاملات اُنمیں پیش آئے- تعریف و تحسین کی نظر سے دیکھنا آسان ہے- مگر اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ ہم ان باتوں کو تو پسند کریں- مگر خود ہمارے زمانہ میں جو اُسی قسم کے اُمور واقع ہو رہے ہیں- اُن کی طرف سے بالکل بے پروا یا اُن کے مخالف ہوں- وہ رومی سپاہی بھی جو صلیب کے نیچے بیٹھے تھے ضرور رومُلس (بانئ روم) یا بروٹس قاتل جولیس قیصر کے ازحد ثناخواں ہونگے

لیکن اُس شخص کے لیئے جو بالکل اُن کے پاس تھا۔ اور ان سب سے بڑا تھا۔ اُن کے دل میں کچھ بھی کشش نہ تھی۔ یہودی جو مسیح کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ موسےٰ اور سموئیل اور یشعیاہ کے بڑے مدّاح تھے۔ مسیح اب بھی اپنی صلیب اُٹھائے ہوئے دنیا کی گلی کوچوں میں سے گذر رہا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں کے سامنے لٹکا ہؤا اُن کی حقارت اور بدسلوکی برداشت کر رہا ہے۔ اِس لیئے یہ ممکن ہے کہ ہم بائبل کے مسیح کے تو مدّاح و ثنا خواں ہوں۔ لیکن اپنی صدی کے مسیح کے مخالف اور دکھ دینے والے ہوں۔ اس صدی کے مسیح سے مُراد ہے مسیح کی سچائی۔ اُس کے اصول اور اُس کا معاملہ اور وہ مرد و عورت جن میں یہ باتیں مجسّم ہو رہی ہیں۔ ہم یا تو اُن تحریکوں کی جن پر مسیح کا دل لگا ہؤا تھا۔ مدد کر رہے ہیں۔ یا اُنہیں روک رہے ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اِس امر کو جاننے کے بغیر ایک ایک جانب اپنے لیئے چُن لیتے ہیں۔ اور وہ برابر تجاویز کو عمل میں لانے یا گفتگو کرنے یا اُن پر عمل کرتے ہیں جو یا تو مسیح کی طرفداری میں ہوتی ہیں۔ یا اُسکی مخالفت میں۔ یہی ہمارے زمانہ میں مسیح کا دُکھ اُٹھانا ہے۔ اور یہی ہمارے شہر کا گلگتھا ہے؂

مگر وہ اس سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے۔ زندہ مسیح بذات خاص اس وقت بھی اس دنیا میں ہے۔ وہ ہر ایک دروازہ پر آتا ہے۔ اُس کی رُوح ہر ایک آدمی کی رُوح کے ساتھ کشمکش کرتی ہے۔ اور اب بھی اُس کے ساتھ اُنہیں تین اقسام کا سلوک ہوتا ہے۔ یعنی نادردی۔ بے دردی یا ہمدردی کا۔ جیسے کہ مقناطیس۔ جب ایک ڈھیر پر سے گذرتا ہے تو اُن اشیاء کو جو اُس کی کشش کو قبول کرتی ہیں۔ حرکت دیتا اور اپنی

طرف کھینچ لیتا ہے۔ اِسی طرح یہ نجات بخش محبت جو مسیح میں ظاہر ہوئی ہے ہر صدی میں بنی آدم کی سطح پر سے گذرتی رہتی ہے اور انسانی دلوں کو اُن کی تہوں تک حرکت دینے اور اُن کی اندر خدا کی حمد اور نیکی کی خواہش پیدا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اور وہ خود بخود اُس کی طرف کھنچے جاکر اُس سے پیوستہ ہو جاتے ہیں۔ اِسی کھنچے جانے کا نام ایمان یا محبّت یا رُوحانیّت یا جو چاہو رکھ لو۔ لیکن یہی ابدیّت کا مقیاس اور کسوٹی ہے کیونکہ یہی مرد و عورت کو دوسروں میں سے چُن لیتا۔ اور اُنہیں ہمیشہ کے لئے خدا کی حیات اور محبّت کے ساتھ متحد کرتا جاتا ہے ۞

مسیح کا پہلا کلمہ صلیب پر سے[۱]

گذشتہ باب میں ہم اس امر پر غور کر چکے ہیں کہ مختلف جماعتوں پر جو صلیب کے پاس کھڑی تھیں مسیح کے مصلوب ہونے سے کیا اثر پیدا ہؤا۔ اُن سپاہیوں پر جنہوں نے اُسے صلیب پر کھینچا کچھ بھی اثر نہ ہؤا۔ وہ اُس نظارہ کی عظمت اور شان کی طرف سے جس میں وہ خود حصّہ لے رہے تھے۔ بالکل اندھے تھے۔ صدر مجلس کے شرکا اور اُن کے دیگر رفیقوں پر ایک عجیب و غریب قسم کا اُلٹا اثر ہؤا۔ نیکی اور رُوحانی حسن و خوب صورتی کے کامل مکاشفہ نے اُلٹا اُن کے دل میں غضب و غصّہ اور مخالفت کی تحریک پیدا کی۔ بلکہ یسُوع کے دوستوں کی جماعت نے بھی جو فاصلہ پر کھڑی تھی اُس نظارہ کی حقیقت کو جو اُن کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ بہت ہی تھوڑا سمجھا۔ اُن کے آقا کا گناہ اور موت اور دنیا پر اس طور پر فتح حاصل کرنا اُن کی نظر میں ایک افسوس ناک شکست سے بڑھ کر نہ تھا۔ اس لئے جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں یہ بالکل سچ ہے کہ جب کوئی عظیم الشّان واقع ظہور میں آ رہا ہو۔ تو اُس کے لئے دیکھنے والی آنکھ کا ہونا بھی نہائت ضروری ہے۔ آئینے میں جو عکس پڑتا ہے۔ اُس کی عمدگی کے لئے نہ صرف

---

[۱] اے باپ انہیں معاف کر دے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں +

ایک چیز کی ضرورت ہے۔ جس کا عکس پڑے۔ بلکہ ساتھ ہی آئینہ کی جلا اور صفائی کا ہونا بھی ایک لازمی امر ہے ✤

مگر ہم چاہتے ہیں کہ اُس نظارہ کو جو کلوری پر واقع ہوا۔ اُس کی اصلی صورت میں ملاحظہ کریں۔ مگر یہ کہاں دکھائی دیگی؟ وہاں ایک دل تھا۔ جس میں اُس کا عکس نہائت صفائی سے پڑ رہا تھا۔ اگر ہم صلیب کے عکس کو خود یسوع مسیح کے دل میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ تو اُس کے حقیقی معنی سمجھنے ممکن ہیں ✤

لیکن ہم اس امر کو کس طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا۔ تو یہ نظارہ اُسے کس طرح دکھائی دیتا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اُن الفاظ و فقرات سے معلوم ہو سکتا ہے جو اُس نے لٹکتے ہوئے اپنے مرنے سے پہلے فرمائے۔ یہ بطور کھڑکیوں کے ہیں جن کے ذریعہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اُس کے خانۂ دل میں اُس وقت کیا گذر رہا تھا۔ یہ تو سچ ہے کہ یہ محض چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ مگر وہ نہائت گہری معانی سے معمور ہیں۔ الفاظ ہمیشہ عکسی تصویروں کا کام دیتے ہیں۔ جو کم و بیش صفائی کے ساتھ اُس شخص کے دل کی حالت کو جس سے وہ نکلتے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں۔ اُس کے الفاظ نہائت سچے اور راست تھے۔ اور اُن پر اُن کے بولنے والے کی تصویر ثبت تھی ✤

یہ کلمات سات ہیں۔ اور اس لئے اگر ہم اُن پر علیحدہ علیحدہ غور و فکر کریں تو ہمارے لئے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ بستر مرگ پر جو الفاظ کہے جاتے ہیں وہ سننے والوں کے لئے ہمیشہ قیمتی اور پُر تاثیر ہوتے ہیں۔ ہمارے والد یا کسی خاص رفیق نے بستر مرگ پر جو الفاظ ہم سے کہے ہوں

ہم اُنہیں کبھی نہیں بھولتے۔ اور مشہور و معروف آدمیوں کے آخری الفاظ بڑی کوشش سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ پاک نوشتوں میں ہم یعقوب۔ یوسف موسےٰ اور دیگر بزرگان کی نسبت پڑھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے بسترِ مرگ پر اپنی معمولی حالت سے بھی بڑھ کر عالی خیالات ظاہر کیئے اور اُن کے الفاظ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا عالم بالا سے آرہے ہیں۔ اور سب قوموں میں مرتے دم کے الفاظ کو ایک قسم کی نبوّت سمجھا جاتا ہے۔ اب یہ مسیح کے مرتے دم کے کلمات ہیں۔ اور جیسے کہ اُس کا تمام کلام اوروں کے مقابلہ میں سونا اور چاندی سمجھا جاتا ہے۔ ویسے ہی یہ کلمات اُس کے دوسرے کلمات کے مقابلے میں لعل و جواہر کا رتبہ رکھتے ہیں ٭

پہلے کلمے میں یہ تین باتیں قابل غور ہیں۔ اوّل خطاب۔ دوم درخواست سوم دلیل ٭

۱

مصلوب آدمی کے لئے صلیب پر سے گفتگو کرنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ مگر اُن کے الفاظ میں عموماً یا تو درد و تکلیف کا اظہار ہوتا تھا یا رہائی کے لئے بیفائدہ التجا و درخواست ہوتی تھی۔ یا وہ خدا پر اور اُن لوگوں پر جنہوں نے اُنہیں اس مصیبت میں ڈالا لعنتیں بھیجتے تھے۔ مگر جونہی یسوع کو اُس بیہوش کر دینے والے صدمہ سے جو اُس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھوکنے سے اُسے ہوا تھا کچھ افاقہ ہوا تو اُس کے پہلے الفاظ ایک دُعا کی صورت میں تھے۔ اور پہلا لفظ جو اُس کی زبان سے نکلا۔ یہ تھا۔ ”اے باپ“ ٭

کیا یہی لفظ اُن لوگوں کے ناواجب سلوک پر جنہوں نے اُسے وہاں لٹکایا تھا۔ ایک قسم کا فتوےٰ نہیں تھا۔ اُنہوں نے یہ ساری کارروائی مذہب اور خدا کے نام سے کی تھی۔ مگر اُن میں سے کون ایسا تھا جس پر مذہب نے ایسی گہری تاثیر کی ہو؟ اُن میں سے کون تھا جو یہ دعوےٰ کر سکے کہ اُسے خدا کے ساتھ ایسی گہری اور دائمی رفاقت حاصل ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ دُعا مانگنا یسوع کے لئے ایسا طبعی امر ہو گیا تھا کہ عادتاً اس وقت بھی اُس کی زبان سے وُہی الفاظ خود بخود نکل پڑے۔ جب کبھی کسی مقدمہ میں خاص کر مذہبی مقدموں میں۔ اگر سزایافتہ آدمی اپنے ججوں کی نسبت بہتر قسم کا آدمی ہو تو اُس مقدمہ کی کارروائی میں خواہ مخواہ شبہ پیدا ہوتا ہے ✤

لفظ "باپ" سے یہ بھی ثابت ہوتا تھا کہ اُس کے ایمان و اعتقاد میں اُن سب باتوں کے سبب جن میں سے وہ گذر رہا تھا اور اُن تمام تکالیف کے باوجود جو وہ اِس وقت بھگت رہا تھا ہرگز جنبش نہ ہوئی تھی۔ جب راستی و صداقت پاؤں کے نیچے کچلی جاتی ہے۔ اور شرارت و ظلم کی فتح ہوتی ہے۔ تو ایماندار کے دل میں خواہ مخواہ یہ سؤال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سچ مچ کوئی پُرمحبت اور دانا خدا ہے جو اس عالم کے تختِ حکومت پر بیٹھا ہے۔ یا برخلاف اِس کے کیا یہ سب عالم محض اتفاق و حوادث کے زیرِ حکومت ہے؟ جب آسودگی دفعتاً بدبختی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور زندگی کی تمام اُمیدیں اور تدبیریں چور چور ہو کر زمین پر گر جاتی ہیں۔ تو خدا کا فرزند بھی خواہ مخواہ الٰہی تقدیر کے خلاف لاتیں مارنا شروع کرتا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ درد اور مایوسی کی حالت میں خدا کی صداقت پر ایسے ایسے الفاظ میں گلہ و شکوہ

کرنے لگے ہیں جن کا دُہرانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن جب یسوع کی حالت نہائت ہی خراب ہو رہی تھی۔ جب گرگ نما آدمی اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ جب وہ درد و ہلاکت کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو رہا تھا۔ تو اُس وقت بھی اُس کی زبان سے یہی نکلا کہ "اے باپ" ٭

یہ ایمان کا گویا اعلےٰ عروج تھا۔ اور ہمیشہ کے لئے ایک مثال و نمونہ ٹھیریگا۔ کیونکہ اِس وقت ایمان کا بڑی عظمت کے ساتھ بول بالا ہؤا۔ اگر کبھی ظاہراً ایسا معلوم ہؤا کہ گویا خالق نے کشتیٔ عالم کے پتوار پر سے اپنا ہاتھ اُٹھالیا ہے۔ اور انسانی کاروبار گھبراہٹ و پریشانی کی طرف بسُرعت جا رہے ہیں۔ تو ایسا خیال کرنا اس وقت برمحل تھا۔ جب کہ وہ شخص جو اخلاقی حُسن و خوبی کا مجسّم نمونہ تھا۔ ایک چور اور بدکردار کی شرمناک موت مر رہا تھا کیا نیکی ظلم و شرارت کے ایسے گہرے گڑھے سے کبھی نکل سکتی ہے ؟ مگر ساری دنیا کی نجات اس میں سے نکلی۔ ہاں صفحۂ تاریخ پر جو بات سب سے زیادہ شریف و نجیب سمجھی جاتی ہے۔ وہ اسی گڑھے میں سے برآمد ہوئی۔ خدا کے فرزندوں کے لئے یہ ایک نہائت عمدہ سبق ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو۔ اُنہیں ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہر طرف تاریکی کیوں نہ چھا جائے۔ سب معاملہ تباہ و برباد ہوتا ہؤا کیوں نہ نظر آئے۔ خدا کے تخت پر بدی کا تسلّط کیوں نہ معلوم ہو۔ تو بھی یقین جانو کہ خدا موجود ہے۔ وہ زمانۂ حال کے فساد و غوغا سے بلند و بالا تخت نشین ہے۔ اور تاریکی کے پیٹ میں سے جانفزا صبح صادق کو ضرور طلوع کریگا ٭

۲

دُعا جو اس خطاب کے بعد نکلی وہ اَور بھی زیادہ عجیب ہے۔ اس

دعا میں وہ اپنے دشمنوں کے لئے معافی کا خواستگار ہؤا +

گذشتہ ابواب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ اپنی گرفتاری کے وقت سے لیکر اُن کے ہاتھوں کس کس ایذا و بدسلوکی کا مورد بنا رہا۔ کس طرح شاگرد پیشہ لوگوں نے اُسے مارا اور اُس کی بے عزّتی کی۔ کس طرح سردار کاہنوں نے اُس کے پھنسانے کے لئے قانون کو توڑ امروڑا۔ کس طرح ہیرودیس نے اُس کی بیحرمتی کی۔ کس طرح پیلاطس اُس کے معاملہ میں پس و پیش کرتا رہا۔ کس طرح عوام الناس اُس پر آوازے کستے رہے۔ جب یکے بعد دیگرے ہم ایک کمینگی و بداطواری کے نیچے دوسری ظاہر ہوتی دیکھتے تھے۔ تو ہمارے دل غصّہ سے بھر جاتے تھے۔ اور ہم بڑی مشکل سے اُن کے حق میں سخت زبانی استعمال کرنے سے اپنی طبیعت کو روکتے ہیں۔ مگر اِن سب باتوں پر یسوع کے مُنہ سے جو کلمہ نکلا وہ یہی تھا کہ ”اے باپ انہیں معاف کر“ +

البتہ وہ اِس سے بہت عرصہ پہلے لوگوں کو یہ تعلیم دے چکا تھا کہ ”اپنے دشمنوں سے محبّت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں اُن کا بھلا کرو جو تم پر لعنت کریں اُن کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری بیعزّتی کریں۔ اور تمہیں ستائیں اُن کے لئے دُعا مانگو“۔ مگر یہ اخلاقی تعلیم جو اُس نے اپنے پہاڑی وعظ میں دی۔ اُس وقت اہل دنیا کے نزدیک ایک دلپسند خواب وخیال سے بڑھ کر رتبہ نہیں رکھتی تھی۔ اور اب بھی لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے مُعلّم گذرے ہیں۔ جو اِسی قسم کی باتیں کہہ گئے ہیں۔ مگر تعلیم دینے اور اُس پر عمل کرنے میں کس قدر بڑا فرق ہے! جب تمہیں کسی مصنّف کے خیالات بہت ہی عمدہ اور شیریں معلوم ہوں تو اکثر

صورتوں میں بہتر ہوگا کہ تم کو اُس شخص کی نسبت اور زیادہ حالات معلوم نہ ہوں۔ کیونکہ اگر تم اُس کی زندگی کے حالات سے واقف ہوگے۔ تو تمہیں نہائت افسوس ہوگا۔ کیا خود ہمارے زمانۂ حال کے علم ادب کے مطالعہ کرنے والے ہمارے انشا پردازوں کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے خائف نہیں ہیں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ جو خوب صورت اور دلفریب خیالات کے سلسلے اُن کی تحریروں میں سے چُن چُن کر جمع کئے گئے ہیں۔ خود اُن کی زندگی کی خرابیوں کے مطالعہ سے بے مزہ نہ معلوم ہونے لگیں؟۔ مگر یسوع جو تعلیم دیتا تھا۔ اُس کے مطابق عمل بھی کرتا تھا۔ سارے بنی آدم میں وہی ایک ایسا مُعلّم ہے۔ جس کے خیال اور فعل میں کامل اتفاق ہے۔ اُسکی تعلیم نہائت ہی عالی اور بلند پایہ ہے۔ ایسی کہ بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اِس دنیا کے لوگوں کے لئے حد سے زیادہ بلند ہے۔ لیکن جب ہم اُس کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ تو وہ تعلیم کیسی عملی معلوم ہوتی ہے! جب اُس نے صلیب پر سے یہ دُعا مانگی کہ "اے باپ۔ انہیں معاف کر دے"۔ تو اُس نے ثابت کر دیا کہ اُس کا عملدرآمد اِس زمین پر بالکل احاطۂ امکان میں ہے۔

شائد ہم میں سے چند ہی لوگ اِس امر سے واقف ہونگے کہ معاف کرنا کیا ہے۔ ہمارے ساتھ بہت کم کوئی شخص ایسی سخت بدسلوکی کرتا ہے۔ غالباً ہم میں سے کئی ایسے ہونگے۔ جن کا دنیا بھر میں ایک بھی دشمن نہ ہو۔ مگر جن کے دشمن ہیں۔ وُہی خوب جانتے ہیں کہ اُن کو معاف کرنا کیسا سخت مشکل ہے۔ شائد اُن کے نزدیک اِس سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نہ ہوگی۔ طبعی طور پر دلِ انسان کو انتقام لینا نہائت میٹھا معلوم ہوتا ہے

قدیم دنیا کا کم سے کم عمل کے لحاظ سے یہ قانون تھا کہ " اپنے ہمسائے سے محبت رکھو۔ اور اپنے دشمن سے عداوت"۔ عہد عتیق کے مقدس لوگوں کی بابت ہم یہی پڑھتے ہیں کہ وہ اپنے دشمنوں پر جنہوں نے اُنہیں ایذا پہنچائی۔ نہائت سخت الفاظ میں لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر یسُوع بھی اُنہیں لوگوں کے نمونہ پر چلتا۔ اور صلیب پر جب اُس کی زبان میں گویائی کی طاقت آتی۔ تو اپنے آسمانی باپ سے ایسے طور پر گلہ کرتا۔ جس میں اپنے دشمنوں کا ایسے الفاظ میں جن کے وہ مستحق تھے ذکر کرتا۔ تو کون اُس کی اس بات میں نقص نکالنے کا حوصلہ کرتا؟ یہ بھی خدا کے مکاشفہ کے مطابق ٹھیرتا۔ کیونکہ الٰہی ذات میں گناہ کے خلاف غضب کی آگ برابر بھڑک رہی ہے۔ مگر یہ مکاشفہ اُس مکاشفہ کے مقابلہ میں جو اُس نے اب ہمیں دیا ہے۔ کیسا ادنےٰ اور ناچیز ہوتا۔ وہ اپنی زندگی بھر خدا کا مکاشفہ ہمیں دیتا رہا۔ لیکن اب اُس کا وقت تنگ تھا۔ اور اب وہ اُسے۔ جو خدا کا اعلےٰ سے اعلےٰ مکاشفہ تھا۔ ہم پر ظاہر کرنے کو تھا +

اِس کلمہ میں مسیح نے اپنے آپ کو بھی ظاہر کر دیا۔ مگر ساتھ ہی اُس نے اپنے باپ کو بھی ظاہر کیا۔ اُس کی ساری زندگی بھر باپ اُس میں تھا مگر صلیب پر الٰہی زندگی اور خصلت اُس کی انسانی فطرت میں سے ایسی درخشاں ہوئی جیسے آگ جلتی ہوئی جھاڑی میں نمایاں ہوئی تھی۔ اُس نے اِن الفاظ میں کہ " اے باپ انہیں معاف کر"۔ اپنے کو ظاہر کر دیا۔ مگر اِس قول کے کیا معنی تھے؟ یہی کہ خدا محبّت ہے +

۳

مرتے ہوئے مُنجی نے اپنی دُعا و مُناجات کے ساتھ اپنے دشمنوں

کی معافی کے لئے ایک سبب یا وجہ بھی بیان کی۔ "کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں" ✦

اِس فقرہ سے ہم کو الٰہی محبّت کی گہرائیاں اور بھی زیادہ صفائی سے نظر آتی ہیں۔ مظلوم و ایذا رسیدہ لوگ مُقدّمہ کے ایک ہی پہلو کو دیکھا کرتے ہیں جو اُن کے حسب مطلب ہوتا ہے۔ اور وہ فقط اُنہیں واقعات پر نظر کرتے ہیں۔ جن سے اُن کے ایذا دینے والوں کا چال چلن نہائت قابل نفرین معلوم ہو۔ مگر برخلاف اُن کے یسُوع ٹھیک اُس وقت جب کہ اُس کا دُکھ درد نہائت زوروں پر تھا۔ وہ اپنے دُشمنوں کی بد اطواری کے لئے معذرت کر رہا تھا ✦

مگر یہاں یہ سؤال پیدا ہوتا ہے کہ کس حد تک یہ معذرت اُن لوگوں کے حق میں صادق آتی تھی۔ کیا اُن سب کے حق میں یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے تھے؟ کیا یہوداہ نہیں جانتا تھا؟ کیا سردار کاہن نہیں جانتے تھے؟ کیا ہیرودیس نہیں جانتا تھا؟ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن سپاہیوں کے حق میں جنہوں نے اُسے صلیب پر کھینچا۔ یسُوع کے یہ الفاظ کہے گئے تھے۔ کیونکہ یہ اُن کے اِس کام کے سرانجام کرنے کے موقعہ پر جیسا کہ مُقدّس لُوقا کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔ کہے گئے تھے۔ وہ جاہل اور نیم وحشی سپاہی جو محض سرکاری حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ یسُوع کے سارے حملہ آوروں میں سے کم گنہگار تھے۔ شائد ان سے دوسرے درجہ پر پیلاطس تھا۔ اور اِس کے بعد ہیرودیس اور صدر مجلس سے لیکر یہوداہ کی کمینہ کارروائی تک گناہ کے مختلف مدارج تھے۔ مگر مُقدّس پطرس نے اپنی تقریر میں جو اعمال کی کتاب کے شُروع میں درج ہے۔ اس جہالت و

ناواقفی کے عذر میں صدر مجلس والوں تک کو شامل کر لیا۔" اور اے بھائیو! میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ کام نادانی سے کیا۔ اور ایسا ہی تمہارے سرداروں نے بھی"۔ اور کون اس بات کو مانیگا کہ نجات دہندہ کا دل اپنے شاگرد کی نسبت کم وسعت رکھتا تھا؟

ہمیں نہیں چاہیئے کہ الٰہی رحمت کے لئے حدّیں مقرّر کر دیں۔ ہر ایک گنہگار کے حق میں کسی حد تک یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا کرتا ہے اور سچّے تائب کے لئے جب وہ تخت رحمت کے قریب آتا ہے۔ اس امر کا یقین بڑی تسلّی کا باعث ہوتا ہے کہ اُس کا یہ عذر قبول کیا جائیگا۔ تائب پولُوس کو اس سے بڑی تسلّی حاصل ہوئی۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ "مجھ پر رحم ہؤا۔ اس لئے کہ میں نے بے ایمانی کی حالت میں نادانی سے یہ کام کئے تھے"۔ خدا ہماری ساری کمزوریوں اور اندھے پن سے واقف ہے۔ آدمی تو ان باتوں سے قطع نظر نہیں کرینگے اور نہ اُنہیں سمجھنے کی کوشش کرینگے۔ مگر وہ ان سب باتوں کو سمجھ لیگا۔ اگر ہم گناہ کے بعد اپنا سر اُس کی گود میں جا چھپائینگے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اِس مبارک سچائی کو ایک ناتائب شخص اِس قدر اُلٹا دے کہ اُسے اپنے لئے نقصان کا باعث ٹھیرائے۔ یہ فرانسیسی کہاوت بالکل غلطی پر مبنی ہے۔ جو کہتی ہے کہ "سب باتوں کو سمجھ لینا سب باتوں کو معاف کر دینا ہے"۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بیرونی حالات کے پنجہ میں گرفتار ہے اور وہ اپنے افعال کے لئے ذمہ وار نہیں۔ مگر ہمارے خداوند کے ذہن سے اِس قسم کے خیالات کوسوں دور تھے۔ جیسا کہ اُس کے اِس قول سے ظاہر ہے کہ "اُنہیں معاف کر دے"۔ وہ جانتا تھا کہ وہ عفو کے حاجتمند ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے مُجرم تھے۔ فی الحقیقت یہ اُن کی خطرناک

حالت کا علم تھا۔ جس میں وہ بہ سبب اپنے جرم کے گرفتار تھے۔ جن کے سبب وہ اُس وقت اپنے تمام دردو تکلیف کو بھُول گیا۔ اور اپنے کو اُن کے اور اُن کی سزا کے درمیان ڈال دیا۔

یہ سؤال کیا جاتا ہے کہ "کیا یہ دعا قبول ہوئی"؟ کیا اُس کے صلیب دینے والے معاف کیئے گئے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ مغفرت کی دُعا کی قبولیت کے لئے اُن لوگوں کی شمولیت بھی ضروری ہے۔ جن کے حق میں وہ دُعا کی جائے۔ اگر وہ سچّی توبہ کر کے اپنے گناہوں کے لئے خود معافی کے خواستگار نہ ہوں۔ تو خدا کس طرح اُنہیں عفو کر سکتا ہے؟ اِس لئے یسُوع کی دُعا کا یہ مطلب تھا کہ اُنہیں توبہ کی مُہلت دی جائے۔ اور تقدیر الٰہی اور وعظ و نصیحت اُن پر اپنا کام کر کے اُن کی ضمیروں کو جگا دے۔ ایسے بڑے خوف ناک جُرم کی سزا دینے کے لئے جیساکہ ابن اللہ کو مصلوب کرنا ہے۔ خدا اگر چاہتا تو اُسی وقت زمین کو حکم دیتا کہ اپنا مُنہ کھول کر اُنہیں نگل لے۔ مگر اِس قسم کی کوئی بات واقع نہ ہوئی۔ جیساکہ یسُوع نے پیشین گوئی کی تھی یروشلم با حال خستہ وخراب برباد ہو گئی۔ مگر یہ بات بھی اُس کی وفات کے چالیس سال پیچھے واقع ہوئی۔ اور اِس اثناء میں پنتیکوست کے موقع پر رُوح القُدس کا نزول ہؤا۔ رسُولوں نے آسمانی بادشاہت کے قائم ہونے کی مُنادی یروشلم میں کر کے بڑے اصرار سے قوم کو توبہ کی ترغیب و تحریص دی۔ اور اُن کی محنت بھی بیفائدہ نہ گئی۔ کیونکہ ہزاروں لوگ ایمان لائے۔ بلکہ پیشتر اس کے کہ صلیب کا واقع ختم ہؤا۔ دونو چوروں میں سے جو مسیح کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے۔ ایک چور جو پہلے مسیح کو گالیاں دینے میں شریک تھا۔ ایمان لے آیا۔ اور صوبہ دار نے جو صلیب دینے پر متعین تھا۔ اس امر کا اقرار

کیا کہ وہ درحقیقت ابن اللہ ہے۔ جب سب کچھ ختم ہو چکا۔ تو لوگ جو تماشہ دیکھنے کو آئے تھے۔ چھاتی پیٹتے ہوئے اپنے گھر کو واپس گئے۔ اس لئے ہمارے پاس اس امر میں شُبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان معنوں میں بھی اس کی دُعا درحقیقت پایۂ قبول کو پہنچی +

مگر یہ اس قسم کی دُعا تھی جس کی قبولیت دوسرے طور پر ہو سکتی ہے علاوہ اِس امر کے کہ دُعا کے ذریعہ خاص خاص حاجتیں جن کے لئے دُعا کی جاتی ہے۔ پُوری ہوں۔ وہ دُعا کرنے والے کی اپنی رُوح پر بھی ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ یعنی اُسے تسلّی و تسکین بخشتی اور رُوحانی قوّت عطا کرتی ہے۔ اگرچہ بعض غلطی سے یہ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ دُعا سے فقط اسی قدر نفع حاصل ہوتا ہے۔ اور اس طور سے اس امر کے مُنکر ہیں کہ خدا ہماری درخواستوں پر بھی لحاظ کرتا ہے۔ تاہم ہمیں جو یہ یقین کرتے ہیں کہ دُعا سے بہت کچھ کام نکلتا ہے۔ اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ دُعا مانگنے سے کہ اُس کے دُشمن معاف کئے جائیں یسُوع نے غصّہ اور انتقام کی رُوح کو اپنے سے دُور ہٹا دیا۔ جو اُس وقت اُس کے دل میں گھُسی چلی آتی ہو گی اور اپنے رُوح کے اطمینان و چین کو برقرار رکھا۔ خدا سے اُن کی معافی کے لئے دُعا کرنا گویا اپنے دل سے اُنہیں معاف کر دینے کی کوششوں کی تکمیل تھی اور شخص دوسروں کو معاف کرتا ہے۔ وہ ضرور اپنے دل میں ایک قسم کی رہائی اور اطمینان کو محسوس کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک اِس دُعا کی مقبولیّت کسی قدر اِس امر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ زماناً بعد زماناً مظلوم اور ستم رسیدہ آدمی اِسی دُعا کو دُہراتے رہے ہیں۔ سب سے پہلے مُقدّس ستفنس نے جب وہ مرنے کے قریب تھا تو اپنے اُستاد کی

مانند یہی الفاظ کہے کہ "خداوندا یہ گناہ اُن کے حساب میں نہ لکھنا"
اور اُس کے بعد اور سینکڑوں آدمیوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اور
دن بدن یہی دُعا اِس دُنیا میں اُس تلخی کی مقدار کو گھٹاتی جاتی ہے
اور اُس کی جگہ محبّت کی مقدار کو ترقی دیتی جاتی ہے ÷

پندرھواں باب

دوسرا کلمہ صلیب پر سے[1]

یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ کس کا انتظام تھا کہ یسوع کو دو چوروں کے درمیان صلیب پر لٹکایا گیا۔ ممکن ہے کہ یہ پیلاطس کا حکم تھا۔ جو اس طور سے اُس تضحیک وتحقیر کو بڑھانا چاہتا تھا۔ جو کتبہ کی طرز تحریر سے جو صلیب پر لکھا گیا تھا۔ اُس کا مقصود معلوم ہوتا ہے۔ یا شائد اس امر کے ذمّہ دار یہودی حُکّام تھے۔ جو گلگتھا تک برابر ہمراہ چلے آئے تھے۔ اور اُنہوں نے سپاہیوں کو کہہ کہا کر اُسے زیادہ ذلیل کرنے کی غرض سے اِس طور پر صلیب دینے کی ترغیب دی ہوگی۔ یا سپاہیوں نے خود بخود ایسا کر دیا ہو۔ صرف اِس خیال سے کہ وہ تینوں قیدیوں میں سے زیادہ قابلِ لحاظ معلوم ہوتا تھا +

اغلب یہ ہے کہ اِس میں کسی نہ کسی کی شرارت ضرور تھی۔ مگر انسان کے غضب کے عقب میں ایک الٰہی مقصد تھا۔ خداوند کی زمینی زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں بار بار یہ امر سامنے آتا ہے کہ کس طرح ہر ایک لفظ یا کام جو یسوع کو ایذا دینے یا بیعزّت کرنے کے لئے کہا یا کیا گیا۔ بجائے اِس کے ہماری نظروں میں جب ہم پیچھے لوٹ کر دیکھتے ہیں۔ بالکل عزّت وخوبی میں بدلا ہؤا معلوم ہوتا ہے۔ اور

[1] تو آج میرے ساتھ فردوس میں ہوگا +

اُس پر ایک ستارے کی مانند چمکتا ہؤا نظر آتا ہے۔ جیسے کہ آگ کوئلے کے ایک بدنما ڈھیلے کو یا کوڑے کرکٹ کے ڈھیر کو جو اُس میں پھینکا جاتا ہے لیکر ایک بقعۂ نور میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اسی طرح اس وقت مسیح کے اندر کوئی ایسی بات تھی۔ جس سے ہر ایک گالی یا طعنہ جو اُس کی بیعزّتی کے لئے دیا جاتا تھا۔ اُس کے لئے عزّت کا باعث بن جاتا تھا بلکہ اُنہوں نے اُس کے صلیب دئے جانے کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو بھی گہرے معنوں سے بھر دیا۔ کانٹوں کا تاج۔ ارغوانی لباس۔ پیلاطس کا یہ کہنا کہ " دیکھو اس آدمی کو" کتبہ کا مضمون جو صلیب پر لگایا گیا۔ تماشائیوں کے آوازے۔ اور دوسرے اسی قسم کے واقعات جو اُس وقت شرارت و بدی سے پُر نظر آتے تھے۔ اب یہ سب اُس کے عاشقوں کے حافظہ میں قیمتی جواہرات کی طرح محفوظ ہیں ۔

پس اُس کا چوروں کے درمیان لٹکایا جانا۔ آدمی اور خدا دونو کی طرف سے ٹھیرایا ہؤا تھا۔ اور یہی اُس کا صحیح مقام تھا۔ لوگ اس سے بہت عرصہ پہلے اُسے "محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست" پکارا کرتے تھے۔ اور اب اُسے دو چوروں کے درمیان صلیب دیکر اُنہوں نے اِسی خیال کو عملی صورت میں دکھا دیا۔ لیکن جیسے کہ یہ نام جو تمسخر کے طور پر اُس کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ اُس کے لئے ابدی عزّت کا باعث ٹھیرا ہے۔ اسی طرح یہ کام بھی۔ یسوع اِس دُنیا میں آیا تاکہ اپنے کو گنہگاروں کے ساتھ ایک کر دے۔ اُن کا مقدّمہ اُس کا مقدّمہ تھا۔ اور اُس نے اُن کی قسمت کو اپنا بنا لیا۔ اُس نے اُن کے درمیان زندگی بسر کی۔ اور اب یہ مناسب تھا کہ وہ اُنہیں کے

درمیان جان بھی دے - آج کے دن تک وہ اُنہیں کے درمیان ہے - اور اُن دونو چوروں کا جن کے درمیان وہ لٹکا ہؤا تھا - عجیب سلوک اس امر کا نشان دیتا ہے کہ اُس دن سے لیکر آج تک ہر روز کیا ہوتا ہے - بعض گنہگار اُس پر ایمان لاکر نجات پا گئے - مگر اور ہیں جو اُس پر ایمان نہیں لاتے - ایک کیلئے اُس کی انجیل جینے کے لئے زندگی کی بو ہے - دوسرے کے واسطے مرنے کے لئے موت کی بو ہے - اور آخر تک یہی حال رہیگا - اور اُس عظیم الشّان روز کو جب کہ اس دنیا کی ساری تاریخ کا آخری ورق اُلٹا جائیگا - وہ اُس وقت بھی ہمارے درمیان میں ہوگا - اور توبہ کرنے والا اُس کی ایک جانب ہوگا - اور نہ توبہ کرنے والا اُس کی دوسری جانب ؞

لیکن یہ صرف اسی طور پر نہیں تھا کہ الٰہی حکمت نے ان پُر از توہین واقعات کو کہ یسُوع خطا کاروں میں شمار کیا گیا کسی اعلےٰ مقصد کے لئے استعمال کیا - اِس سے اُسے یہ موقع ملا کہ اس آخری وقت میں بھی وہ اپنے دل کی فیّاض حوصلگی اور اپنی رسالت کے اصلی مُدّعا کو ظاہر کر سکے - اور ایک ایسے وقت میں جب کہ وہ اس کا بہت ہی حاجتمند تھا اُس کے لئے ایک ایسا پیالہ مہیّا کر دیا - جو زندگی بھر اُس کے لئے نہائت ہی فرحت بخش تھا - اور یہ پیالہ لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کی خوشی کا پیالہ تھا - جیسے کہ مُسرف بیٹے کی تمثیل مسیح کے سارے وعظ و تعلیم کا لُب لباب ہے - اِسی طرح صلیب پر ایک چور کو نجات بخشنا مسیح کی ساری زندگی کا خلاصہ ہے ؞

۲

معلوم ہوتا ہے کہ صدر مجلس والوں کے نمونہ کی پیروی کر کے دونو چوروں نے اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا تھا - مگر اِس امر میں کئی اشخاص

کو شبہ واقع ہؤا ہے۔ بلکہ بہتوں نے تو اس مشکل کی بنا پر اس امر سے انکار کردیا ہے کہ کس طرح ممکن ہے کہ دفعتاً اس قدر انقلاب واقع ہو۔ اور ایسے چور کا دل ایسے تھوڑے سے وقت میں تبدیل ہو جائے۔ دو انجیل نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ چور اُس کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے اُسے بُرا بھلا کہتے تھے۔ لیکن صرف نحو کے قاعدہ کے موافق اس کی اس طور پر تشریح کرنا بھی جائز ہے کہ اس سے صرف ایک ہی شخص مُراد ہو۔ کیونکہ بعض اوقات ایک کام ایک ساری جماعت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس سے مُراد اُس جماعت کا صرف ایک شخص ہوتا ہے۔ تاہم ظاہری الفاظ سے صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ دونو نے ایسا کیا۔ اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے جو تائب نہ ہؤا۔ اس بات کو چھیڑا ہوگا۔ اور دوسرا بھی اِس میں اُس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ محض اپنی خواہش سے نہیں۔ بلکہ فقط اپنے بدطینت رفیق کے بُرے نمونہ کے سبب۔ غالباً یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ وہ اِس طور سے گناہ کرنے پر راغب ہؤا۔ شائد اُس کا رفیق ہی اُس کا بگاڑنے والا تھا۔ جس نے اُسے تباہ و برباد کر کے اس نوبت کو پہنچایا تھا ؛

مگر اِس سے بڑھ کر شرارت اور بد معاشی کی حد کیا ہوگی کہ ایک آدمی مرتے وقت بھی اپنی آخری گھڑیوں کو اپنے ہمراہی مرنے والے کے حق میں بُری بھلی باتیں کہنے میں صرف کرے۔ البتہ یہ تو ظاہر ہے کہ درد کی سختی نے اِن مصلوبوں کو اس امر سے بالکل بے پروا بنا دیا۔ کہ وہ مُنہ سے کیا بکتے ہیں۔ اور اس طور سے کسی کام میں۔ خاصکر جب وہ اس قسم کا درشتی آمیز کام ہو۔ اپنے کو مشغول کرنا گویا کسی حد تک

اُس جانکنی کے عذاب سے خلاصی پانا تھا۔ کچھ پروا نہیں کہ وہ کونسی چیز ہے جس پر حملہ کیا جائے۔ کیونکہ اُن کی حالت حیوانوں کی سی ہو رہی تھی۔ جو سخت درد کی حالت میں جو کچھ سامنے آئے۔ اُسے کاٹ بیٹھتے ہیں۔ اِس غیر تائب چور کی یہی حالت تھی۔ مگر دوسرا چور خوف زدہ ہو کر اپنے ہمراہی کا ساتھ چھوڑ گیا۔ اُس کے گناہ کے حد سے بڑھ جانے نے اُسے اُس کی طرف سے متنفر کر دیا۔ اور شائد اپنی ساری عمر میں پہلی دفعہ اُس نے دیکھ لیا کہ وہ کیسا کمینہ اور کمبخت ہے۔ اور یہ بات یسوع کے تحمّل اور اطمینان طبع کو دیکھکر اور بھی زیادہ اُس پر نمایاں ہو گئی۔ اب تک تو وہ اپنے وحشی دوست کو اپنا نمونہ ٹھیراتا رہا تھا۔ لیکن اب اُس نے دیکھ لیا کہ اُس کی وحشیانہ دلیری مسیح کے پُر اطمینان تحمّل و بُردباری کے مقابلہ میں کیسی ہیچ ہے *

اِس فوری انقلاب و تبدیلی کی معقول وجہ ڈھونڈنے میں لوگوں نے اِس امر کے امکان کو فرض کرنے کی کوشش کی ہے کہ اِس سے پہلے بھی مسیح اور چور میں کئی ملاقاتیں ہوئی ہونگی۔ مگر یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ ہم اُس چال چلن کا مفصّل طور سے ذکر کریں۔ جو صلیب دئے جانے کے وقت سے جب کہ وہ ایک دوسرے سے ملاقی ہوئے۔ اُس چور نے مسیح کے رویہ میں ملاحظہ کیا ہوگا۔ اُس نے اُسے اپنے دشمنوں کے حق میں دُعا کرتے سُنا تھا۔ جب وہ کلوری کی طرف جا رہے تھے۔ تو اُس نے اُن الفاظ کو جو اُس نے یروشلم کی بیٹیوں سے مخاطب ہو کر فرمائے تھے سُنا تھا۔ اُس کے دشمنوں نے صلیب کے پاس کھڑے ہو کر جو باتیں کہیں جب اُن ناموں کو یاد دلا دلا کر جن کا وہ دعویدار تھا۔ یا جو لوگوں نے

اُس کی طرف منسوب کئے تھے۔ وہ اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ انہیں باتوں سے اُسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یسُوع کے دعاوی کیا تھے شائد پیلاطس کے رُوبرو جو ماجرا گذرا۔ اُس نے وہ سب بھی دیکھا ہوگا مگر جب ان معاملات سے بھی پرے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اِس امر کے متعلّق کوئی معتبر شہادت نہیں ملتی۔ کیا اُس نے کبھی یسُوع کی وعظ و نصیحت سنی تھی ؟ کیا اُس نے کبھی اُس کے معجزے دیکھے تھے ؟ بھلا وہ اُس بادشاہت کی ماہیت سے جس کا وہ ذکر کیا کرتا تھا کہاں تک واقف تھا ؟ اِن سوالوں کے جواب میں لوگوں نے بہتیرے خیال کے گھوڑے دوڑائے ہیں۔ مگر اُن کا کوئی بھی ثبوت نہیں ہے۔ مگر میں زیادہ وثوق کے ساتھ اِس سے بھی پرے جانے پر آمادہ ہوں۔ ممکن ہے کہ اُس کے والدین دیندار لوگ تھے۔ اور وہ مسرف بیٹے کی طرح بُری صحبت میں پڑ کر آوارہ ہو گیا تھا۔ شائد یہی آدمی جس کے ساتھ وہ صلیب پر کھینچا ہوا تھا۔ اُس کی خرابی کا ذریعہ تھا۔ جیسے کہ یسُوع کی صلیب کے نیچے ایک ماں رو رہی تھی۔ ممکن ہے کہ اُس کی صلیب کے نیچے بھی ایک ماں کھڑی ہو جس کی دُعائیں ایسے طور پر پایۂ قبولیت کو پہنچیں جن کا اُسے شان و گمان بھی نہ تھا *

فوری انقلاب یا دل کی تبدیلی کے مسئلے پر دو توجانب سے ایسے جوش و خروش سے بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے کہ لوگ اصل واقعات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک معنی میں تو ہمارے درمیان اس قسم کی بات کا واقع ہونا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص اسی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس امر کو محسوس کرے کہ اُس نے ابھی

تک اپنے سارے دل وجان سے اپنے کو خدا کے حوالہ نہیں کر دیا اور دوسرا ورق اُلٹنے سے پہلے اپنے کو خدا کے حوالہ کر دے۔ تو کیا اسے فوری تبدیلی کہنا جائز ہوگا؟ کیونکر نہیں؟ اس لئے کہ اس قسم کی تبدیلی اُس کے دل میں سالہا سال سے جاری رہی ہے۔ وہ ساری مذہبی تعلیم جو بچپن سے تمہیں ملتی رہی ہے۔ جو دعائیں تمہارے حق میں مانگی گئی ہیں۔ جو پند و نصیحت تمہیں کی گئی ہیں۔ اور خدا کی رُوح جو تمہارے باطن میں جدوجہد کرتی رہی ہے۔ یہ سب باتیں اسی غرض کو حاصل کرنے کے لئے تھیں۔ اگر تمہاری دلی تبدیلی اسی لمحہ میں واقع ہو۔ تو بھی وہ لمحہ اُس لمبے سلسلہ کا جو سالوں سے تمہارے اندر جاری رہا۔ آخری نقطہ سمجھا جائیگا۔ لیکن ایک دوسرے معنوں میں اُسے فوری یا دفعتاً کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ تمہارے پاس کیا معقول وجہ ہے۔ جس کی بنا پر تم اپنا خدا کی طرف پھرنا ملتوی کر سکتے ہو؟ مذہب میں دو قسم کے تجربات ہوتے ہیں۔ جنہیں ایک دوسرے سے امتیاز کرنا چاہیئے۔ ایک تو دوسروں کے ذریعہ باہر سے ہمارے دل پر مذہبی باتوں کا اثر ہوتا ہے اور یہ اثر تعلیم۔ نمونہ۔ پند و نصیحت۔ اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ دوسری بات خود ہمارے دل میں مذہبی باتوں کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ ہم ان تمام اثرات کی طرف متوجّہ ہو کر اُنہیں اپنا بنا لیتے ہیں۔ اوّل الذکر تجربہ بہت طویل عرصہ لیتا ہے۔ اور بہت آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔ مؤخر الذکر دفعتاً واقع ہونا ممکن ہے۔ اور بعض اوقات ایک نہائت چھوٹی سی بات سے پیدا ہو جاتا ہے ؞

اِس تبدیلی کی عظمت کو گھٹانے کے لئے ایک دوسرا طریق لوگوں

نے یہ اختیار کیا ہے کہ وہ اُس آدمی کے جرم کی بابت سوال کرتے ہیں
جب ہم اُسے چور کے نام سے پُکارتے ہیں۔ تو اس سے ہمارے ذہن میں
ایک ایسے عام شخص کا تصوّر گذرتا ہے۔ جو ایک بہت ہی بدچلن مجرم
ہو۔ لیکن اُن کے نزدیک اس لفظ کا ترجمہ "ڈاکو" کرنا زیادہ مناسب
ہوگا۔ غالباً یہ شخص ابتدا میں صرف ایک پولٹیکل آدمی تھا جو انقلاب سلطنت
کی تحریک کرتا تھا۔ لیکن رُومی قانون کی مخالفت کے سبب اُسے سوسائٹی
کو چھوڑ کر جنگل میں پناہ لینی پڑی۔ جہاں اپنے گذارے کے لئے اُسنے
مجبوراً رہزنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ لیکن اُس ملک میں جس پر ایک بیرونی
حکومت جور و جبر کے ساتھ حکومت کر رہی تھی ایسے لوگ تھے۔ جنہوں نے
عَلم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور اگرچہ وہ شریف مزاج تھے۔ مگر اپنی حالت
سے مجبور ہو کر زبردستی اور لوٹ کھسوٹ کر بیٹھتے تھے۔ اس بات میں بھی
کسی قدر سچّائی ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ تائب چور اور لوگوں سے بڑھ
کر شریر و گنہگار نہ ہو۔ مگر اُس کے اپنے الفاظ جو اُس نے اپنے ہمراہی
کو کہے کہ "ہم تو اپنے کیئے کی سزا بھگت رہے ہیں" بالکل دوسرے امر
کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس کے حافظہ میں ایسے کاموں کی یاد موجود
تھی جس کی وجہ سے وہ اِس بات کا مقرّ تھا کہ موت اُن کی واجبی سزا ہے
قصّہ مختصر اس امر میں شبہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ وہ ایک بڑا
گنہگار تھا۔ اور اُس کے دل میں دفعتاً ایسی بڑی تبدیلی واقع ہو گئی۔
اور اِس لئے اُس کی مثال ہمیشہ بڑے سے بڑے گنہگار کے لئے جب
وہ توبہ کرے حوصلہ افزائی اور تسلّی کا باعث ہو گی۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے
کہ تائب لوگ خدا کے حضور میں آنے سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے

ہیں کہ اُن کے گناہ ایسے بھاری ہیں کہ اُن کی معافی کی اُمید نہیں۔ مگر وہ جو اُنہیں اس امر کی تحریک کر رہے ہیں۔ اُن کے سامنے ایسے شخصوں کی نام جیسے کہ منسّی اور مریم مگدلینی یا جیسے کہ یہ چور ہے۔ پیش کر سکتے ہیں۔ اور یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ الٰہی رحمت جس نے ان کو بخش دیا۔ سب کے لیے کافی ووافی ہے۔ "یسوع مسیح۔ خدا کے بیٹے کا خون سارے گناہ سے پاک کرتا ہے" +

جو لوگ اس عجیب وغریب تبدیلی کے زور کو کم کرنا چاہتے ہیں اُن کے دِل میں یہ خوف ہے کہ مبادا اگر اس بات کو مانا جائے کہ بُرے سے بُرے آدمی میں بھی ایک لمحہ بھر میں جب کہ وہ لب گور ہو اس قسم کی تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ تو لوگ اِس اُمید پر کہ مرتے وقت توبہ کر لینگے۔ اپنی نجات کی طرف سے بے پروا ہو جائینگے۔ یہ خوف تو بجا ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات خدا کی فضل کا ناجائز استعمال کیا گیا ہے۔ مگر یہ ایک دوسری بات ہے۔ جو لوگ اپنے کو اس قسم کی دلائل سے دھوکا دیتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جب چاہیں ایمان اور اُمید کو اپنے دِل میں پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جب کبھی وہ چاہیں گے تمام مذہبی حسنات کو اپنے اندر پیدا کر لینگے۔ لیکن کیا تجربہ اس امر کی تائید کرتا ہے؟ برخلاف اِس کے کیا اس قسم کے موقع شاذونادر نہیں دیکھے جاتے جب کہ مذہب ایک لامذہب آدمی پر سچ مچ کچھ اثر پیدا کرتا ہے؟

اور یہ بھی ہر حالت میں نہیں دیکھا جاتا کہ موت کی قربت ہر ایک آدمی میں مذہبی باتوں کی نسبت فکرمندی پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرا چور اس بات کا عمدہ نمونہ ہے۔ اگرچہ وہ اُس وقت موت سے دوچار

ہو رہا تھا۔ اور یسوع کے اس قدر قریب تھا۔ تو بھی اُس کا دل اور بھی زیادہ سخت ہو گیا۔ اور اُس شخص کا بھی جو جان بوجھ کر رُوح کو بجھا دیتا ہے۔ اِس اُمید پر کہ وہ بسترِ مرگ پر توبہ کر لیگا۔ اغلب ہے کہ یہی حال ہو گا +

مگر اس خیال کے ڈر سے کہ اس سچائی کا ناجائز استعمال ممکن ہے ہم خدا کے فضل کی شہادت کو جو اس واقعہ میں پائی جاتی ہے۔ ہرگز ہاتھ سے نہ دینگے۔ ہمیں اپنے نجات دہندہ کی اس دعوت کو کسی طرح سے محدود نہیں کرنا چاہئے کہ "وہ جو میرے پاس آتا ہے۔ میں اُسے کسی صورت سے نکال نہ دونگا"۔ گنہگار خواہ کیسی ہی دیر سے کیوں نہ آئے۔ اور آنے وقت اُس کے پاس خواہ کتنا ہی تھوڑا وقت کیوں نہ ہو۔ اگر وہ فقط آ ہی جائے۔ تو یقیناً وہ نکال نہیں دیا جائیگا۔ کسی سلسلہ علم الٰہی اور اُس کے معلّموں کی تعلیم کی سچائی کی اس سے بڑھکر اور کوئی کسوٹی نہیں کہ وہ ایک لب مرگ آدمی کے لئے۔ جس کے گناہ معاف نہیں ہوئے۔ کیا پیغام تسلّی رکھتے ہیں؟ اگر نجات جو ایک واعظ لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ محض اخلاقی ترقی کے بتدریج واقع ہونے کی تعلیم کا نام ہے۔ تو وہ ایسے موقع پر کیا کہیگا؟ ہمکو یقین کرنا چاہئے کہ ہماری انجیل اُس شخص کی انجیل نہیں ہے۔ جس نے ایک تائب چور کو بھی تسلی دی۔ جب تک کہ ہم لب گور گنہگار کو بھی ایسی نجات کی خوشخبری نہیں دے سکتے۔ جو فی الفور حاصل ہو جاتی اور کامل خوشی و خرّمی عطا کر سکتی ہے +

یہ بات کہ اِس چور میں کس قدر کامل تبدیلی واقع ہو گئی تھی خود اُس کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ مُقدّس پولُس ایک مقام پر مسیحی

دین کو دو باتوں میں بیان کر دیتا ہے۔ خدا کی حضور تائب ہونا۔ اور یسوع مسیح پر ایمان لانا۔ اور یہ دونو باتیں ہیں اس تائب چور کے کلام میں نظر آتی ہیں۔ اُس کی توبہ اُن الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے۔ جو اُس نے اپنے ہمراہی چور سے کہی۔ وہ اُسے کہتا ہے "کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا"؟ اِس میں شبہ نہیں کہ وہ خود بھی خدا کو بُھلا بیٹھا تھا اور گذشتہ عمر میں اُس کا خیال ہرگز پاس نہیں آنے دیا تھا۔ لیکن اب اُسے خدا قریب معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس کے نُور میں اُس نے اپنی گنہگاری کو دیکھ لیا۔ اور اُس نے اس کا اقرار کیا۔ فقط اپنے دل میں پوشیدہ طور پر نہیں بلکہ علانیہ طور پر۔ اس طور سے اُس نے اپنے کو گناہ سے بلکہ اپنے ساتھی سے بھی جو اُس کی گمراہی کا باعث تھا۔ علیحدہ کر دیا۔ جب کہ اُس نے اُس کی مانند توبہ کرنے سے انکار کیا۔ اور ایسی ہی صفائی کے ساتھ اُس کے الفاظ سے اُس کا یسوع مسیح پر ایمان لانا بھی ظاہر ہوتا ہے وہ بالکل سادہ الفاظ ہیں اور اُن سے عجز و انکسار ٹپکتا ہے۔ اُس نے صرف یہ درخواست کی کہ جب مسیح اپنی بادشاہت میں آئے۔ تو اُسے یاد رکھے۔ مگر ان الفاظ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسیح کے جلال و بزرگی کا قائل ہے اور اُس پر کامل اعتماد رکھتا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ قوم کے مذہبی پیشوا یہ سمجھ رہے تھے کہ اُنھوں نے ہمیشہ کے لئے مسیح کے دعووں پر پانی پھیر دیا۔ اور جب کہ خود اُس کے اپنے شاگرد اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اُس وقت یہ بیچارہ لب گور گنہگار اُس پر ایمان لے آیا۔ کالون صاحب لکھتے ہیں کہ اُن آنکھوں کی نظر کیسی صاف ہو گی۔ جو موت میں زندگی کو۔ بربادی میں عظمت کو۔ شرم و بےعزتی میں جلال کو۔

شکست میں فتح کو۔ اور غلامی میں بادشاہی کو دیکھنے پر قادر تھیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ آیا دنیا کے آغاز سے کبھی بھی ایسا ایمان سُننے میں آیا ہے"۔ لوتھر بھی کچھ کم ثناخواں نہیں ہے اور لکھتا ہے کہ "مسیح کے لئے یہ بھی اُسی قسم کی تسکین و تسلّی تھی جیسے کہ فرشتے نے باغ میں دی ہوگی۔ بھلا خدا کس طرح دیکھ سکتا تھا کہ اُس کا بیٹا تابعین سے خالی رہے۔ اور اُس وقت اُس کی کلیسیا گو یا اس آدمی میں زندہ موجود تھی۔ جہاں مُقدّس پطرس کا ایمان زائل ہو گیا۔ وہاں ایک چور کا ایمان شروع ہوا"۔ اور ایک اور صاحب[1] پوچھتے ہیں "کہ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایسی نئی پیدائش ایسے عجیب گہوارے میں واقع ہو؟"

۳

یہ بات قابل غور ہے کہ یسوع نے اُس شخص کو الفاظ کے ذریعہ مومن نہیں بنایا۔ اُس نے ہرگز اُس چور سے ایک لفظ بھی نہیں کہا پیشتر اِس کے کہ وہ خود اُس سے ہم کلام ہوا۔ اُس کی توبہ و پشیمانی مسیح کے بولنے سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی۔ لیکن یہ بھی خود اُسی کا کام تھا مگر اُس نے یہ کس طرح کیا؟ جیسے کہ مُقدّس پطرس نے دیندار عورتوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنے بیدین خاوندوں کے ایمان لانے کا ذریعہ بنیں۔ اور یُوں لکھا تھا کہ "اے بیویو! تم بھی اپنے اپنے شوہروں کے تابع رہو۔ کہ اگر بعض اُن میں سے کلام کو نہ بھی مانتے ہوں۔ تو بھی تمہارے پاکیزہ چال چلن اور خوف کو دیکھ کر بغیر کلام کے اپنی اپنی بیویوں کے چال چلن سے خدا کی طرف کھنچ جائیں"۔ یہ اُس کے صبرو

[1] تھولک صاحب جو جرمنی میں ایک نہائت عالم فاضل شخص گذرے ہیں +

وتحمل" اُس کی بیگناہی اُس کے اطمینان قلب اور اُس کی عالی حوصلگی کے ذریعہ تھا کہ یسُوع اس آدمی کے دل کو تبدیل کرنے میں کامیاب ہؤا۔ اور اس امر میں بھی وہ ہمارے لئے ایک نمونہ چھوڑ گیا ہے کہ ہم بھی اُس کے نقش قدم پر چلیں +

لیکن اُسکے کلام نے بھی جب وہ اُس سے مخاطب ہؤا اس اثر کو اور بھی گہرا کر دیا۔ اُس کے الفاظ تھوڑے سے تھے۔ مگر ان میں سے ہر ایک اُس کے نجات دہندہ ہونے کا ثبوت تھا +

یہ چور تو کسی آنے والے دن کا منتظر تھا۔ جب کہ مسیح اُسکی سفارش کریگا۔ مگر مسیح فرماتا ہے "آج"۔ یہ اس امر کی ثبوت بھی تھی کہ وہ اُسی روز مر جائیگا اور جیسا کہ عموماً مصلوبوں کا حال ہوتا تھا۔ بہت دنوں تک وہاں صلیب پر نہیں لٹکا رہیگا۔ اور یہ بات پوری ہو گئی۔ مگر اس کے علاوہ یہ اس امر کا وعدہ بھی تھا کہ جونہیں موت اُسے اس دنیا میں سے لے کر ابدیت میں داخل کر دیگی۔ مسیح وہاں اُس کے استقبال کو کھڑا ہوگا۔ "آج تو میرے ساتھ ہوگا"۔ آسمان کی ساری خوشی اور شان وشوکت انہیں دو لفظوں میں بھری ہے۔ ہمارے نزدیک آسمان اور کیا ہے۔ اور ہم وہاں اور کس چیز کے خواہشمند ہیں سوائے اس کے کہ وہاں ہم "مسیح کے ساتھ" ہونگے۔ مگر اس کے علاوہ ایک اور لفظ بھی اُس نے کہا۔ یعنی "فردوس میں"۔ بعض کا خیال ہے کہ اس عام لفظ کے استعمال کرنے میں مسیح گویا اُس تائب چور کے خیال کا لحاظ کر رہا تھا۔ کیونکہ عام طور پر جب دوسرے جہان میں کسی خوب صورت اور پُر آرام مقام کا ذکر کرتے ہیں تو اُس کا تصوّر اسی لفظ سے ادا کرتے ہیں۔ کم سے کم اس لفظ کے استعمال سے

جس کے اصلی معنے "باغ یا گلشن" کے ہیں اور جو اُس مقام کی نسبت بولا جاتا تھا۔ جہاں ہمارے پہلے والدین یعنے آدم و حوّا رکھے گئے تھے۔ خود بخود لبِ مرگ آدمی کے خیال میں ایک ایسی جگہ کا تصوّر پیدا کرتا ہے جہاں حُسن و خوبی۔ بیگناہی اور امن کی حکومت ہے اور جہاں وہ گذشتہ غلطیوں اور نقصوں کی غلاظت سے پاک صاف ہو کر ایک نئی مخلوق کی مانند زندگی بسر کرنا شروع کریگا۔ بعض مسیحیوں کا بھی ایسا خیال ہے کہ ایسی رُوح جیسی کہ چور کی تھی کم سے کم شروع شروع میں۔ جو کچھ آئندہ جہان میں ملنے کی اُمید کر سکتی ہے۔ سو پرگیٹوری یعنے عالم اعراف یا برزخ کی آگ ہے۔ جس میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ارواح گناہوں سے صاف کئے جاتے ہیں۔ مگر مسیح کا فضل اس سے کسی مختلف چیز کا وعدہ کرتا ہے۔ اُس کا کام عظیم اور کامل ہے۔ اور اس لئے وہ ہمیں کامل نجات عطا کرتا ہے +

اس دوسرے کلمے سے جو مسیح نے صلیب سے فرمایا خاص طور پر ہمیں نجات دہندہ کی عظمت و جلال کا پتہ ملتا ہے۔ اور اگرچہ وہ صاف صاف نہیں بیان ہؤا۔ تو بھی اس وجہ سے اور بھی بہت دل نشین معلوم ہوتا ہے چور نے اُسوقت اُسے ایسے طور سے مخاطب کیا گویا کہ وہ بادشاہ ہے۔ اور اُس سے اِس طور پر دُعا و التجا کی گویا کہ وہ خدا سے کرتا ہے۔ اور اُس نے کس طور پر اسے جواب دیا؟ کیا اُس نے اُسے یہ کہا کہ "مجھ سے دعا نہ کر۔ میں تو تیرے ہی جیسا انسان ہوں۔ اور میں اُس عالم سے جس میں ہم دونو داخل ہونے کو ہیں۔ ایسا ہی بیخبر ہوں۔ جیسا تو؟" اگر وہ محض انسان ہی ہوتا۔ جیسا کہ بعض لوگ اُسے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو اُسے یقیناً اِس قسم کے الفاظ استعمال کرنا مناسب تھا۔ مگر اُس نے اپنے

فریادی کی اس عقیدت کو قبول کر لیا۔ اور دوسرے عالم کا ایسے طور سے ذکر کیا۔ گویا کہ وہ اُس کا اپنا وطن ہے۔ اور وہ اُس سے خوب واقف ہے۔ اُس نے اُس کو یہ یقین کرنے کا موقعہ دیا کہ اُس عالم میں اُس کو اُسی قدر اختیار و قدرت حاصل ہے۔ جیسے کہ وہ اُس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس بڑے گنہگار نے اپنی جان اور گناہ اور اپنی ابدیّت کا بوجھ مسیح پر رکھ دیا۔ اور مسیح نے اُس کے اِس بوجھ کو بخوشی قبول کر لیا +

سولھواں باب

تیسرا کلمہ صلیب پر سے[1]

ہمارے خداوند کی زندگی شروع سے آخر تک ایک عجیب قسم کا معجون معلوم ہوتی ہے۔ جس میں اعلےٰ سے اعلےٰ اور ادنےٰ سے ادنےٰ باتیں باہم ملی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ جب کہ اُس کے الٰہی مرتبہ کی ایک شعاع اپنی چمک دمک سے ہماری آنکھوں کو چوندھیا دیتی ہے۔ تو ہمیشہ اُس کے ساتھ ہی کوئی ایسی بات بھی واقع ہو جاتی ہے۔ جو ہمیں یاد دلاتی ہے کہ وہ ہماری ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہے۔ اور برعکس اِس کے جب وہ کوئی ایسا کام کرتا ہے۔ جس سے اُس کی انسانی ذات کا خیال ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ ہی کوئی ایسی بات بھی واقع ہو جاتی ہے۔ جس سے ہم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ محض ابن آدم ہی نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی ولادت کے وقت وہ چرنی میں رکھا گیا۔ لیکن باوجود اس کے بیت لحم کے چراگاہوں میں فرشتے اُس کی حمد وثنا کا گیت گا رہے تھے۔ اس سے بہت عرصہ بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کشتی میں سو رہا تھا۔ اور تکان سے ایسا ماندہ ہو رہا تھا کہ ایسے خطرہ کی حالت میں بھی وہ جگانے سے جاگا۔ لیکن جاگتے ہی

---

[1] اے عورت دیکھ تیرا بیٹا ... ... دیکھ تیری ماں +

اُس نے ہوا اور لہروں کو ملامت کی اور فوراً طوفان بالکل تھم گیا - جب اُس نے مارتھا اور مریم کا رنج و غم دیکھا تو لکھا ہے کہ "یسوع رویا" - لیکن اس سے چند ہی منٹ بعد وہ بولا "لعاذر باہر نکل آ" اور وہ قبر سے باہر نکل آیا - اور اُس کی زندگی کے آخری دم تک ایسا ہی ہوتا رہا - اُس کے دوسرے کلمہ پر غور کرتے وقت ہم نے دیکھا کہ اُس نے تائب چور کے لئے فردوس بریں کے در کھول دیئے - آج ہم تیسرے کلمے پر غور کرتے ہیں - جس میں وہ ہم پر ایک عورت کا بیٹا ہونے کی حیثیت میں ظاہر ہوگا - جو مرتے دم اپنی ماں کی جسمانی پرورش کے لئے فکرمند ہو +

ا

یسوع کی آنکھ اُس مخلوط گروہ پر نظر کرتی ہوئی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں آخر اپنی ماں پر آکر ٹھیری - جو صلیب کے نیچے کھڑی تھی - زمانہ وسطی کے ایک عظیم الشان اور پُرزور گیت میں جس کے لئے بڑے بڑے صاحب کمال موسیقی دانوں نے راگ تیار کئے ہیں - اس کی حالت کو نہائت دردناک الفاظ میں بیان کیا ہے +

جب وہ جوانی کے عالم میں اپنے پہلوٹے کو ہیکل میں لائی تو شمعون نے اُسی وقت پیشین گوئی کی تھی کہ تلوار تیری جان میں سے گذر جائیگی شائد وہ خوشی و خُرمی کے ایام میں اکثر اس بات کو یاد کرکے تعجب کرتی ہوگی کہ اس مخفی و پُر اسرار پیشین گوئی کا کیا مطلب ہے - لیکن اب وہ اس کا مطلب سمجھ گئی ہوگی - کیونکہ اب یہ تلوار دار پر وار کرکے اُس کے دِل کو چھید رہی تھی +

ماں کے لئے اپنے بیٹے کو مرتے دیکھنا نہائت ہی سخت صدمہ جانکاہ

ہوتا ہے - وہ طبعاً یہ اُمید کرتی ہے کہ اُسکا بیٹا اُسکا سر گود میں رکھیگا - خاص کر اس صورت میں جب کہ وہ اُس کا اکلوتا اور اُس کی قوت کا فرزند تھا - یسُوع کی عمر اس وقت صرف ۳۳ سال کی تھی - اور اُس کی ماں اُس عمر کو پہنچ گئی تھی - جب کہ مضبوط اور پُرمحبّت فرزند اُس کے بڑھاپے کا سہارا ہوتا ہے *

مگر جس موت وہ مر رہا تھا - وہ اور بھی اِس بستر مرگ کو زیادہ دردناک بنا رہی تھی - ایک مجرم کی موت! بہت سی ماؤں کو اپنے بیٹوں کی موت کی ظاہری صورت سے سخت صدمہ پہنچا ہوگا - مثلاً جب کہ سخت درد کی حالت میں یا ایسے ہی کسی اور دردناک طور پر اُن کے پران نکلیں - مگر مُقدّس مریم کے مقابلہ میں دوسری ماؤں کی تکلیفیں اور دُکھ کیا حقیقت رکھتے تھے ؟ یہاں اُس کا لڑکا سامنے اُس کی آنکھوں کے روبرو لٹک رہا ہے - مگر وہ اُس کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتی - اُس کے زخموں سے خون جاری ہے - مگر وہ اُنہیں پونچھ نہیں سکتی - اُس کا مُنہ سُوکھ رہا ہے - مگر وہ اُسے تر نہیں کر سکتی - ان ہاتھوں سے جو اب صلیب پر پھیلے ہوئے ہیں - وہ اپنی ماں سے بغلگیر ہؤا کرتا تھا وہ اِن ہاتھوں اور پاؤں کو ناز سے چُوما کرتی تھی - ہاں! یہ میخیں - صرف اُس کے ہاتھوں میں سے ہی نہیں - بلکہ مریم کے دل میں سے بھی پار ہو گئی ہونگی - اُس کے سر کے کانٹوں کا تاج اُس کے دل کو آگ کے شعلوں کی طرح جلاتا ہوگا اور جو طعنے مہنے اُس کو دئے جاتے تھے - وہ اُس کے دِل میں تیر کی طرح لگتے تھے *

مگر معاملہ اِس سے بھی بدتر تھا - اِس تلوار کا زخم اور بھی گہرا تھا - کیا فرشتے نے اُس کی ولادت سے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ "وہ بزرگ ہوگا اور خدائے تعالےٰ کا بیٹا کہلائیگا - اور خداوند خدا اُس کے باپ داؤد کا تخت

اُسے دیگا۔ اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کریگا۔ اور اُس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا"؟ یہ عظمت و بزرگی۔ یہ تخت و تاج۔ یہ بادشاہی۔ یہ سب کیا ہو گئیں۔ ایک زمانہ میں وہ یقین کرتی تھی کہ وہ درحقیقت جیسا کہ فرشتے نے اُسے کہا تھا "تمام عورتوں میں سے مبارک" ہے۔ جب کہ وہ اُسے بچپن کے حُسن و خوبی کے ساتھ اپنی گود میں لیٹا ہُوا دیکھتی تھی۔ جب گڈریے اور مجوسی اُس کی پرستش کے لئے آئے۔ شمعون اور حنّا نے اُسے دیکھ کر اُس کے مسیح ہونے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد وہ طویل زمانہ آیا جو اُس نے گمنامی کی حالت میں ناصرت میں بسر کیا۔ وہ ایک معمولی گاؤں کا بڑھئی تھا۔ مگر وہ ہرگز درماندہ نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ اُس کے ساتھ گھر میں رہتا تھا۔ اور اُسے یقین تھا کہ بزرگی اور تاج و تخت ٹھیرہ وقت پر ضرور اُسے مل رہیگا۔ آخر اُسکی گھڑی آپہنچی۔ اور اپنے ہتھیار اور اوزار رکھ کر اور اُسے الوداع کہکر وہ اُس چھوٹی سی وادی سے نکل کر جس میں اُس کا گھر واقع تھا۔ اس بڑی دُنیا میں چلا گیا۔ اس وقت اُس نے اپنے دل میں کہا ہوگا کہ اب یہ سب باتیں پُوری ہونگی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُسے خبر ملی کہ وہ کیسی توفیق و قدرت الٰہی سے بھری ہوئی باتیں لوگوں کو سُناتا ہے۔ اور لوگوں کی جماعتیں اُس کے پیچھے چلی آتی ہیں۔ قوم جاگتی جاتی ہے۔ اور اندھے اور لنگڑے اور بیمار اور ماتم زدہ لوگ اُس کے ہاتھوں شفا و تسلّی پاکر اُسے اور اُس کی ماں کو مبارک کہتے ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے کہا ہوگا کہ اب سب کچھ پورا ہوگا۔ لیکن جب اس کے خلاف خبریں پہنچی ہونگی کہ اب لوگ اُسے دق کرتے اور ایذا دیتے ہیں تو اُسکا دل ڈوب گیا ہوگا یہ سُن کر وہ اپنے گھر میں آرام نہ کر سکی۔ اور ناصرت سے روانہ ہوکر خوف سے کانپتی ہوئی آئی کہ دیکھوں اب وہ کیسا ہے۔ اور اب وہ صلیب

کے دامن میں کھڑی ہے۔ وہ مر رہا ہے۔ اور اس کی عظمت اور جلال اور
بادشاہت سب کیا ہوئیں؟

اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا فرشتے نے اسے دھوکا دیا۔ یا خدا کا کلام جھوٹ
تھا۔ اور جو عجائبات اس کے بچپن میں نظر آئے تھے۔ سب خواب و خیال تھے؟
ہم اب ان ساری باتوں کا مطلب سمجھتے ہیں۔ یسوع اُس تخت کی نسبت جو مریم
کے خیال میں تھا۔ اور بھی زیادہ بلند تخت پر چڑھنے کو تھا۔ اور یہ صلیب فقط
اُس کا ایک زینہ تھی۔ اس سے چند ہی ہفتے بعد مریم نے بھی اس کا مطلب سمجھ
لیا۔ مگر اس وقت تو ہر طرف مصر کی سی گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور اس
کے دل کا غم موت کی جانکنی سے کچھ کم نہ ہو گا۔ تلوار فی الحقیقت اس کے دل میں
سے پار ہو گئی تھی +

۳

مریم کے ساتھ صلیب کے دامن میں اور بھی کئی ایک عورتیں کھڑی تھیں[1]۔
جن میں سے دو کا نام بھی مریم تھا۔ جیسا کہ ایک قدیمی مصنف لکھتا ہے۔ اس
وقت کمزور عورت ذات مردوں سے زیادہ مضبوط و بہادر نکلی۔ جب رسول اپنے
آقا کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تو بھی یہ عورتیں آخری دم تک وفادار ثابت ہوئیں۔
شائد عورت ذات ہونے کے سبب کسی نے ان سے تعرض نہ کیا۔ عورتیں بعض جگہوں
میں بلا تحاشا جا سکتی ہیں۔ جہاں آدمی کو جانے کا کبھی حوصلہ نہیں ہوتا۔ اور اس
قابلیت کو بہت سی عورتوں نے اپنے مالک کی خدمت کے لئے استعمال کیا ہے۔
جسے آدمی کبھی سرانجام نہ کر سکتے +

---

[1] یہ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ آیا یوحنا ۱۹: ۲۵ میں دو عورتوں کا ذکر ہے یا چار کا۔ کیا
دوسری سلومی یوحنا کی ماں تھی؟

مگر وہاں ایک اور شخص بھی موجود تھا۔ جو عورتوں کی طرح محفوظ نہیں تھا اور وہ ضرور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر وہاں تک گیا ہو گا*

یُوحنا بھی معلوم ہوتا ہے۔ رسولوں کے اُس زُمرہ میں شامل تھا جن کی بابت لکھا ہے کہ سب اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن اگر یہ بات سچ ہے۔ تو اُس کا خوف بہت دیر تک نہیں رہا ہو گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تحقیقات مُقدّمہ میں شروع ہی سے وہاں موجود تھا۔ اور یہاں بھی اس آخری گھڑی میں بارھوں میں سے وہی اکیلا اپنے آقا کے پاس موجود ہے۔ شائد سردار کاہن کی واقفیت جس کی بنا پر وہ تحقیقات مُقدّمہ کے وقت محل میں داخل ہو سکا اس وقت بھی اُس کے کام آئی۔ مگر سب سے بڑھ کر اُس کی اعلےٰ عقیدت اور محبّت تھی۔ جو وہ اپنے آقا سے رکھتا تھا۔ جو اُسے کھینچ کر اُس کے پاس لے آئی۔ وہ جو اپنے آقا کے سینے پر لیٹا کرتا تھا۔ بھلا وہ کس طرح اُس سے دور رہ سکتا تھا۔ اور اُسے اِس کا اجر بھی مِل گیا۔ کیونکہ وہ یسُوع کی جانکنی کی حالت میں اُس کی ایک آخری خدمت بجا لا سکا۔ اور اُس سے اُس کی اُلفت و محبّت و اعتماد کا ایسا نشان حاصل کیا جسے اُس کے دِل نے ایک اعلےٰ درجہ کی عزّت و استحقاق سمجھا ہو گا

۳

مگر سب سے بڑھ کر ہم اس امر پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ سے خود یسُوع پر کیا اثر ہؤا۔ اُس نے اپنی ماں کی طرف نظر کی۔ مگر ایسی نظر جو اور سب طرف سے ہٹی ہوئی تھی۔ وہ اُس وقت الہٰی سخت درد سے بیتاب ہو رہا تھا۔ جو ممکن تھا کہ اُسے اپنے سوا اور سب کی طرف سے بے خبر کر دیتی۔ یا اگر اُسے سوچنے کی فرصت یا طاقت بھی ہوتی۔ تو مرتے ہوئے آدمی کے پاس اپنے ہی دل میں اور بہت سی باتیں سوچنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مسیح کے پاس دُنیا بھر

کی باتیں سوچنے کے لئے تھیں۔ کیونکہ وہ اس وقت اُس عُقدہ کے حل کرنے میں جس پر اُس کی ساری زندگی صرف ہوئی۔ آخری جدوجہد میں مشغول تھا۔ اُس کا اپنے دشمنوں کے حق میں دُعا کرنا ہمیں اس قدر حیرت میں نہیں ڈالتا۔ کیونکہ اُس کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اُس کے گنہگاروں کی شفاعت کے کام کا ایک جُز تھا۔ نہ تائب چور سے ہمکلام ہونا۔ کیونکہ یہ بھی اُس کے نجات کے کام سے تعلّق رکھتا تھا۔ مگر ہمیں تعجّب اس امر پر آتا ہے کہ ایسی گھڑی میں اُسے معمولی زندگی کے کاروبار سر انجام دینے کی فرصت ملی۔ جو لوگ انسانی ہمدردی یا اصلاح و درستی کی تجاویز میں مشغول ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے خانگی معاملات کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس بنا پر اپنے کو معذور سمجھتے ہیں یا دوسرے اُن کی طرف سے معذرت کرتے ہیں کہ عوام النّاس کی بھلائی کی فکر اُن کے خاندانی تعلّقات پر غالب تھی۔ کبھی کبھی یسوع کے مُنہ سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلتے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی خیال پر کاربند تھا۔ وہ ہرگز نہیں گوارا کرتا تھا کہ اُس کی تدابیر میں اُس کی ماں کسی طرح سے مخلّ ہو۔ لیکن اِس وقت اُس نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ وہ اپنی ماں کی ناواجب دست اندازی کو روکنے پر مجبور تھا۔ مگر وہ ایک دم کے لئے بھی اُس کے جائز حقوق کو نہیں بھولا تھا۔ باوجود اپنی عظمت اور کثرت کاروبار کے وہ اب بھی مریم کا فرزند تھا۔ اور اُس سے ویسی ہی لازوال فرزندانہ اُلفت و محبّت رکھتا تھا۔

البتہ اُس کے کلمات تو چند ایک ہی تھے۔ مگر اُن الفاظ سے جو کچھ اُس کے لئے کہنا ضروری تھا۔ کامل طور پر ادا ہو گیا۔ اِس حالت میں ہر ایک لفظ جو اُس کے مُنہ سے نکلتا ہوگا۔ اُس سے اُسے سخت تکلیف ہوتی ہوگی۔ اِس لئے وہ بہت کچھ نہ کہہ سکا۔ اِس کے علاوہ اُن الفاظ کے چند ایک ہونے سے اُنہیں

ایک طرح کا قانونی رتبہ حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ یہ گویا اُسکا آخری وصیت نامہ تھا۔ اُس نے اپنی ماں سے مخاطب ہو کر فرمایا ”اے عورت۔ دیکھ تیرا بیٹا“ اور ساتھ ہی اپنی آنکھ سے یوحنا کی طرف اشارہ کیا۔ اور اپنے شاگرد سے اُس نے صرف یہی فقرہ کہا ”دیکھ تیری ماں“۔ الفاظ تو سادہ تھے۔ مگر اُن سے اُس کا مطلب پورے طور پیدا ہو گیا۔ یہ الفاظ نہ صرف صاف بلکہ قانونی مقررہ الفاظ کی مانند تھے لیکن تاہم وہ مریم اور یوحنا دونو کے لئے محبت سے معمور تھے +

خیال کیا جاتا ہے کہ یوسف مریم کا خاوند خداوند کی پبلک رسالت کے شروع ہونے کے زمانہ سے پہلے ہی مر چکا تھا۔ اور ناصرت میں گھر کا سارا بوجھ یسوع کے کندھوں پر پڑا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی تعلیم و وعظ کے زمانہ میں بھی وہ اپنی ماں کی فکر رکھتا تھا۔ لیکن اب وہ بھی اُسے چھوڑ چلا۔ اور اب یہ بیوہ بے یار و مددگار رہ گئی۔ اور اس لئے اُس نے اُس کی پرورش کا بندوبست کر دیا +

اُس کے پاس زر و مال نہ تھا جو اُس کے واسطے چھوڑ جاتا۔ اُس کی ساری جائداد وہ کپڑے تھے۔ جو وہ صلیب دئے جانے کے وقت پہنے ہوئے تھا۔ اور یہ سپاہیوں نے بانٹ لئے تھے۔ مگر اُن لوگوں کا جو اگرچہ خود بہت ہی غریب و تنگدست ہوتے ہیں۔ مگر دوسروں کو بیش قیمت رُوحانی تحفوں سے مالا مال کر دیتے ہیں۔ یہ حق ہوتا ہے کہ اُن کو ایسے دوست مل جاتے ہیں جو اُن کے یا اُن کے متعلقین کی امداد و خدمت میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ جب اُس نے اپنی ماں کو مُقدس یوحنا کے سپرد کیا۔ تو یسوع جانتا تھا کہ ایسا کرنے میں وہ اپنے شاگرد کو ایک تحفہ عطا کر رہا ہے۔ نہ کہ اُس پر بوجھ رکھ رہا ہے +

ہم اس کی وجہ نہیں بتا سکتے کہ وہ اپنے دوسرے بیٹوں میں سے کسی کے گھر میں کیوں نہ چلی گئی۔ وہ اُس وقت مومنین کی جماعت میں شامل نہ تھے۔ اگرچہ اس سے بہت جلد بعد وہ بھی اُس پر ایمان لے آئے۔ لیکن شائد اور بھی وجوہات ہوں جو ہمیں اس وقت معلوم نہیں ہیں ✦

بہر صورت ہم یہ امر بآسانی دیکھ سکتے ہیں کہ مقدس یوحنا کو اس خدمت کے لئے چننا کیسا بزنل تھا۔ اناجیل کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدس یوحنا اوروں سے زیادہ مالدار تھا۔ یا کم سے کم دوسروں کی نسبت زیادہ مرفہ الحال تھا۔ اور شائد اس امر کا بھی یسوع نے خیال کیا ہوگا۔ وہ اپنی ماں کو ہرگز ایسی جگہ بھیجنا پسند نہ کرتا۔ جہاں وہ اُن پر بوجھ ہوتی۔ یہ امر اغلب ہے کہ مقدس یوحنا کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس سے گہری وجوہات بھی تھیں۔ اس شخص کے بازو کے سوا جو اُس کے سینہ پر لیٹا کرتا تھا دوسرا کوئی بازو نہ تھا جس پر وہ ایسے اعتماد کے ساتھ تکیہ کرتی۔ مقدس پطرس جو ایسا گرم مزاج تھا۔ اور چھوٹوں کی اکثر تاثیر رکھتا تھا۔ اس امر کے لئے ایسی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ یوحنا اور مریم دونو ایک سی مزاج رکھتے تھے۔ علاوہ اُس گہری محبت کے لحاظ سے بھی جو دونو یسوع کی نسبت رکھتے تھے وہ متحد تھے۔ وہ اُس کی نسبت باہم بات چیت کرنے سے کبھی تنگ نہ آتے۔ اُس نے اُن کو ایک دوسرے کے سپرد کرنے سے دونو کو ایک دوسرے کی نظر میں عزت بخش دی۔ اگر اُس نے مریم کو یوحنا بطور فرزند کے عطا کرنے سے ایک بڑی نعمت بخشی۔ تو یوحنا کے لئے بھی مریم کا بطور ماں کے ملنا کچھ کم نعمت نہ تھا۔ کیونکہ مریم کی موجودگی سے اُس کے گھر کی رونق و عزت دوبالا ہوگئی۔ علاوہ بریں کیا اُس نے مقدس یوحنا کو بھی ایک خاص معنوں میں اپنا بھائی

نہ بنالیا۔ جب اُسے اپنی جگہ مریم کا فرزند بنا دیا +

انجیل نویس لکھتا ہے کہ اُسی گھڑی یُوحنّا اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اکثر اس فقرے کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ وہ ملائمت کے ساتھ اُسے اُس جگہ سے لے گیا۔ تاکہ اپنے بیٹے کی جانکنی کی تکالیف کو دیکھ کر اُسے اَور صدمہ نہ پہنچے۔ اگرچہ وہ آپ پھر کلوری کو واپس چلا آیا۔ ایک روائت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونو بارہ سال تک یکجا یروشلم میں رہے۔ اور جب تک مریم زندہ رہی۔ اُس نے انجیل کی منادی کی غرض سے بھی شہر کو چھوڑنے سے انکار کیا۔ جب وہ فوت ہوگئی۔ تو اُس نے مشنری دورہ شروع کیا۔ اور افسس اور اُس کے گرد و نواح میں کام کرتا رہا۔ اور اسی مقام کے ساتھ اُس کی بعد کی زندگی وابستہ رہی ہ

۴

اِس پُرتاثیر نظارہ کے رُوحانی سبقوں کو معلوم کرنا مشکل نہیں ہے۔ اِس وقت اپنی صلیب کے منبر پر سے یسُوع نے تمام زمانوں کے لئے پانچویں حکم پر ایک وعظ سنایا +

یسُوع کی ماں کا دل اُس کی تکالیف کو دیکھ کر گویا تلوار سے چھد گیا تھا۔ یہ بڑا تیز آلہ تھا۔ مگر مریم کے پاس ایک چیز تھی۔ جس پر وہ اپنی رُوح کو سہارا دے سکتی تھی۔ وہ یہ جانتی تھی کہ وہ بالکل بیگناہ و معصوم ہے۔ اور اِس بات نے اُس کے غم کی سخت و تاریک گھڑیوں میں بھی اُسے تسلّی دی ہوگی۔ وہ ہمیشہ سے پاک دل۔ شریف مزاج اور نیک طینت لڑکا تھا۔ اور وہ اُس کے صلیب دئے جانے کے وقت بھی اس امر پر فخر کرسکتی تھی۔ بہت سی ماؤں کا دل اپنے فرزندوں کی بیماری یا بدقسمتی یا پیش از وقت موت سے زخمی ہوتا ہے۔ مگر وہ اِسے برداشت کرسکتی ہیں۔ بشرطیکہ یہ زخم زہر آلود تلوار سے نہ

لگا ہو۔ مگر وہ تلوار کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ اُسے اپنے بیٹے کی خاطر شرمسار ہونا پڑے جب کہ اُس کا بیٹا اپنی ہی بدکرداریوں کے ہاتھوں اس درجہ کو پہنچے۔ تو یہ غم موت سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوتا ہے +

کسی ماں کو اپنے بیٹے کی کامیابی اور نیکنامی کو بطور زیور کے پہنے ہوئے دیکھنا کیسا خوشنما نظارہ ہے۔ اے پڑھنے والے! اگر اِس وقت تیری ماں اور باپ زندہ ہیں۔ تو چاہیئے کہ یہ بات تیرے لئے مہمیز کا کام دے۔ اور آزمائش کے وقت تیری سپر ہو۔ بعضوں کو یہ اچھا موقع بھی ملتا ہے کہ بڑھاپے کے وقت اپنے والدین کی پرورش کریں۔ اور یقیناً عمر بھر میں دنیا میں اس سے بہتر کون سی اچھی یاد ہوگی۔ رسول لکھتا ہے کہ " اگر کسی بیوہ کے بیٹے یا پوتے ہوں تو وہ پہلے اپنے ہی گھرانے کے ساتھ دینداری کا برتاؤ کرنا سیکھیں۔ اور ماں باپ کا حق ادا کریں۔ کیونکہ یہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے .... اگر کوئی اپنوں اور خاصکر اپنے گھرانے کی خبرگیری نہ کرے۔ تو دین کا منکر اور بے ایمان سے بدتر ہے " ۱ تمطاؤس ۵: ۴ و ۸ +

مگر یہ وعظ جو صلیب کے منبر پر سے دیا گیا اَور بھی وسیع مطلب رکھتا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ یسوع کو نہ صرف ہمارے ابدی یا روحانی بلکہ عارضی یا دنیاوی اُمور سے بھی علاقہ ہے۔ خود صلیب پر سے بھی جہاں وہ ایک عالم کے گناہوں کا کفارہ دے رہا تھا۔ اُسے اپنی بیوہ ماں کے آرام و آسائش کی بھی فکر تھی۔ محتاج اور متروک اشخاص اِس سے سبق و تسلی حاصل کریں۔ اور اپنی تمام فکر کو اُسی پر ڈال دیں۔ کیونکہ اُسے ہماری فکر ہے۔ یہ دیکھ کر اکثر حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح بیوہ عورتیں اپنا نبھاؤ کرتی ہیں۔ جب وہ اکیلی یا شائد کئی ایک بچوں کے ہمراہ چھوڑی جاتی ہیں۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس طرح اپنا گذارہ کرتی

ہیں۔ لیکن بہت دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ اُن کا خاندان۔ اَوروں کے نسبت جہاں باپ زندہ ہو۔ بہتر حالت میں ہوتا ہے۔ شائد اِس کی ایک وجہ یہ ہو کہ بچّے پہلے ہی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں ماں کی اِس ذمّہ واری میں حِصّہ لینا چاہئے۔ اور اِس لئے وہ اس بات کو سوچ کر بچّے نہیں رہتے۔ بلکہ پُورے مرد اور عورت بن جاتے ہیں۔ لیکن بلاشُبہ بڑی وجہ یہ ہے کہ خُدا اپنے اس وعدہ کو کہ وہ یتیم کا باپ اور بیوہ کا خاوند ہوگا پورا کرتا ہے۔ اور اُنہیں وہ خداوند فراموش نہیں کرتا۔ جس نے کہ اپنی جانکنی کی حالت میں بھی مریم کو یاد رکھا *

سترھواں باب

چوتھا کلمہ صلیب پر سے[1]

سات کلمے جو خداوند یسُوع مسیح نے صلیب پر سے فرمائے۔ دو حصّوں پر تقسیم ہو سکتے ہیں۔ پہلے تین کلمات ہیں۔ یعنے صلیب دینے والوں کے حق میں دُعاے خیر۔ تائب چور سے خطاب اور اپنی ماں کے متعلق ہدایات۔ خداوند نے دوسرے اشخاص کے متعلقہ معاملات کا ذکر کیا۔ لیکن آخری چار کلمے جن کا اب ہم ذکر کرینگے۔ اُن میں وہ فقط اُن اُمور کا ذکر کرتا ہے۔ جو خود اُس کی ذات سے متعلّق تھے۔ یہ تقسیم بالکل طبعی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے قریب المرگ آدمی جب وہ اپنے دُنیاوی معاملات کا انتظام کر چکتے۔ اور اپنے دوست رشتہ داروں کو الوداع کہہ چکتے ہیں۔ تو اپنا مُنہ دیوار کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ تاکہ تنہا موت سے دوچار ہوں۔ اور اکیلے خدا کے ساتھ ہوں۔ اس لئے یہ بالکل یسُوع کی شان کے مطابق تھا کہ وہ پہلے دوسروں کے معاملات کا فیصلہ کرلے۔ پیشتر اِس کے کہ وہ اپنے ذاتی معاملات کی طرف متوجّہ ہو +

اِن کلمات کے دونو حِصّوں کے درمیان معلوم ہوتا ہے کہ کچھ وقفہ واقع ہؤا ہوگا۔ چھ گھنٹے سے نویں گھنٹہ تک یسُوع خاموش رہا۔ اور اِس

---

[1] اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا +

اثناء میں تاریکی تمام ملک پر چھا گئی - اِس تاریکی کا کیا باعث تھا؟ اس وقت تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا - لیکن تینوں انجیل نویس جو اِس کا ذکر کرتے ہیں - ظاہرا یہ خیال کرتے معلوم ہوتے ہیں کہ یہ ایک طرح سے اُس ہمدردی کا اظہار تھا - جو نیچر کو خداوند سے تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آفتاب نے ایسے شرمناک واقعہ سے مُنہ چھپا لیا ہے - یہ قرین قیاس ہے کہ اس قسم کے خوفناک ظہورِ فطرت کے سبب جو شور و غوغا صلیب کے اِردگرد ہو رہا تھا کم ہو گیا ہو گا - آخر کار خود مسیح نے اِس خاموشی کی مُہر توڑی - اور بڑی بلند آواز سے چوتھا کلمہ فرمایا - یہ کلمہ حیرت اور جانکنی سے پُر تھا - مگر ساتھ ہی اِس کے اُس سے فتحمندی بھی نمایاں تھی +

ا

بھلا اِس تین گھنٹے کی خاموشی میں خداوند کے دِل میں کس قسم کے خیال گذرتے رہے ہونگے؟ کیا وہ اس عرصہ میں اپنے آسمانی باپ کے ساتھ ایک مجذوبانہ رفاقت میں مشغول رہا؟ اولیاء اللہ کے ساتھ اکثر موت کے وقت ایسا ہی ہوتا رہا ہے - اور اس کے ذریعے وہ اکثر جسمانی تکالیف پر قادر ہوئے ہیں - شہیدوں کی حالت بعض اوقات ایسی بلند و مرتفع ہو گئی ہے کہ وہ آگ کے شعلوں کے درمیان بھی خدا کی حمد کی گیت گاتے سُنے گئے ہیں - لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یسوع کے دِل کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی - تو ہم پر ایک قسم کی ہیبت اور حیرت چھا جاتی ہے - جو الفاظ کہ اس خاموشی کے بعد اُس کے مُنہ سے نکلے اُن سے یہ اندازہ لگانا ممکن ہے کہ اِس سے پہلے گھنٹوں میں اُس کے دل میں کیا گذر رہا تھا - اور اس آواز سے نہایت ہی گہری مایوسی آشکارا ہوتی ہے - فی الحقیقت

ایسی دردناک آواز مشکل سے کبھی زمین پر سُننے میں آئی ہو گی۔ اگرچہ ہم اِن الفاظ سے بالکل مانوس ہو گئے ہیں۔ مگر اب بھی جب کبھی کوئی سریع الحس آدمی اُسے پہلی دفعہ سُنتا ہے۔ تو مارے خوف کے کانپ اُٹھتا ہے۔ سارے بائبل میں شائد ہی کوئی اور فقرہ ہو گا۔ جس کی تفسیر و تشریح ایسی مشکل ہے۔ واعظ جب اِس فقرہ پر پہنچتا ہے۔ تو سب سے پہلے اُس کے دِل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کوئی نہ کوئی عذر کر کے اِس پر سے عبور کر جائے۔ اور جب وہ اُسے بیان کرنے بھی لگتا ہے۔ تو جب سب کچھ کہہ چکتا ہے۔ تو آخر میں اقرار کرتا ہے کہ اُس کا اصلی مطلب بیان کرنا اُس کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن جو شخص ایسے مشکل فقروں کے حل کرنے میں جد و جہد کریگا۔ وہ اپنا انعام حاصل کئے بغیر نہ رہیگا۔ کیونکہ کوئی سچائی ہم پر ایسا گہرا اثر نہیں کرتی۔ جیسے کہ اُس وقت جب کہ ہم یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جہاں تک ہم اُس کی تہ تو پہنچنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ وہ قدرت ہمیں صرف اُس کے ساحل تک ہی پہنچانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ اور سچائی کا ناپیدا کنار سمندر تو اُس سے بھی پرے پھیلا ہوا ہے

خود مسیح کے دل میں بھی ان فقرات کے مُنہ سے نکالتے وقت جو خیال سب سے اُوپر سطح پہ تھا۔ وہ حیرت و تعجّب کا خیال تھا۔ گتسمنی کی حالت کے بیان میں لکھا ہے کہ "وہ نہائت حیران ہونے لگا"۔ اور اس قول کا ڈھنگ بھی ظاہراً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں ایسا خیال گذرتا ہے کہ اِس قول میں لفظ "تو" پر زور دیا گیا ہے۔ یسوع کا اپنی زندگی بھر یہی تجربہ رہا کہ لوگ اُسے چھوڑ جاتے تھے۔ اور وہ اسکا بالکل عادی ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے خود اُس کے اپنے گھر کے لوگوں نے اُسے رّد کر دیا۔ اور ایسا ہی اُس کے ہم شہریوں ناصرت کے باشندوں نے۔ اور آخر کار ساری قوم نے بھی

ایساہی کیا۔ وہ گروہیں جو ایک وقت جہاں کہیں وہ جاتا تھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے جاتی تھیں۔ آخر کار کسی نہ کسی بات پر ناراض ہو کر اُسے چھوڑ جاتی تھیں آخر کار جب اُس کی زندگی کا آخری وقت آپہنچا۔ تو اُس کے سب سے قریبی شاگردوں میں سے ایک نے اُسے گرفتار کرا دیا۔ اور باقی اُسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مگر ان مایوسیوں کے درمیان۔ اگرچہ یہ بھی اُس کے دل میں گہرے زخم کرتی تھیں۔ اُس کو ایک بات ہمیشہ تسلی دیتی رہتی تھی۔ اور جب لوگ اُسے چھوڑ جاتے تھے۔ تو وہ ہمیشہ اُن کی طرف سے مُنہ پھیر کر اعتماد کے ساتھ اپنے کو خدا کے سینہ پر ڈال دیا کرتا تھا۔ جس قدر انسانی اُلفت میں اُسے مایوسی ہوتی تھی۔ اُسی قدر زیادہ وہ الٰہی محبت کے پیالے زیادہ شوق سے پیا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اِس امر سے واقف تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے یا جو کچھ اُس پر بیت رہا ہے۔ وہ سب کچھ رضائے الٰہی کے موافق ہے۔ اُس کی حسّات ہمیشہ خدا کے دل کی حرکتوں کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں۔ خدا کے خیال اُس کے خیال تھے۔ اور وہ صاف صاف دیکھ سکتا تھا کہ کس طرح الٰہی مشیّت و ارادہ اُس کی زندگی کے تمام مختلف واقعات میں ایک اعلےٰ قسم کا نتیجہ پیدا کر رہا ہے۔ اِس لئے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ آخری عشاء کے وقت بھی۔ جب اُس نے بارہ شاگردوں کے تھوڑے عرصہ میں اُسے چھوڑ کر بھاگ جانے کا ذکر کیا۔ کہہ سکتا تھا۔ "دیکھو وہ گھڑی آتی ہے۔ بلکہ آپہنچی ہے کہ تم سب پراگندہ ہو کر اپنے اپنے گھر کی راہ لوگے۔ اور مجھے اکیلا چھوڑ جاؤ گے تو بھی میں اکیلا نہیں رہونگا۔ کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔" لیکن اب وقت آپہنچا تھا۔ کیا یہ اُمّید پوری ہوئی؟ وہ پراگندہ ہو گئے۔ جیسا کہ اُس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ اور وہ اب بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ لیکن کیا وہ اکیلا

نہیں تھا؟ کیا اب بھی باپ اُس کے ساتھ تھا؟ اُس کے اپنے ہی کلام سے اس بات کا جواب ملتا ہے "اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا"+

۲

اگرچہ اس موقع ہمارے خداوند کی دلی حالت اُس حالت سے جو ہم جانتے ہیں کہ اُس کے لئے ایک معمولی عادت ہورہی تھی۔ بالکل مختلف معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اُس کی زندگی کی تاریخ میں ایسا موقع ایک ہی دفعہ پیش نہیں آیا۔ ہم کم سے کم دو اور تجربات سے واقف ہیں۔ جو کچھ کچھ اُسی کی مانند تھے۔ اور اُن سے شائد ہم کو اس کے سمجھنے میں مدد ملے۔ پہلا موقع وہ تھا۔ جب کہ اُس کی زندگی کے آخری ہفتہ کے شروع میں چند یونانی لوگ اُس سے ملنے کو آئے۔ وہ اُس کی ملاقات کے خواہاں تھے۔ اور جب اندریاس اور فیلبوس نے اُنہیں اُس کی خدمت میں حاضر کیا۔ تو بجائے اس کے کہ یسوع خوش ہو جیسا کہ اُمید کی جاتی تھی۔ وہ اُلٹا دردوغم میں پڑ گیا۔ اور ایک آہ بھر کر کہنے لگا۔ "اب میری جان گھبراتی ہے۔ پس میں کیا کہوں؟ اے باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا"۔ ان ملاقاتیوں کو دیکھ کر اُسے یاد آگیا کہ غیر اقوام کے لئے ایک عالمگیر مشن قائم کرنا کیسا عظیم الشان اور اُس کے لئے نہائت دلپسند کام ہوتا۔ ایسا مشن جو وہ بڑی خوشی سے قائم کرتا۔ بشرطیکہ اُس کی زندگی اُسے موقع دیتی۔ لیکن یہ بات اِس وقت ناممکن تھی۔ کیونکہ عین عالم شباب میں اُس کے لئے مرنا ضروری تھا۔ دوسرا موقع گتسمنی کی جانکنی کا موقع تھا۔ اگر ہم اس واقعہ پر بڑے ادب و توجہ سے غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اس موقع پر کس طرح مسیح کی مرضی بتدریج ترقی کرکے اپنے باپ کی مرضی کے ساتھ کامل طور پر متحد ہوگئی۔ انسانی فطرت میں یہ امر داخل ہے کہ وہ درجہ بدرجہ و منزل بمنزل

ترقّی ونشوونما حاصل کرے۔ اور خداوندکی کاملیت بھی۔ اس لحاظ سے کہ وہ انسان تھا۔ اس نشوونما کے زینہ کی ہر ایک پوڑی پر رفتہ رفتہ چڑھنے کے لئے مجبور تھی۔ سو وہ ہمیشہ اُس منزل کے لحاظ سے جہاں وہ پہنچ جاتا تھا۔ کامل ہوتا تھا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی وہ کمال کے اوپر کے زینہ پر چڑھ رہا ہوتا تھا۔ بعض اوقات تو قدم آسانی سے آگے پڑتا تھا۔ مگر دوسرے وقتوں میں زیادہ مشکل بھی ہوتا تھا۔ وہ قدم جو اُس نے گتسمنی میں بڑھایا۔ نہائت ہی مشکل تھا۔ اور اسی لئے اُس کے لئے سخت جدوجہد کرنی اور تکلیف اُٹھانی پڑی۔ تاہم گتسمنی میں ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اُس نے کامل فتح حاصل کر لی ہے۔ اور یہ اُمّید ہوتی تھی کہ یہ کمزوری اور تاریکی کی حالت پھر لوٹ کر اُس پر نہیں آئیگی۔ لیکن اُسے پھر ایک دفعہ واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اور صلیب پر اُس کا حملہ پہلے موقعوں کی نسبت زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا تھا۔ اِن دو حالتوں کو جنہیں ہم اُسی حالت کا غلبہ پاتے ہیں۔ مدِّنظر رکھ کر۔ آؤ۔ ہم بڑے ادب و نیاز کے ساتھ آگے بڑھیں اور دیکھیں کہ ہم کہاں تک اِس رازِ سربستہ کو حل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں +

اِس میں کچھ شبہ نہیں کہ اِس میں کسی قدر جسمانی اُمور کا بھی دخل تھا۔ اب اُسے صلیب پر لٹکے کچھ عرصہ ہو گیا تھا۔ اور ہر ایک لمحہ کے ساتھ درد و تکلیف بڑھتی جاتی تھی۔ اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کے زخم ہوا اور دھوپ کے سبب سخت ہو گئے۔ خون کا دَورہ تھم گیا۔ اور اِس سے دل و دماغ پر اِس قدر بوجھ پڑا کہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی پھٹ جائینگے۔ اور جسم کو ایک دردناک پہلو سے بدلنے کے لئے ذرا سی حرکت دینے سے بھی سارے رگ و ریشہ میں برچھیاں چُبھ جاتی تھیں۔ جسمانی درد سے دماغ تاریک ہو جاتا ہے۔ اور جو تصوّرات

آئینۂ ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کی صورت بگڑ جاتی ہے
ممکن ہے کہ خدا کی صورت بھی ایسے آئینہ میں عکس افگن ہو کر جسمانی درد کے
غباروں کی وجہ سے بالکل خوفناک نظر آنے لگ جائے +

یسوع کے لئے اِس مہلک درد کی دہشت شائد اَوروں کی نسبت
زیادہ سخت ہوگی۔ کیونکہ اُس کا مادی جسم بھی زیادہ نازک اور سریع الحس تھا۔
اُس کا جسم گناہ کی وجہ سے کبھی کثیف ہونے نہ پایا تھا۔ اور اس لئے موت اُس
کے لئے ایک اجنبی اور ناآشنا چیز تھی۔ طبعی زندگی کا رَو جو خدا کی ایک بیش
قیمت بخشش ہے۔ اُس کے جسم میں افراط و پاکیزگی کے ساتھ بہتا رہا تھا۔ لیکن
اب وہ کھینچا جا رہا تھا۔ اور اُلٹا بہنے لگا تھا۔ ایک کامل فطرت کی یگانگت میں سخت
خلل برپا ہو رہا تھا۔ اور وہ محسوس کرنے لگا کہ اب وہ اِس زندہ دُنیا سے۔ جو
اُس کی نظروں میں خدا کی حضوری اور نیکی سے معمور تھی۔ دُور ہٹتا جاتا ہے۔
اور فنا کی سرد و زرد مملکت کے قریب ہوتا جاتا ہے[1]۔ وہ موت کی ملکیت نہ
تھا۔ مگر اس وقت موت کے پنجہ میں گرفتار ہو رہا تھا۔ کوئی فرشتہ اُسے چھڑانے
کے لئے نہ آیا۔ اور وہ اپنی حالت پر چھوڑا گیا تھا +

مگر یہ بآسانی نظر آ سکتا ہے کہ اِس جانکنی میں جس سے ایسی ہیبتناک
چیخ نکلی۔ جسمانی درد سے بھی بڑھ کر کوئی بات تھی۔ اگر گتسمنی میں ہم یسوع
کی قوّت ارادی کی جدّ و جہد کو دیکھتے ہیں کہ کس طرح بتدریج اُس نے باپ کی
مرضی کے ساتھ کامل اتحاد حاصل کیا۔ تو اِس جگہ ہم اُس کے عقلی قواء کی جدّ
وجہد کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ کس طرح صلیب کی گھبراہٹ اور مخالفت کے درمیان
وہ آخر کار حکمت الٰہی کے ساتھ بالکل متحد ہو گئیں۔ اُس کی دردناک آواز
میں جو عقلی عنصر شامل تھا۔ وہ لفظ "کیوں" سے بخوبی آشکارا ہوتا ہے۔ اب کبھی

[1] بعض بزرگان سلف کا خیال تھا کہ اس وقت گویا الٰہی اور انسانی فطرت میں جدائی ہونے لگی تھی +

اپنے خالق سے لفظ "کیوں" کہہ کر خطاب کرنا پڑتا ہے۔ تو یہ نہایت
دردناک موقع ہوتا ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ اِس دُنیا کا شاہنشاہ اور
ہماری قسمت کا مالک ہے۔ اور وہ ساری دُنیا کا انتظام اپنی لامحدود حکمت
اور محبّت کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ لیکن اگرچہ عقل انسانی کے لیئے اِس قسم کا
اعتقاد رکھنا ایک مناسب اور صحیح حالت کا نشان دیتا ہے۔ خاصکر اُن
لوگوں میں جو سچے پابند مذہب ہیں۔ مگر جب عالم صغیر اور عالم کبیر دونو کو کبھی کبھی
ایسے نازک وقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ جب کہ ایمان جواب دے جاتا ہے۔
دنیا بے ترتیب ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کا سارا انتظام بگڑ رہا
ہے۔ خدا کے ہاتھ سے باگیں چھُوٹ گئی ہیں۔ اور نظام عالم کی گاڑی بے بس
ہوئی جاتی ہے۔ کیونکہ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کی رفتار کسی عقل و
حکمت کی پابند نہیں ہے۔ بلکہ اندھی اور بے شعور یا بے رحم قسمت کے ہاتھ
بس ہے۔ ایسے وقت میں بیچارا انسانی ذہن چلّا اُٹھتا ہے کہ "کیوں"؟
ایوب کی ساری کتاب اِسی سوال و پکار سے بھری ہے۔ یرمیاہ نبی نے بھی
نہایت حیرت بخش دلیری کے ساتھ خدا کو یہی "کیوں" کہکر پکارا۔ مہلک
درد اور جانکاہ مایُوسی اور ایسی جدائیوں میں جب کہ دُنیا اور رُوح بالکل
خالی اور تاریک نظر آنے لگتی ہیں لاکھا آدمی ہر زمانہ میں یہی "کیوں" کہکر
فریاد کرتے رہے ہیں۔ اس لفظ سے ظاہراً بالکل بے دینی ٹپکتی ہے۔ جب
یرمیاہ نبی پکار اُٹھتا ہے کہ "تُو نے مجھے فریب دیا۔ اور مَیں نے فریب کھایا"
یا ایوّب یہ سوال کرتا ہے کہ " مَیں ماں کے رحم میں ہی کیوں نہ مرگیا؟ جب
مَیں پیٹ سے نکلا تو اُسی وقت میری جان کیوں نہ نکل گئی؟" تو یہ کسی کفر بکنے
والے کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ مگر فی الحقیقت یہ گرمجوش اور لطیف مزاج

مُردمیں ہی ہیں۔ جن میں اس قسم کی مایُوسی کو گھسنے کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ جاہل اور اوچھے۔ اور ابن الوقت اس قسم کی حالت سے بالکل محفوظ ہیں۔ کیونکہ وہ دُنیا کے معمولی رویّہ اور حالت سے بالکل مانوس اور اُس کے دِل دادہ ہیں۔ سخت دل والے بغیر کسی قسم کی تحقیق و تفتیش کے دُنیا کی حالت پر قانع رہتے ہیں۔ مگر جس قدر سچّی دینداری زیادہ ہو۔ اُسی قدر آدمی خدا کے جلال اور عدل کے لئے زیادہ غیر تمند ہوتا جاتا ہے۔ اگر دُنیا کی حکومت و انتظام میں کوئی امر خلافِ عقل و حکمت نظر آئے۔ تو اُسے شاق گذرتا ہے۔ دُنیا کے انتظام میں خدا کی رحمت و حفاظت کے نشانِ قدم دیکھنے اُس کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔ اور اس لئے جب اِس قسم کی شہادتیں پوشیدہ ہو جاتی ہیں۔ تو اُسے سخت دُکھ ہوتا ہے۔ اب عالم کی تمام بے اعتدالیاں اور اختلافات گلگتا میں مجتمع ہو رہے تھے۔ بے انصافی کی فتح تھی۔ بیگناہی سے عداوت تھی۔ اور وہ پامال ہو رہی تھی۔ ہر ایک چیز جو کچھ کہ اُسے ہونا مناسب تھا۔ بالکل اُس کے اُلٹ نظر آتی تھی۔ اور نہ کہا "کیوں" جو ستم رسیدہ دلوں سے۔ جو خدا کی عزّت کے لئے غیر تمند مگر اُس کی تقدیر کے بھیدوں سے ناواقف تھے۔ نکلتے رہے ہیں۔ وہ سب مسیح کے اِس "کیوں" میں جمع ہو رہے تھے۔

مسیح ہم سے کس قدر قریب تر ہے۔ شائد اپنی زندگی بھر وہ کبھی اپنے بیچارے انسانی بھائیوں سے اِس قدر قریب اور متّحد نہ تھا۔ جیسا کہ اِسوقت کیونکہ یہاں وہ نیچے اُتر کر ہمارے پہلو میں کھڑا ہوتا ہے۔ نہ صرف اُسوقت جب کہ ہم درد یا مصیبت۔ جُدائی یا موت سے رُو در رُو ہوتے ہیں۔ بلکہ جب ایسا دُکھ اُٹھا رہے ہوں جو سب دُکھوں سے پرے ہے۔ اور ایسا

ہیبت ناک ہے کہ اُس کی موجودگی میں دماغ چکرا جاتا ہے۔ اور ایمان جو اُمید جو زندگی کی آنکھیں ہیں۔ اندھی ہو جاتی ہیں۔ ہاں وہ ہیبت ناک موقع جب کہ عالم خدا سے خالی نظر آتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ایک ڈراؤنا اور برباد ہونے والا ادر مادہ کا ایک بے ترتیب ڈھیلا ہے۔ جس کی نہ تو کوئی عقل رہنمائی کرتی ہے۔ اور نہ کوئی محبّت اُسے سہارا دینے والی ہے۔

کیا ہم اس رانلی تاریکی میں ایک اَور قدم آگے اُٹھا سکتے ہیں؟ سب سے گہرا سوال یہ ہے کہ آیا مسیح کا اِس طور سے چھوڑا جانا ظاہری تھا یا باطنی یا یُوں کہو کہ کیا محض جسمانی کمزوری اور چشم بصیرت کے عارضی طور پر دھندلا جانے کی وجہ سے اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ چھوڑا گیا ہے۔ یا کیا اِن الفاظ کے حقیقی معنوں میں خدا نے سچ مچ اُسے چھوڑ دیا تھا۔ البتہ ہم اس امر سے خوب واقف ہیں کہ خدا اُس سے از حد راضی و خوش تھا۔ اور شائد ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ جیسا اس وقت جب کہ وہ اپنے کو دوسروں کے لئے قربان کر رہا تھا۔ لیکن کیا اُس کے ساتھ ہی الٰہی ذات کے دوسرے پہلو نے بھی اُسے اپنا چمکارا دکھا دیا۔ یا یُوں کہو کہ الٰہی غضب کی بجلی اُس پر چمکی۔ کلوری پر دل انسانی کا ایک نہائت خوفناک اظہار ہوُا جسکی عداوت نے خدا کی محبّت کے کامل مکاشفہ کو جیسا کہ مسیح میں ہوُا۔ اپنا نشانہ بنایا تھا۔ وہاں انسان کا گناہ اپنی حد کو پہنچ گیا۔ اور جو کچھ بدی اُس سے ہونی ممکن تھی کر گذرا۔ جو کچھ اُس محل پر مسیح کے خلاف اور خدا کے خلاف جو مسیح میں تھا۔ ہوُا۔ وہ گویا سارے عالم کے گناہ کا مجموعہ اور اُس کا لب لباب تھا۔ اور بلاشبہ یہ بات تھی جو اس وقت یسُوع کو دبا رہی تھی۔ "یہی اُس کی جان کا دُکھ تھا۔ وہ اب قریب سے گناہ کی بدصورتی پر نظر کر رہا تھا۔ اُسکی احساس

سے اُسے گھن آتی تھی۔ وہ اُس کی وحشت وزبردستی سے پامال۔ ہاں موت تک پامال ہو رہا تھا۔ مگر یہ انسانی فطرت اُس کی اپنی ہی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ ایک ہو گیا تھا۔ وہ اُس کی ہڈی میں کی ہڈی۔ اور گوشت میں کا گوشت تھا۔ اور جیسے کہ ایک بد اطوار خاندان میں سارے خاندان کے قرضوں اور شرمناک کارروائیوں کا بوجھ ایک بہن کے سر پر جو شائستہ اور لطیف خلقت ہو۔ پڑتا ہے۔ اِسی طرح اُس نے بھی اُس قوم کی نالائقی اور ناامیدی کو محسوس کیا۔ گویا کہ یہ اُس کی اپنی ہی تھی۔ اور اُس چلاوے کی طرح جس کے سر پر قدیمی شریعت کے مطابق جماعت کے لوگوں کے گناہ رکھے جاتے تھے۔ وہ بھی فراموشی کی زمین میں نکل گیا۔

یہاں تک ہم جا سکتے ہیں۔ اور محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے پاؤں کے نیچے کھڑے ہونے کو پختہ زمین ہے۔ مگر بہت لوگ اِس سے بھی آگے چلے گئے ہیں۔ خود لوتھر اور کالون بھی یہ لکھ گئے ہیں کہ اُن گھنٹوں میں جو اس سے پہلے گذرے۔ ہمارے خداوند نے وہ عذاب اور ایذائیں سہیں جو راندۂ درگاہ الٰہی کا حصّہ ہیں۔ اور آمباخ نامی ایک اور عالم نے جس کے تفکرات بر صعوبات مسیح سینکڑوں برس تک جرمنی کے دینداروں کی خوراک رہی ہیں۔ لکھا ہے کہ "خدا اُس وقت اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کر رہا تھا جیسا کہ رحیم باپ اپنے بچّہ کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ ایسا جیسا کہ ایک ناراض شدہ راستباز قاضی ایک بدکردار کے ساتھ کرتا ہے۔ آسمانی باپ اس وقت اپنے بیٹے کو سب سے بڑا گنہگار جو سورج کے نیچے ملنا ممکن ہو سمجھتا ہے۔ اور اپنے سارے غضب کو اُس پر انڈیل دیتا ہے۔" لیکن اگر ہم اس قسم کے الفاظ کا استعمال کریں۔ تو ہم اپنی حد سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ پاک

نوشتوں کی اور ہنگل صاحب کی سادہ تشریح زیادہ قابل ترجیح ہے۔" اس چوتھے کلمہ میں ہمارا نجات دہندہ نہ صرف یہ فرماتا ہے کہ وہ آدمیوں کے ہاتھوں میں سپرد کر دیا گیا۔ بلکہ یہ بھی کہ اُس نے خدا کے ہاتھوں بھی کوئی ناقابل بیان تکلیف اُٹھائی ہے۔ یقیناً یہاں کوئی ایسی بات ہے جو بالکل ناقابل بیان ہے"۔ ہم نے جہاں تک ہماری بساط میں تھا۔ اس راز مخفی کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ہم ابھی تک اس ناپیدا کنار سمندر کے ساحل پر پھر رہے ہیں۔ اور یہ گہرا اور نا معلوم سمندر ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے ✤

۳

اس فریاد کو کسی معنوں میں ایک فتح کا نعرہ ٹھہرانا شائد بعض اشخاص کو ایک بناوٹی بات معلوم ہو۔ لیکن اگر جو کچھ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ سچ ہے تو یہ موقع جو سب سے سخت دُکھ اور درد کی گھڑی تھی۔ اس گھڑی میں ایک کارنمایاں بھی سرانجام پا گیا۔ جیسے کہ پھول کو کچل کر اس میں سے عطر نکالتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی دنیا کے گناہوں کو اپنے دل میں لے کر دنیا کے لئے نجات خریدنے کا ذریعہ ہوا ✤

اور اگر سچ پوچھو تو ساری تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ یہ اسی گھڑی میں تھا کہ مسیح نے بنی آدم کا دل فتح کر لیا۔ اس سے بہت دن پہلے وہ فرما چکا تھا کہ "میں اگر میں زمین سے اُوپر اُٹھایا جاؤں۔ تو سارے آدمیوں کو اپنی طرف کھینچونگا"۔ اور اس قول کی صداقت صفحۂ تاریخ سے آشکارا ہے۔ صلیب پر لٹکتا ہؤا مسیح اُس گھڑی سے لیکر ہمیشہ انسان کے دل کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ کرتا رہا ہے۔ بنی آدم کے دل و دماغ

ہمیشہ اُس کی طرف کھنچے جاتے ہیں۔ اور اُس کا مطالعہ کرتے کرتے کبھی نہیں تھکتے۔ اور اس فریاد کی پکار وہ اعلےٰ نقطہ ہے۔ جس کی طرف تمام سوچنے والے دل خاص کر متوجّہ ہوتے ہیں۔ تھیالوجی یعنے علم الٰہی کا مرکز بھی صلیب ہی ہے۔ البتہ بعض وقت وہ ذرا اس سے پہلوتہی کرتی رہی ہے اور اسے چھوڑ کر اَور اَور مضامین میں بھٹکتی پھری ہے۔ مگر جونہی وہ گہری باتوں میں دل لگانے اور عجز و فروتنی کا وطیرہ اختیار کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ اسی مضمون کی طرف لوٹتی ہے ÷

ہاں جب وہ عاجز و فروتن ہوتی ہے تائب روحیں صلیب کی طرف کھنچی جاتی ہیں۔ اور جس قدر اُن کی توبہ زیادہ گہری ہو اُسی قدر اُن کا دل اُس میں زیادہ لگتا ہے۔ وہ مرتے ہوئے نجات دہندہ کے پاس آکر کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ مصائب سب ہم پر واقع ہونے چاہئے تھے۔ ہماری زندگی پر ہمارے جرائم کے سبب موت کا فتوےٰ لگ چکا تھا۔ اِس طور پہ ہمارا خُون بہنا چاہئے تھا۔ اور اگر ہم ہمیشہ کے لئے اِس جلاوطنی کے دشت میں ڈالے جاتے تو عین انصاف ہوتا۔ لیکن جب وہ اِس طور پہ اقرار کرتے ہیں۔ تو اُن کی وارفتہ زندگی اُنہیں مسیح کی خاطر سے واپس مل جاتی ہے۔ اور خدا کا اطمینان اُن کے دلوں پر نازل ہوتا ہے۔ اور محبّت اور خدمت کی نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ سب سے اعلےٰ مسیحی رسم بھی ہمیں اسی مقام پر لاتی اور عین اُسی موقع کی یاد دلاتی ہے۔ ”یہ میرا نئے عہد کا خُون ہے۔ جو بہتوں کے گناہوں کی معافی کے لئے بہایا گیا“ ÷

مگر صرف انہیں گہرے معنوں کے لحاظ سے ہی مسیح کا چوتھا کلمہ فتح و

نصرت کا نعرہ نہ تھا۔ بلکہ ان معنوں میں بھی کہ اُس کے ذریعہ سے اُسے دل کے غم و غصہ اور بوجھ سے نجات مل گئی ÷

بیان کیا جاتا ہے کہ جب یونانیوں سے ملاقات کے وقت اُس نے آہ بھر کر کہا کہ "باپ! مجھے اس گھڑی سے بچا"۔ تو اُس نے فی الفور اپنے کو روک لیا۔ اور فرمایا "باپ۔ اپنے نام کو جلال بخش"۔ اِسی طرح گتسمنی میں جب اُس نے دُعا کی کہ "اگر یہ ممکن ہو۔ تو یہ پیالہ مجھ سے دور ہو جائے" تو نے الفور یہ فرمایا کہ "تو بھی میری مرضی نہیں۔ بلکہ تیری مرضی پوری ہو"۔ مگر اس موقع پر اس مایوسی کی فریاد کے ساتھ اُس نے کوئی لفظ نہ فرمایا۔ جس سے توکل و تسلیم ظاہر ہو۔ لیکن یہ سمجھنا سخت غلطی ہے۔ خود اس آوازہ سے ہی۔ اگرچہ وہ مایوسی کی فریاد معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے ایمان کی مضبوطی عیاں ہے۔ دیکھو وہ کس طرح اپنے دونو ہاتھوں سے ابدیّت کا دامن پکڑتا ہے۔ "اے میرے خدا۔ اے میرے خدا"! یہ ایک دُعا ہے۔ تکلیفات و آزمائش کے دنوں میں اُس نے ہزارہا دفعہ اس تسلّی و تقویت کے وسیلہ کو استعمال کیا ہوگا۔ اور وہ اِس دکھ کی سخت گھڑی میں بھی ویسا ہی کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے مایُوسی جاتی رہتی ہے۔ جو شخص یہ کہکر دُعا مانگ سکتا ہے کہ "اے میرے خدا" وہ کبھی نہیں چھوڑا جاتا۔ جیسے کہ ایک آدمی گہرے پانی میں ہو۔ اور تہ میں اُس کے پاؤں نہ لگیں تو وہ مایُوسی کی حالت میں آگے کو ایک چھلانگ لگاتا ہے۔ اور زمین پر جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح مسیح نے اس مایوسی کی فریاد کرتے ہوئے اُس پر غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ محسوس کر کے کہ خدا نے اُسے ترک کر دیا ہے۔ وہ خدا ہی کی گود کی طرف دوڑا۔ اور خدا کے ہاتھوں نے پدرانہ محبّت کے

ساتھ اُسے اپنی گود میں چھپا لیا۔ چنانچہ جب وہ تاریکی جو زمین پر چھا گئی تھی۔ نویں گھنٹے کے قریب دُور ہو گئی۔ اُسی وقت اُس کا ذہن بھی اُس تاریکی سے جس نے اُسے دُھندلا دیا تھا۔ صاف ہو گیا۔ اور اُس کے آخری کلمات معمولی اطمینان اور سلامتی کی حالت میں کہے گئے ÷

اٹھارھواں باب

پانچواں کلمہ صلیب پر سے[1]

چوتھا کلمہ جو مسیح نے صلیب پر سے فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اُس کشمکش کے (جو خاموشی اور تاریکی کے تین گھنٹوں کے اثناء میں جو اُس کے بولے جانے سے پہلے گذرے) نہ صرف آخری حملہ کا۔ بلکہ اُس کشمکش سے اُس کے دل کے خلاصی پانے کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اِس خیال کی مُقدّس یُوحنّا کے طریق بیان سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ جو اس پانچویں کلمہ کا اس طور پر ذکر کرتا ہے کہ " جب یسوع نے جان لیا کہ اب سب باتیں تمام[2] ہوئیں تاکہ نوشتہ پورا ہو تو کہا کہ میں پیاسا ہوں"۔ یہ فقرہ "تاکہ نوشتہ پورا ہو" عموماً الفاظ "میں پیاسا ہوں" کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ گویا کہ اُس کا یہ مطلب تھا کہ یہ الفاظ کہ "میں پیاسا ہوں" اُس نے کسی اس مضمون کی پیشین گوئی کے پورا ہونے کے لئے کہے تھے۔ اور اس غرض کے لئے لوگوں نے سارے عہد عتیق کو چھان مارا ہے۔ مگر ان الفاظ کا جن کی طرف یہاں اشارہ پایا جاتا ہے کچھ پتہ نہیں چلا۔ مگر میرے نزدیک اِس فقرہ کو اِس سے پہلی عبارت

---

[1] میں پیاسا ہوں +

[2] اصل یونانی میں یہ وہی لفظ ہے۔ جو خداوند نے بعد ازاں استعمال کیا کہ "پورا ہوُا"۔ جو ممکن ہے کہ چوتھا کلمہ ہو +

کے ساتھ ملحق کرنا بہتر ہوگا کہ "یسوع نے یہ جان کر کہ اب سب باتیں پوری ہوئیں"۔ یعنے جب اُس کا کام جو خدا نے مقرر کیا تھا۔ اور جس کی پاک نوشتوں میں ہدایت تھی اختتام کو پہنچ چکا۔ تو اُسے اپنی جسمانی ضروریات کا خیال آیا۔ اور وہ بولا "میں پیاسا ہوں"۔ جب کبھی کوئی آدمی کسی خیال میں غرق ہوتا ہے۔ تو وہ عموماً جسمانی ضروریات کی طرف سے غافل ہو جایا کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ کسی دلچسپ کتاب کو پڑھتے ہوئے نیند اور خوراک کا گھنٹوں خیال تک بھی نہیں آتا۔ اور جب آدمی اُس محویت کے عالم سے نکلتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسا درماندہ ہو رہا ہے بیابان میں جب مسیح آزمایا گیا۔ تو اُس وقت بھی وہ ایسا محو ہو رہا تھا کہ اُسے جسمانی ضروریات کی کچھ فکر نہ تھی۔ لیکن جب یہ رُوحانی توغل دور ہو گیا۔ تو "اُس کے بعد اُسے بھوک لگی" +

موجودہ حالت میں جب وہ اُس رُوحانی غشی سے برآمد ہوُا۔ تو اُسے پیاس لگی۔ مجھے ایک دفعہ ایک جرمن طالب علم سے جو اُس جنگ میں جو فرانس اور پرشیا کے مابین واقع ہوئی۔ شامل تھا۔ گفتگو کا اتفاق ہوُا۔ وہ ایک لڑائی میں جو پیرس کے قریب واقع ہوئی تھی۔ زخمی ہو گیا۔ اور میدان میں پڑا رہ گیا۔ کیونکہ ہل جل نہیں سکتا تھا۔ اُسے ٹھیک ٹھیک معلوم نہ تھا۔ کہ اُس کا زخم کس قسم کا ہے۔ مگر اُسے یہ خیال گذرا کہ شائد وہ مر رہا ہے۔ درد بشدت ہو رہی تھی۔ اور اُس کے اِردگرد زخمی اور قریب المرگ آدمی آہ و نالہ کر رہے تھے۔ لڑائی ابھی زوروں پر تھی۔ اور گولے ہر طرف گرتے اور زمین کو شق کئے دیتے تھے لیکن تھوڑی دیر کے بعد ایک اَور قسم کی درد سب دُکھوں پر حاوی ہو گئی۔ اور وہ بہت جلد اپنے زخم اور خوف و دہشت

بلکہ اپنے ہمسائیوں کو بھی بھول گیا - یہ پیاس کی شدت تھی - وہ اُس وقت دنیا بھر کو ایک قطرہ پانی کے لئے دے ڈالتا - صلیب کے وقت بھی سب سے زیادہ تکلیف اِسی سے ہوتی تھی - اِس خوفناک طریق سزا کی ایذائیں نہائت مختلف اور سخت قسم کی ہوتی تھیں - مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ سب اِسی ایک مرکز یعنی شدت کی پیاس میں ایسی جمع ہو جاتی تھیں کہ پھر سوائے اِس کے اَور کسی درد کا خیال تک نہ رہتا تھا - اور اِسی تکلیف کے باعث خداوند کا پانچواں کلمہ اُس کے مُنہ سے نکلا[۱] ٭

[۱] اُسے اِس وقت چار یا اِس سے زیادہ گھنٹے صلیب پر لٹکے ہو چکے تھے - وہ آدھی رات کے قریب گرفتار ہؤا تھا - مذہبی عدالت قریب طلوعِ آفتاب ختم ہوئی - پیلاطس کی عدالت میں وہ چھ سے نو بجے تک یا اِس سے زیادہ عرصہ رہا ہوگا - وہ دوپہر کے قریب صلیب پر کھینچا گیا - اور دوپہر سے تین بجے تک تاریکی چھائی رہی - اور اُس وقت اور شام کے درمیان موت اور تدفین واقع ہوئیں - دیکھو متی ۲۷ : ۱ مرقس ۱۵ : ۲۵ و ۳۳ و ۳۴ و ۴۲ مُقدّس یُوحنّا کے بیان سے وقت کی بابت (۱۹ : ۱۴) ایک مشکل پیدا ہوتی ہے - وہ کسی اَور طریق سے وقت کا شمار کرتا ہے - دیکھو اینڈریوز صاحب کی حیاتِ مسیح صفحہ ۵۴۵ - اِسی آیت میں مُقدّس یُوحنّا بیان کرتا ہے کہ "وہ فسح کی تیاری تھی" - کیا اِس کے معنی ہیں عید کے شروع ہونے سے پہلے کا دن - یا فسح کے ہفتہ کے شروع ہونے کا سبت ؟ اَور بھی ایسے اشارات ہیں - جن سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مُقدّس یُوحنّا کے نزدیک صلیب فسح کے شروع ہونے کے ماقبل روز میں واقع ہوئی ـــ حالانکہ پہلی تین اناجیل اِسے اسکے بعد ٹھیراتی ہیں (خاصکر دیکھو یُوحنّا ۱۸ : ۲۸) جہاں سوال یہ ہے کہ آیا فسح کے معنی فسح کا برّہ ہے یا گلیلہ یا عرفہ جو اُس دعوت کا جو دوسرے دن واقع ہوتی تھی ایک حصّہ تھا اِس مسئلہ پر بہت کچھ کہا گیا ہے ٭

۱

جسمانی درد کے متعلّق صرف یہی ایک قول تھا۔ جو خداوند نے صلیب پر سے فرمایا۔ جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ مصلوب آدمی کے واسطے یہ ایک معمولی بات ہؤا کرتی تھی کہ جب اُسے میخوں سے صلیب پر جڑنے لگتے تھے تو وہ یا تو جلّادوں کی بیفائدہ منّت سماجت کرنے لگتا تھا کہ اُسے اس مصیبت سے چھُڑا دیں۔ یا اُلٹا اُنہیں گالی گلوچ دینے لگتا تھا۔ مگر اُس وقت یسُوع نے ایک کلمہ بھی نہیں کہا۔ اِس کے بعد بھی باوجودیکہ ہر گھڑی اُس کا درد بڑھتا جاتا تھا۔ اُس نے برابر اپنی طبیعت پر قابو رکھا اور اس عرصہ میں وہ یا تو دوسروں کی خبر گیری میں یا خدا سے دُعا مانگنے میں مشغول رہا +

یہ صبر و تحمّل کی ایک نہائت عظیم الشّان مثال ہے۔ اور اس سے ہماری نزاکت پسندی۔ اور درد و تکلیف سے پہلوتہی کرنے کی عادت پر سخت ملامت ہوتی ہے۔ ہم کیسے ذرا ذراسی بات پر چلّانے لگتے ہیں۔ اور اگر ہمیں ذراسی بھی تکلیف یا ضرر پہنچے۔ تو ہم کیسے چڑچڑے اور بدمزاج بن جاتے ہیں! دردِ سر ہو یا دردِ دندان۔ زکام ہو۔ یا کوئی اَور شکائت۔ بس مزاج پر قابو چھوڑنے کے لئے کافی بہانہ مل گیا۔ اور سارا گھر ہے کہ آپ کے سبب سے بے چین ہو رہا ہے۔ اِسی لئے مصیبت سے جو فائدہ ہمیں پہنچنا چاہئے۔ ہم اُس سے محروم رہتے ہیں۔ اِس سے بعض طبیعتیں تو بالکل نرش اور خود غرض ہو جاتی ہیں۔ اکثر مریض اِسی گُناہ میں گرفتار ہیں۔ وہ اپنی درد و تکلیف میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ سارا گھر اُن کے مزاج داری کا غلام بن جاتا ہے۔ مگر بہت ایسے بھی

شریف مزاج ہیں کہ وہ اِس آزمائش پر غالب آجاتے ہیں - اور اِس امر میں وہ اپنے نجات دہندہ کے نمونہ پر چلتے ہیں - ایسی بیماری کے کمرہ بھی ہیں - جہاں جانا انسان کی رُوح کو تقویت بخشتا ہے - ہم جانتے ہیں - کہ اِس جگہ ایک شخص نہائت شدت کی درد سے بجان بلب ہو رہا ہے - مگر جب تکیہ پر نظر کرو - تو ایک شیریں اور متحمل صورت نظر آتی ہے - اُس کی آواز سے بشاشت اور شکر گذاری ٹپکتی ہے - اور بجائے اس کے کہ اپنے آپ میں محو ہو جائے - وہ دوسرے کے لئے فکرمند ہو رہا ہے مجھے اس وقت ایک ایسی ہی بیمار کا حال یاد آتا ہے - جس کا ذکر ایک دوست نے مجھے سنایا تھا - اس کے کمرہ میں ہر طرف بشاشت اور کاروبار کا دَور دَورہ نظر آتا تھا سال کے ایک حصہ میں وہاں سوزن کاری اور اَور چھوٹی چھوٹی چیزوں کی جو وہ ہندوستان کے مشن سکولوں کے لئے تیار کیا کرتی تھی - ایک خاص نمائش گاہ لگا کرتی تھی - اس دور دراز ملک کے لڑکوں کی ضرورتوں کا خیال کرنے سے یہ مریضہ نہ صرف اپنی تکالیف کا مقابلہ دلیری سے کر سکتی تھی بلکہ خدا کے کام اور خدا کے بندوں کے ساتھ ایک دلپسند تعلق قائم رکھتی تھی - لیکن اُس کی حالت ایسی تھی کہ اگر وہ چاہتی تو کچھ بھی کام کاج نہ کرتی - اور اُس کو کوئی بھی قابلِ الزام نہ سمجھتا - اور بجائے اِس کے وہ اپنے گھر کے لوگوں کو دق کرتی اور اُن کے لئے تکلیف و بے آرامی کا باعث ہوتی +

لیکن مسیح کے اس کلمہ میں برداشت سے بھی بڑھ کر ایک اَور بڑا سبق نکلتا ہے - اُس نے جسمانی تکلیف کے اظہار میں گو صرف ایک ہی کلمہ بولا - مگر بولا تو سہی - اُس کی خود ضبطی میں کسی قسم کی بے اعتنائی یا غرور نہ تھا - تکلیف کے وقت بعض آدمی فقط اپنی تکلیف کو زور سے دبا کر خاموش رہتے ہیں -

جب کہ اپنی ہمت کو اس امر پر آمادہ کر کے یہ ٹھان لیتے ہیں کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ کسی کو اُن کے مُنہ سے اُف سُننے کا موقع نہ ملے۔ وہ اپنی خاموشی کو برقرار رکھنے میں۔ تو کامیاب ہوتے ہیں۔ مگر اس میں کچھ لطف نہیں۔ اُن کے دل میں تو کوئی محبت یا صبر و تحمل کا خیال نہیں۔ مگر فقط قوتِ ارادی کا زور دکھائی دیتا ہے۔ اس قسم کی آزمائش خاصکر اُس وقت وارد ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص ہمیں نقصان پہنچائے۔ اور ہم نہیں چاہتے کہ اُس پر ظاہر ہو کہ ہم کو اِس سے کس قدر دُکھ پہنچا ہے۔ تاکہ اُسے ہماری تکالیف دیکھ کر خوش ہونے کا موقع نہ ملے۔ یسُوع ایسے آدمیوں سے گھرا ہؤا تھا۔ جنھوں نے اُس پر سخت ظلم و ستم کیا تھا۔ نہ صرف اُس کو جسمانی تکلیف پہنچائی تھی۔ بلکہ اُس کی تکلیف پر ہنستے اور پھبتیاں اُڑاتے رہتے تھے۔ اگر وہ چاہتا تو یہ ارادہ کر لیتا کہ اپنی تکالیف کو اُن پر ظاہر نہ کرے۔ یا کم سے کم یہ کہ اُن سے کسی قسم کی مہربانی کا طلبگار نہ ہو۔ بعض اوقات کسی سے مہربانی کا طلبگار ہونا بہ نسبت دوسرے پر مہربانی کرنے کے زیادہ مشکل معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اِس کے لئے زیادہ تر ایسے مزاج کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو دوسروں کی تقصیروں کے معاف کرنے پر آمادہ ہو۔ مگر یسُوع نے دوسروں سے مہربانی کی درخواست ہی نہ کی بلکہ اُس کے حاصل ہونے کا بھی اُمیدوار تھا۔ اگرچہ اُن لوگوں نے جن سے وہ اُس کا خواہاں ہؤا۔ اُس کے ساتھ نہائت شرمناک سلوک کیا تھا۔ تو بھی اُسے یقین تھا کہ اُن کے دِل کی تہ میں اب بھی شائد کوئی نہ کوئی نیکی کا خیال باقی ہو۔ وہ زندگی بھر اس امر کا عادی رہا تھا کہ جن لوگوں کی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اُن میں نیکی کا ذرہ بھی باقی نہ ہوگا۔ وہ اُن لوگوں میں کوئی نہ کوئی نیکی دریافت کر لیا کرتا تھا۔ اور آخری دم تک

وہ اپنے اِس یقین پر قائم رہا۔ دنیا کا یہ مقولہ ہے کہ سب آدمیوں کو بدمعاش سمجھو۔ جب تک کہ اِس کے خلاف ثبوت نہ ملے۔ خاصکر جب کسی کا کوئی دُشمن ہوتا ہے۔ وہ اُس کی نسبت بہت ہی بُرا خیال رکھتا ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ اُس کے چال چلن کی نہائت ہی سیاہ تصویر جس میں سفیدی کو دخل تک نہ ہو کھینچتا ہے۔ جن سے ہم اختلاف رکھتے ہیں۔ ہم ہمیشہ کمینگی اور ادنےٰ مقاصد کو اُن کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اُنکے حق میں کلمہ خیر کہے تو یقین نہیں کرتے۔ مگر مسیحؑ کا یہ طریق نہ تھا۔ وہ یقین کرتا تھا کہ اِن سنگدل رُومی سپاہیوں میں بھی انسانی محبّت و مہربانی کا کوئی نہ کوئی قطرہ ضرور باقی ہوگا۔ اور وہ اس امر میں مایوس نہ ہوا +

۲

اس فریاد کو سُنکر جس سے اس قدر بیچارگی اور عجز ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ مخواہ خداوند کے دوسرے الفاظ جو اس کے بالمقابل معلوم ہوتے ہیں۔ یاد آجاتے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ جو اس سے تھوڑے ہی روز پہلے یروشلیم میں کھڑا پکار رہا تھا کہ ”اگر کوئی آدمی پیاسا ہے تو میرے پاس آئے اور پیئے“؟ کیا یہ وہی ہے۔ جو یعقوب کے کنوئیں پر کھڑا اسامری عورت سے اُس چشمہ کی طرف اشارہ کرکے کہہ رہا تھا۔ ”جو کوئی اس پانی میں سے پیئیگا۔ پھر پیاسا ہوگا۔ مگر جو کوئی وہ پانی جو میں دونگا پئے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پانی جو میں دونگا۔ اُس کے اندر پانی کا چشمہ بن جائیگا۔ جو ابدی زندگی تک اُبلتا رہیگا“؟ کیا یہ شخص وہی ہے۔ جو اِس طور پر ساری دنیا کی پیاس بجھانے کا دعویدار تھا۔ اور اب سخت درماندگی کی حالت میں پھسپھسا رہا ہے کہ ”میں پیاسا ہوں“ +

ہاں یہ وہی ہے۔ اور یہ اختلاف و تقابل خداوند کی ساری زندگی بھر اُس کی باطنی دولتمندی اور بیرونی افلاس میں برابر نظر آتا ہے۔ وہ ساری دُنیا کو دولتمند بنانے کی قدرت رکھتا تھا۔ مگر خود اُس کی ذاتی ضروریات اُن عورتوں کی امداد سے جو اُس کی پیرو تھیں۔ پوری ہوتی تھیں۔ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ "میں زندگی کی روٹی ہوں"۔ لیکن بعض اوقات وہ روٹی کے نہ ملنے سے فاقہ کرنے پر مجبور تھا۔ وہ اپنے ایمانداروں سے تختوں اور بہتیرے محلوں کا وعدہ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اپنی نسبت کہتا تھا کہ "لومڑیوں کی ماندیں ہیں۔ اور ہوا کے پرندوں کے لئے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے پاس اتنی جگہ نہیں۔ جہاں اپنا سر رکھے"۔

اس دنیا پرست زمانہ میں جب کہ آدمی کی حیثیت کا اُس کے مال و دولت سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ اور جب کہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی فکر ہر دم لوگوں کے سر پر سوار رہتی ہے۔ اس بات کو ہر وقت یاد رکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ بنی انسان کے شریف اصحاب بہت کم ایسے گزرے ہیں۔ جنہیں عیش و عشرت میں بسر کرنے کا موقع ملا ہو۔ اور وہ آدمی جنہوں نے عقلی و ذہنی مال و دولت سے بنی انسان کو دولتمند بنا دیا۔ وہ اکثر ٹکڑے ٹکڑے کے محتاج پھرا کرتے تھے۔ اکثر لوگوں نے ہائنی[1] کا نام سنا ہوگا جس کا نام علوم قدیمہ کی اشاعت کے ساتھ وابستہ ہو رہا ہے۔ جب یہ صاحب طالب علم تھے۔ بلکہ اُس وقت بھی جب وہ علمائے قدیم کی بیش قیمت تصنیفات کے نئے نئے اڈیشن چھاپ کر ملک جرمنی کے لٹریچر کو مالا مال کر رہے تھے تو وہ بیچارہ بھوکوں مرا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات پھلوں کے چھلکوں یا اور

[1] ان صاحب کی سوانح عمری ترقی جلد ۲ میں چھپ چکی ہے +

ایسی چیزوں پر جو گلیوں میں سے بٹور لاتا تھا۔ گذارا کیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر سیموئیل جانسن جس نے پہلے پہل انگریزی زبان کی لغات اور اُس کے علاوہ اَور عمدہ عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ اور جس کی ساری دُنیا مقروض ہے۔ جب وہ اِن اعلےٰ تصانیف میں مشغول تھا۔ تو اُس کے پاس جُوتی تک نہ تھی۔ جسے پہن کر باہر نکلے۔ اور اکثر اوقات یہ نہیں جانتا تھا کہ شام کا کھانا کیونکر نصیب ہوگا۔ تاریخ اِس قسم کے لوگوں کے ناموں سے بھری پڑی ہے۔ جو اگرچہ خود نہائت مفلس ولاچار تھے۔ مگر اپنی محنتوں سے دنیا کو مالامال کر گئے ✝

اِس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکالنا چاہئے کہ باطنی دولت کے حصول کے لئے ظاہراً مفلس ونادار ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ ظاہراً مفلس ہیں وہ ہمیشہ رُوحانی دولت سے مالامال نہیں ہوتے۔ بلکہ افسوس سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ اُن میں سے لاکھا ایسے ہیں کہ جیسے وہ جسمانی لحاظ سے مفلس ہیں۔ ویسے ہی بلکہ اُس سے بھی بڑھ کر ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بھی ننگے ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بطور قاعدہ کلیہ کے جو لوگ باطنی دولت رکھتے ہیں۔ اس زندگی کی اچھّی چیزوں میں سے بھی کچھ نہ کچھ اُنہیں حاصل ہے۔ کیونکہ دانائی اور سمجھ اور نیک چلنی بازاریں بھی اچھّے داموں بکتی ہے اس کے علاوہ روپیہ پیسہ کو بھی رُوح کی اعلےٰ باتوں کے حصول کے لئے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ مگر سب سے زیادہ یاد رکھنے کے لائق یہ بات ہے کہ باطنی دولت ہی حقیقی دولت ہے۔ اور ہمیں اُسی کو ڈھونڈنا اور حاصل کرنا چاہئے۔ خواہ اُس کے لئے ہمیں بیرونی اشیاء کو ترک ہی کیوں نہ کرنا پڑے اگر ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی شخص بیرونی دولت پر اندرونی دولت کو ترجیح

نہیں دیگا۔ تو یقیناً دنیا بالکل مفلس اور مادی اشیاء کی غلام ہو جائیگی اور کوئی شخص فنون لطیفہ یا علم ادب یا مذہب کا سچا خادم نہیں بن سکتا۔ اگر وہ ان سب کو دنیاوی مال و دولت پر ترجیح دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ ہم دانائی فیاضی اور روحانی قوت کے ذریعہ سے ہی انسانیت کے اعلےٰ درجوں کو حاصل کرتے ہیں۔ اور سب سے اعلےٰ صفت جو مسیح کی مانند ہے سو یہ ہے کہ ہم میں اس امر کی خواہش اور ارادہ پیدا ہو کہ ہم ایسے کام کر سکیں اور ایسی تاثیر ڈال سکیں جس سے دوسروں کی زندگیوں میں مٹھاس پیدا ہو اور وہ اعلےٰ باتوں کے لئے زیادہ فکرمند ہونا سیکھیں +

۳

یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت صلیب کے پاس ایسے لوگ بھی کھڑے تھے جو یسُوع کی اس درخواست کو رد کرنے پر مائل تھے۔ اُنھوں نے مسیح کے چوتھے کلمہ کا مطلب صحیح نہیں سمجھا تھا۔ اور یہ خیال کرتے تھے کہ وہ الیاس[1] کو بلا رہا ہے۔ اور اُنھوں نے یہ تجویز کیا کہ اُسے پانی کا قطرہ بھی نہ دیں۔ تاکہ دیکھیں کہ الیاس اُس کی امداد کو آتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک آدمی میں انسانیت کا غلبہ تھا۔ اور اُس نے یسُوع کو جو کچھ اُس نے مانگا تھا دیدیا۔ ہمارے دل میں خواہ مخواہ اس شخص کے لئے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور دل چاہتا ہے کہ کاش! میں اُس کی جگہ ہوتا +

مگر نجات دہندہ اب بھی پکار رہا ہے کہ "میں پیاسا ہوں"۔ کس طرح اور کہاں ؟ سُنو۔ "میں پیاسا تھا تم نے مجھے پینے کو دیا۔" "خداوند ہم نے تجھے کب پیاسا دیکھا۔ اور تجھے پینے کو دیا۔" "چونکہ تم نے میرے ان

[1] یعنے ایلی۔ ایلی۔ لما شبقتنی +

سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ کیا تو میرے ہی ساتھ کیا"۔ جہاں کہیں یسوع کے بہن بھائی دُکھ اُٹھا رہے ہیں۔ اور تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بیٹھے اِس امر کے منتظر ہیں کہ کوئی اُنہیں دیکھنے آئے۔ یا بسترِ مرض پر لیٹے اس امر کے حاجتمند ہیں کہ کوئی آکر اُن کی تیمارداری کرے۔ یا اُن کے خشک ہونٹوں کو پانی سے تر کرے۔ تو وہاں خود مسیح ہی یہ کہہ رہا ہے کہ "میں پیاسا ہوں" +

شائد وہ ایسا کہہ رہا ہے۔ مگر کوئی اُس کی مدد کو نہیں پہنچتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے مسیحی ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر اُنہوں نے سال بھر میں ایک دفعہ بھی کسی غریب کی امداد نہیں کی۔ وہ خدا کے گمنام بندوں کی تلاش میں تنگ و تاریک کُوچوں میں جانے یا غلیظ سیڑھیوں پر چڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ اُنہوں نے ایک غمزدہ گھر کو ایک پھول یا خوش آواز رُوحانی گیت سے ایک وقت کا کھانا دیکر خوشحال کرنے کا ہُنر ابھی تک نہیں سیکھا۔ اور نہ اُنہیں مصیبت زدوں کے ساتھ ہمدردی کرنی یا اُنہیں ذرا ہنس بول کر تسلّی دینی آتی ہے۔ اگر وہ اس قسم کی ادنٰے خدمات کو بجالانا سیکھ لیں۔ تو یقیناً بہتوں کی مسیحیت کچھ کی کچھ بن جائیگی۔ اب اُس میں ایک طرح کی جان پڑ جائیگی۔ اور خود اُن کے اپنے دل ایک قسم کی خوشی اور مسرت سے بھر جائینگے۔ جو پہلے کبھی اُن کے نصیب نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ مسیح اس امر کا ذمہ وار ہے کہ کوئی شخص جو اُس کی خدمت کرتا ہے۔ اپنا انعام نہ کھوئے۔ میرے ایک دوست نے جو امریکہ کا رہنے والا ہے مجھ سے ایک دفعہ ذکر کیا کہ جب وہ یوروپ کی سیر کر رہا تھا۔ تو اُسے ایک جہاز پر اُس کا ایک ہموطن مل گیا۔ وہ ایک دوسرے سے ہمکلام ہوئے

اور بہت جلد اُس کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا ہمکلام کہاں کا رہنے والا اور کون ہے۔ وہ کئی دن تک اکٹھے سفر کرتے رہے۔ اور میرے دوست پر اُس دوسرے شخص نے اس قدر عنائت و مہربانی کرنی شروع کی کہ آخرکار وہ اُس سے اس کی وجہ پوچھنے سے باز نہ رہ سکا۔ دوسرے نے جواب دیا کہ "سُنو! جب ہمارے ملک میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ تو میں تمہاری ریاست میں خدمت پر مامور تھا۔ اور ایک دن ہم کُوچ کرتے ہوئے اُس شہر میں سے گذرے۔ جو آپ کی جائے ولادت ہے۔ اُس دن ہم نے لمبا کُوچ کیا تھا۔ اور گرمی بہت سخت پڑتی رہی تھی۔ میں بالکل ماندہ ہو رہا تھا اور مارے پیاس کے جان بلب تھا۔ اُس وقت ایک عورت وہیں ایک گھر سے نکلی۔ اور اُس نے بڑی مہربانی سے مجھے ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ دیا اور میں اس وقت تمہارے ذریعہ سے جو اُس کے ہم شہری ہو۔ اُس کی مہربانی کا کسی قدر بدلہ اُتارنے کی کوشش کر رہا ہوں"۔ کیا اس کہانی سے ہمیں ابن اللہ کے وہ عظیم الشان الفاظ یاد نہیں آجاتے۔ کہ "جو کوئی ان چھوٹوں میں سے کسی کو شاگرد کے نام پر صرف ایک پیالہ ٹھنڈا پانی ہی پلائیگا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ وہ اپنا اجر ہرگز نہیں کھوئیگا"؟

لیکن کیا یہی بس ہے؟ کیا کوئی شخص مسیح سے اسقدر قربت حاصل کرنا چاہتا ہے کہ اُس کے اعضاء (یعنے اہل کلیسیا) کے ذریعہ سے ہی نہیں۔ بلکہ خود اُسکی لبوں کو ٹھنڈے پانی سے سیراب کرے؟ ہاں یہ بھی ممکن ہے یسُوع اب بھی فرماتا ہے کہ "میں پیاسا ہوں"۔ وہ محبّت کا پیاسا ہے۔ وہ دُعا کا پیاسا ہے وہ خدمت کا پیاسا ہے۔ وہ تقدّس کا پیاسا ہے جب کبھی کسی آدمی کا دل سچی توبہ یا محبّت یا تقدّس کے خیال سے اُسکی طرف پھرتا ہے۔ تو نجات دہندہ اُسمیں اپنی جان کے درد کو دیکھتا اور تسلی پاتا ہے

انیسواں باب

چھٹا کلمہ صلیب پر سے[1]

پانچویں کلمے کی طرح چھٹا کلمہ بھی یونانی زبان میں فقط ایک ہی لفظ ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ اکیلا لفظ ایسے سب اکیلے الفاظ سے جو کبھی کسی کی زبان سے نکلے ہوں عظیم الشّان ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لفظ تمام دنیا کی نجات پر حاوی ہے۔ اور ہزارہا آدمیوں نے گناہ کی بیقراری کے وقت یا دمِ مرگ ان الفاظ سے ایسا ہی سہارا پایا ہے۔ جیسے کہ ڈوبتا ہوا ملاّح سمندر میں تیری کا سہارا لیتا ہے +

بعض اوقات اِس سے یہ مطلب بھی سمجھا گیا ہے کہ یہ فقط زندگی کے آخری دم نکلنے کا نشان تھا۔ اور اس صورت میں اس کے معنی یہ ہونگے کہ سب ہو چکا۔ یہ جان کا درد وکمزوری آخر کار ختم ہوئے۔ مگر یسوع کے آخری الفاظ اس لہجہ میں نہیں کہے گئے تھے۔ ہم صاف پڑھتے ہیں۔ کہ پانچواں کلمہ بلند آواز سے کہا گیا تھا۔ اور ایسے ہی ساتواں بھی۔ اور اگرچہ چھٹے کلمہ کی نسبت یہ بات صاف طور پر نہیں لکھی گئی۔ تو بھی ظنِّ غالب یہ ہے کہ اس امر میں بھی وہ دوسرے دونو کلموں کے موافق ہوگا۔ یہ شکست کی فریاد نہ تھی۔ بلکہ فتح ونصرت کی +

---

[1] پورا ہؤا +

اس وقت ہمارے خداوند کے دکھ اور تکلیف اور اُس کے ساتھ ہی اُس کے کام کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور یہ سمجھنا بالکل طبعی بات ہے کہ اس کلمہ میں دونو کی طرف اشارہ تھا۔ دکھ اور کام ہر ایک زندگی کے دو پہلو ہیں۔ مگر بعض میں ایک زیادہ ہوتا ہے۔ بعض میں دوسرا۔ یسوع کے تجربہ میں دونو زور پر تھے۔ اُس کے پاس ایک بھاری کام کرنے کو تھا۔ اور اُس کے کرنے میں اُس نے سخت درد و دکھ بھی برداشت کئے۔ لیکن اب دونو کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہنچے۔ اور یہی بات ہے جو چھٹے کلمہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے یہ اوّل تو کام کرنے والے کی کامیابی کا نعرہ ہے۔ اور دوسرے دکھ اُٹھانے والے کے درد سے فراغت پانے کی ٹھنڈی سانس ہے ؀

ا

مسیح کے پاس زمین پر ایک بڑا بھاری کام کرنے کو تھا۔ جو اب پورا ہوگیا۔ یہ دم مرگ کا کلام ہمیں اُس کی زندگی کے پہلے کلام کو جو ہم تک پہنچا ہے یاد دلاتا ہے "کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجھے اپنے باپ کا کام کرنا ضرور ہے"؟ بارہ برس کی عمر میں بھی اُسے معلوم تھا کہ اُس کے آسمانی باپ نے اُسے ایک کام سپرد کیا ہے جس پر اُس کے تمام خیالات لگے رہنے چاہئیں۔ شائد ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس وقت وہ اس کام کا مطلب اُس کے وسیع معنوں کے لحاظ سے پورے طور سمجھے ہوئے تھا۔ جوں جوں وہ عمر میں ترقی کرتا گیا۔ ووں ووں وہ اُس کی حقیقت کو زیادہ زیادہ معلوم کرتا گیا۔ جب وہ تن تنہا ناصرت کے کھیتوں اور چراگاہوں میں غور و فکر کے لئے الگ چلا جایا کرتا تھا۔ اُس وقت یہ کام اُس کے دل پر حاوی اور قابض رہتا تھا۔ جب وہ دعا و نماز میں زیادہ زیادہ مشغول ہونے لگا۔ تو اُس کا عزم و استقلال بھی زیادہ زیادہ مضبوط ہوتا

گیا جس قدر وہ انسانی فطرت سے اور اپنے زمانہ کی حالت اور ضروریات سے زیادہ واقف ہوتا گیا۔ اُسی قدر زیادہ صفائی سے اُس کا کام اُس پر ظاہر ہوتا گیا۔ جب وہ عہد عتیق کے پاک نوشتوں کو سُنتا یا خود اُن کا مطالعہ کرتا تھا۔ تو وہ توریت اور انبیاء کی کتابوں میں رسوم و دستورات اور علامتوں میں اُس کا نشان پاتا تھا۔ وہاں وہ دیکھتا تھا کہ اُس کی زندگی کا پروگرام پہلے ہی سے صاف صاف تحریر ہے۔ اور شائد جب اُس کی زبان سے یہ نکلا کہ "پورا ہؤا" تو جو خیال سب سے زیادہ اُس وقت اُس کے دل پر حاوی تھا۔ سو یہ تھا کہ قدیمی پاک نوشتوں میں جو کچھ اُس کے حق میں پیشین گوئی ہوئی تھی۔ وہ سب پوری ہوگئی ۔

اور جب اُس کی پبلک زندگی شروع ہوئی تو یہ خیال کہ اُس کو ایک کام سپرد ہؤا ہے۔ جو اُسے سرانجام کرنا ہے۔ اُس کی زندگی پر بالکل حاوی ہو رہا تھا۔ یہ اُس کے چہرہ پر بلکہ اُس کی ہر ایک حرکت اور رویّہ پر منقّش معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے کام سے جو اُسے دنیا میں سرانجام کرنا ہے۔ خوب واقف ہے۔ اور اس لئے وہ بڑے استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ اُسے سرانجام کرنے کو ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "مجھے ایک بپتسما لینا ہے۔ اور جب تک وہ ہو نہ لے میں کیا ہی تنگ رہونگا" ایک عالم محویت میں جب وہ سوکار کے کنوئیں پر سامری عورت سے بات چیت کر چکا تھا۔ اور اُس کے شاگردوں نے کھانا حاضر کیا۔ تو اُس نے یہ کہکر اُسے ہٹا دیا کہ "میرے پاس کھانے کے لئے ایسا کھانا ہے جسے تم نہیں جانتے" اور پھر کہنے لگا "میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اُس کا کام پورا کروں" جب وہ آخری بار یروشلیم کو جارہا تھا۔ تو اپنے شاگردوں کے آگے آگے

جاتا تھا۔ اور وہ حیران ہو گئے۔ اور جب وہ پیچھے پیچھے چلتے تھے تو ڈرنے لگے۔ اُس کا مُدعائے زندگی اُس پر حاوی ہو رہا تھا۔ اور وہ اپنے جسم اور جان اور رُوح سمیت اُس میں غرق تھا۔ اُس نے اپنی قوّت کا ہر ایک ذرّہ اور اپنے وقت کا ہر ایک لمحہ اُس پر خرچ کر ڈالا۔ اب زندگی کے خاتمہ پر جب وہ پیچھے کو نظر دوڑاتا ہے تو اُس کے دل میں کسی قسم کا افسوس پیدا نہیں ہوتا کہ ہر ایک قابلیت جو اُسے ملی تھی۔ اُس نے اُس کا بُرا استعمال کیا ہے یا اُسے استعمال کئے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ وہ سب ایک ہی مُدعا کے لئے مرتّب کی گئی تھیں۔ اور اُسی ایک ہی کام پر خرچ کر دی گئی تھیں +

مگر مسیح کا یہ کام کیا تھا؟ کن الفاظ میں ہم اُسے بیان کریں؟ بہر صورت وہ کام اُن سب کاموں سے جو کسی ابن آدم کے سپرد ہؤا ہو بزرگ تر تھا۔ آدمی بہت کچھ کر گذرے ہیں۔ اور بعض نے تو اپنے دلپسند کام کے سرانجام کرنے میں سارا زور اور کوشش خرچ کر دی ہے۔ فاتح نے دُنیا کو اپنے زیر نگین کرنے میں اپنے کو مشغول کر دیا۔ بہی خواہ قوم نے اپنی قوم کو آزاد کرنے میں۔ فلاسفر نے ملک علم کو وسعت دینے میں۔ موجد اپنی انتھک محنت نیچر کے رازوں کو کھوجنے میں خرچ کر رہا ہے۔ ایک دوسرا آدمی غیر معلوم برّاعظموں کی تحقیقات کرنے کے لئے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جاتا ہے اور آخرکار اپنی جان اسی کوشش میں گنوا دیتا ہے۔ مگر ان میں سے کسی کا کام بھی ایسا اہم اور عظیم الشّان نہ تھا جسے یسُوع کے کام کے مقابل میں رکھ سکیں +

یہ ایک کام تھا خدا کے لئے آدمیوں کے ساتھ۔ اور آدمیوں کے لئے خدا کے ساتھ +

یہ خیال کہ یہ ایک خدا کا کام ہے۔ جو خدا نے اُس کے سپرد کیا ہے۔ اکثر مسیح کے لبوں پر رہتا تھا۔ اور یہ آگاہی اُس کے الہام و ہمّت کے بڑے بڑے وسائل میں سے تھی۔ وہ کہا کرتا تھا "مجھے اُس کا کام جس نے مجھے بھیجا ہے۔ دن ہی دن میں کرنا ضرور ہے" یا "اِس لئے میرا باپ مجھ سے محبّت رکھتا ہے۔ کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں۔ جو اُسے خوش آتے ہیں۔" اور اپنی زندگی کے کام کے خاتمہ پر اُس نے اِسی قسم کے الفاظ استعمال کئے۔ "میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا۔ میں نے وہ کام جو تُو نے مجھے کرنے کو دیا تھا پُورا کر دیا۔" یہی اُس کا کام تھا۔ یعنی زمین پر خدا کا جلال ظاہر کرنا۔ باپ کو بنی آدم پر ظاہر کر دینا +

مگر ایسا ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس کا کام آدمیوں کی طرف سے خدا کے ساتھ بھی تھا۔ یہ بات بھی اُس کے تمام اقوال اور اُس کی زندگی کے سارے طور و طریق سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ آدمیوں کو خدا کے پاس واپس لا رہا تھا۔ اور اُسے اُن رُکاوٹوں کو جو سدِّ راہ ہو رہی تھیں۔ دور کرنا تھا۔ اُسے اُس قبر پر سے جس میں بنی آدم مدفون ہو رہے تھے۔ پتھر اُٹھانا تھا۔ اور مُردوں کو پھر زندہ کر کے باہر نکالنا تھا۔ اُسے اپنا سارا زور انسانی جرم کے آہنی دروازہ پر لگا کر اُسے واکرنا تھا۔ اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ اور جب کہ اُس نے فرمایا کہ "پُورا ہؤا" تو وہ اُس وقت سارے بنی آدم سے بھی یُوں فرما رہا تھا کہ "دیکھو میں نے تمہارے سامنے ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ اور کوئی شخص اُسے بند نہیں کر سکتا۔" +

جس قدر کوئی کام زیادہ طویل اور مشکل ہوتا ہے اُسی قدر اُس کے ختم ہونے پر زیادہ تسکین اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ ہر ایک

شخص جانتا ہے کہ کسی کام کے ختم کرنے پر جس پر بہت سی محنت خرچ ہوئی اور جس پر بہت وقت لگا۔ کیسا ایک بوجھ سا دل پر سے اُٹھ جاتا ہے۔ اور وہ خود بخود بول اُٹھتا ہے "لو۔ آخر کار یہ بھی نبٹ گیا"۔ انسانی عقل و فراست اور قوّت کے اعلےٰ قسم کے کاموں کی انجام دہی سے ایک اِس قسم کی تسلّی و تسکین حاصل ہوتی ہے کہ اُسے دیکھنے اور سُننے والوں میں صدہا سال کے بعد بھی ایک قسم کی ہمدردی اور جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ شاعر کو اس سے کس قدر لطف حاصل ہؤا ہوگا۔ جب کہ زندگی بھر کی محنتوں سے علم کے خزانہ اکٹھے کرنے اور زبان کے استعمال میں کامل مہارت حاصل کرنے کے بعد اُس نے اپنی نظم "دوزخ و بہشت کا حال" یا "نقصان فردوس" پر سالہا سال تک محنت کی ہوگی۔ اور آخر کار بہزار دشواری اور جانکاہی اُسے اختتام کو پہنچا کر اور اپنا قلم لیکر۔ خاتمہ پر تمّم بالخیر لکھ دیا ہوگا؟ کولمبس کو کس قدر مزا آیا ہوگا۔ جب کہ اُس نے پہلے اپنی ساری زندگی لوگوں سے امداد مانگنے میں خرچ کرکے۔ اور آخر کار بہت سی مشکلوں اور صعوبتوں اور اپنے جہاز کے لوگوں کی بغاوتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد اُس کی نظر ڈرائین کی چوٹی پر پڑی ہوگی۔ جس سے اُس پر ثابت ہوگیا کہ اُس کی کوششیں محض خواب و خیال نہ تھیں۔ بلکہ آخر کار تکمیل کو پہنچیں؟ جب ہم پڑھتے ہیں کہ کس طرح ولیم ولبر فورس نے جس کی ساری عمر غلاموں کی آزادی کی کوششوں میں گذری۔ اپنے بستر مرگ پر یہ خبر سُنی کہ آخر انگریزی پارلیمنٹ نے تمام خرچ کی رقم جو اُس امر کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ جس پر اُس نے اپنی زندگی قربان کردی منظور کرلی ہے تو کونسا دل ایسا ہے۔ جو اُس کے ساتھ خوشی و ہمدردی میں

شریک نہ ہو۔ یہ خیال کر کے کہ کس طرح اُس وقت اُس کے کانوں میں لاکھوں آزاد شدہ غلاموں کی خوشی کے نعرے گونج رہے ہونگے؟ یہ سب باتیں اس اعلےٰ فتحمندی کے بڑے ہلکے سے نمونے ہیں۔ جو مسیح کو حاصل ہوئی ہونگی جب اُس نے اپنا زندگی کا سارا کام ختم ہوتا ہؤا دیکھا اور نعرہ مارا۔ کہ "پورا ہؤا" +

۲

اگر مسیح کے ہاتھوں میں ایک ایسا عظیم الشّان کام تھا جسے اُس نے صلیب پر تکمیل کو پہنچتے دیکھا۔ تو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ایسے ہی خاص طور سے دُکھ اُٹھانے والا بھی تھا۔ اس لئے اُس نے اُسے صلیب پر سے اپنے دُکھ درد کی نسبت بھی کہا کہ "پُورا ہؤا" +

دُکھ تکلیف کام کا دوسرا پہلو ہے۔ جیسے کہ آدمی کا سایہ اُس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ اِسی طرح اس دُکھ تکلیف کو کام کا سایہ کہنا چاہئے۔ یہ اُس کے آلہ کی روک ٹوک ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس کارکن کو اپنا کام سرانجام کرنا پڑتا ہے +

یسوع کی زندگی دُکھ تکلیف سے معمور تھی۔ کیونکہ اُسے اپنا کام ایک ایسے آلے کے ذریعہ سرانجام کرنا تھا۔ جو اُس کا بہت ہی سدِّ راہ تھا۔ اُس کا مُدعا ایسا فیض رساں تھا۔ اور وہ دُنیا کی بہتری کے لئے ایسا سرگرم تھا کہ ظاہراً یہ اُمّید ہوتی ہے کہ اُس کو ایسے کام میں ہر طرح کی حوصلہ بڑھانے والی امداد ملنی چاہئے تھی۔ وہ ایسا دیندار تھا کہ چاہئے تھا کہ تمام مذہبی قوتیں اُس کی مددگار ہوتیں۔ اور اُس کام میں اُس کا ہاتھ بٹاتیں۔ وہ ایسا محبِّ قوم تھا کہ طبعی طور پر یہ اُمّید کی جاسکتی تھی کہ لوگ ہاتھ پھیلا کر

اُسے قبول کرتے۔ وہ ایسا ہی خواہ انسان تھا کہ چاہیے تھا کہ لوگ اُسے سروں پر اُٹھا لیتے۔ لیکن ہر قدم پر اُس کی مخالفت ہوئی۔ اُس کے ملک اور زمانہ کے سب صاحبِ ثروت و عزت لوگ اُس کی مخالفت پر ڈٹ گئے۔ اور یہ مخالفت دن بدن بڑھتی گئی حتّٰے کہ کلوری پر وہ اپنی حد کو پہنچ گئی۔ جب کہ زمین اور دوزخ کی تمام قوتیں مجتمع ہو کر اُسے پامال اور فنا کرنے کے لئے جُٹ گئیں۔ اور وہ کامیاب بھی ہوئیں +

لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ تکلیف فقط کام کے کام کرنے والے پر اُلٹا کر آپڑنے کا نام ہے۔ تو ہم نے اِس راز کو پُورے طور پر حل نہیں کر دیا۔ جب کہ کام وہ ہے۔ جو ایک آدمی اپنے سارے ارادہ کی قوت سے کرتا ہے۔ تو تکلیف اُس چیز کا نام ہے۔ جو کارندہ پر اُس کے ارادہ کے خلاف واقع ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اُس کے مخالفوں اور دشمنوں کے ارادہ سے واقع ہوتی ہے۔ مگر یہی کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ اِس ارادہ سے بھی اُوپر۔ جو ممکن ہے کہ بالکل بد ہو۔ ایک اور ارادہ کام کر رہا ہے جو نیک ہے۔ اور ہماری تکالیف سے ہمارے لئے فقط نیکی ہی چاہتا ہے +

تکلیف خدا کے ارادہ سے ہے۔ یہ اُس کا بڑا اوزار ہے۔ جس کے وسیلہ وہ اپنی مُقررہ تدبیر کے مطابق اپنی مخلوقات کو ڈھال رہا ہے۔ جب کہ اپنے کام کے ذریعہ سے ہم کو چاہئے کہ جیسا وہ چاہتا ہے ہم دنیا کو ویسے ہی تراشتے جائیں۔ تکلیف کے ذریعہ سے وہ ہمیں اپنی مرضی کے مطابق تراش کر بناتا جاتا ہے۔ وہ تکالیف کے ذریعہ سے ہمارا راستہ کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے بند کر دیتا ہے۔ تاکہ ہم اُس راستہ میں جو اُس نے ہمارے لئے مُقرر کیا ہے چلیں۔ وہ ہماری خواہشوں اور

ہوسوں کو چھانٹتا ہے۔ وہ ہمیں ذلیل کرتا ہے۔ تاکہ ہم حلیم اور فرمانبردار ہوں۔ اپنے کام سے ہم دنیا کے انتظام و درستی میں مدد دیتے ہیں۔ مگر ہماری تکالیف سے وہ ہمیں درست اور پاک کرتا ہے۔ اور اُس کی نظر میں یہ بات زیادہ عظیم ہے +

شائد ہماری زندگی کا یہ نصف حصّہ قابو میں رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ زندگی کے کام کو تکمیل تک پہنچانا بھی کچھ آسان بات نہیں۔ مگر تکالیف کو برداشت کرنا اور اُن سے فائدہ اُٹھانا اس سے کہیں مشکل تر ہے۔ کیا تم نے کبھی ایسا آدمی دیکھا ہے۔ جسے نیچر نے بڑی بڑی قابلیتیں اور توفیق الٰہی نے بڑی بڑی خُوبیاں عطا کی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ اس خوبی و قابلیت کا آدمی کیا کچھ نہ کر گذریگا۔ اور جس کام کو ہاتھ لگائیگا ضرور کامیاب ہوگا۔ اگر وہ مشنری بنیگا۔ تو نارِیک بڑا عظموں میں انجیل اور تہذیب و شائستگی کی روشنی پھیلا دیگا۔ اگر پارلیمنٹ میں داخل ہؤا۔ تو اپنی فصاحت و بلاغت سے لوگوں کے دِل قابُو میں کریگا۔ اور اپنی عقل و حکمت سے قوم کو ترقّی کے اعلےٰ زینہ تک پہنچائیگا۔ اور اگر تصنیف و تالیف پر توجہّ کی۔ تو زندگی کے گہرے گہرے عُقدے حل کر ڈالیگا اور جہاں جائیگا نور کا بیج بوتا جائیگا۔ اور اپنے لئے ایک ایسی یادگار چھوڑ جائیگا۔ جو کبھی زائل نہ ہوگی۔ مگر ہم کیا دیکھتے ہیں کہ یا تو اُسے کوئی ایسی بیماری لگ جاتی ہے۔ جو جان لیکر چھوڑتی ہے۔ یا کوئی حادثہ اُسے کُچل ڈالتا ہے۔ جس سے اُسکی ساری تدبیریں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اور اُسکی زندگی کا سارا مقصد اپنی صحت کی خبرداری اور موت سے بچنے کی تجاویز میں جو بہت عرصہ تک اُس کو چھُٹی نہ دیگی۔ محدود ہو جاتا ہے۔

اور کیا جب تم اُس پر نظر کرتے ہو۔ تو تمھیں یہ خیال نہیں گزرتا کہ اُس کے لئے اس حالت میں سرِ تسلیم جھکانا اور راضی برضا ہونا زیادہ مشکل ہے۔ بہ نسبت اُس محنت و تکلیف کے جو اُسے اپنی من بھاتی تجاویز کے سرانجام کرنے میں اُٹھانی پڑتی؟ بیکار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اکثر اوقات بڑے بڑے مشکل کام کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اور اطاعت میں سر جھکانے کے لئے کوئی کارِ نمایاں کر گذرنے کی نسبت زیادہ ایمان کی حاجت ہوتی ہے +

مسیح کی زندگی بھی ہر طرف سے اسی طرح گھری اور دبی ہوئی تھی۔ ظاہراً تو یہ سب بدکردار آدمیوں کا کام معلوم ہوتا تھا۔ مگر وہ ان سب کے پسِ پشت مرضیٔ الٰہی کو دیکھتا تھا۔ اُسے جلال کی جگہ ایک شرمناک زندگی اختیار کرنی پڑی۔ ایک وسیع کارِ خیر کی جگہ ایک مختصر اور محدود کام میں مشغول رہنا پڑا۔ اور بجائے عالمگیر اور ابدی سلطنت قائم کرنے کے اُسے پیش از وقت اور ہیبت ناک موت سے مرنا پڑا۔ مگر اُس نے کبھی شکوہ نہ کیا۔ قربانی اگرچہ کئی وجہ سے تلخ معلوم دیتی تھی مگر وہ یہ خیال کر کے کہ میرے باپ کی یہی مرضی ہے۔ اُسے اپنے لئے شربت کا پیالہ سمجھتا تھا۔ اور جب یہ حالت بدتر سے بدترین ہو گئی۔ اور اُس کے مُنہ سے اِس قسم کے کلمات نکلے۔ کہ "اگر یہ ممکن ہو تو یہ پیالہ مجھ سے ہٹ جائے"۔ تو فی الفور اُس نے یہ بھی کہا کہ "تو بھی میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی پُوری ہو"۔ اور اسیطرح سیڑھی کے ہر ایک زینہ پر اُس کے خیال اُس کے باپ کے خیالوں کے ساتھ۔ اور اُس کا ارادہ اُس کے باپ کے ارادہ کے ساتھ بالکل متحد و مطابق تھا۔

اور آخر کار وہ پیالہ جسے وہ بار بار زندگی بھر پیتا رہا تھا۔ آخری بار پھر اُس کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس دفعہ وہ پہلے کی نسبت زیادہ لبالب اور

سیاہ اور تلخ تھا۔ مگر اُس نے مُنہ نہ موڑا۔ اور سب کا سب پی گیا۔ اور جب اُس نے اُسے نوشجان کر لیا۔ تو اُس کے اپنے کمال کے دائرہ کی آخری قوس کا ٹکڑا مکمّل ہو گیا۔ اور جب اُس نے آخری گھونٹ پی کر پیالہ کو پھینک دیا تو وہ پکارا کہ "پورا ہؤا" اور اُس وقت اُن لوگوں کی طرف سے بھی جو حیرت اور عبودیّت کی نگاہوں سے اس خصلت کے کامل دائرہ پر نظر کر رہے تھے گونج کی طرح یہ آواز آئی کہ "پُورا ہؤا" +

۴

اگرچہ مسیح کی زندگی کے یہ دونو پہلو خیال میں جدا جدا کئے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ دونو ایک ہی زندگی کا ظہور ہیں۔ جو کام وہ سرانجام کرنے کو آیا تھا تکلیف اور دُکھ بھی اُس کا ایک حصّہ تھا۔ اور اُس نے اُسے برداشت کر کے اُسے ایک طرح کا رُتبہ اور سرفرازی بخشی۔ اس کے علاوہ دُکھ اور تکلیف کے ذریعہ کارندہ اپنے کمال کو پہنچا۔ اور اس طرح سے اُس کے کام کو بھی اُس سے عظمت حاصل ہوئی۔ دنیا کے گناہ کے لئے کفارہ دینے میں جو اُس کا سب سے اعلےٰ کام تھا۔ اُس نے تکلیف زدہ آدمی کی حیثیت میں خدا کی مرضی کو پورا کیا۔ اور اب دونو کام پُورے ہو گئے اور اُس وقت سے دنیا کو ایک نئی چیز حاصل ہو گئی۔ اُس سے پہلے کئی ایک کمال یافتہ چیزیں حاصل تھیں۔ مگر نہ تو اُس سے پہلے اور نہ اُس کے بعد اُسے ایک کامل زندگی نصیب ہوئی +

بیسواں باب

ساتواں کلمہ صلیب پر سے[1]

اگرچہ مرنے والوں کی ساری باتیں اُن کے عزیزوں کے نزدیک خاص دلچسپی رکھتی ہیں۔ تاہم آخری کلمہ کو سب سے زیادہ عظمت دی جاتی ہے خداوند کا یہ آخری کلمہ ہے۔ اور اس وجہ سے اور نیز دیگر وجوہات کے باعث وہ ہماری خاص توجہ کے لائق ہے ✢

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مشہور و معروف انگریز نے اپنے بستر مرگ پر اپنے بھتیجے سے کہا تھا کہ "پاس آ اور دیکھ کہ کس طرح ایک مسیحی مر سکتا ہے"۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا اُس کا یہ قول دانائی پر مبنی تھا یا نہیں۔ مگر یقیناً یہ معلوم کر لینا کہ مرنا کیسے چاہئے۔ ہم فانی آدمیوں کے لئے نہائت ہی ضروری علم ہے۔ اور اسے ہم ایسے عمدہ طور سے اور کہیں نہیں سیکھ سکتے۔ جیسا کہ مسیح کی موت پر غور و فکر کرنے سے۔ یقیناً اِس آخری کلمہ سے ہمیں تعلیم ملتی ہے کہ مرنا کس طرح چاہئے۔ لیکن ہم اِس سے اور بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہمارے پاس اُسکے سمجھنے کے لئے شعور ہو۔ اس سے ہم نہ صرف موت کا ہنر بلکہ زندگی کا ہنر بھی سیکھ سکتے ہیں ✢

---

[1] اے باپ۔ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں ✢

مرتے ہُوئے نجات دہندہ کے آخری الفاظ ایک دُعا کی صورت میں تھے +

صلیب پر سے جو کلمات اُس نے فرمائے وہ سب کے سب دعائیں نہ تھے - ایک کلمہ اُس نے تائب چور سے فرمایا تھا - دوسرا اپنی ماں اور پیارے شاگرد سے - تیسرا اُن سپاہیوں کے حق میں تھا جو اُسے صلیب پر کھینچ رہے تھے - مگر دُعا اُس کی آخری گھڑیوں کی زبان تھی - یہ ایک اتفاقی بات نہ تھی کہ اُس کے آخری الفاظ دُعائیہ تھے - کیونکہ اُس کے اندر کے سارے رَو ہمیشہ خدا کی طرف ہی بہتے رہتے تھے +

اگرچہ دُعا ہر وقت اور ہر حالت کے شایاں ہیں - لیکن بعض ایسے ایسے موقع ہیں - جن کے ساتھ وہ خاص مناسبت رکھتی ہے - دن کے خاتمہ پر جب ہم خواب کے لئے جو موت کی تصویر سمجھنی چاہئے - تیار ہوتے ہیں تو دُعا ہمارے دل کی خاص حالت ہونی چاہئے - جب کوئی سخت خوف و اندیشہ دامنگیر ہو - جیسے کہ تختہ جہاز پر جب کہ دفعتہً موت سامنے آجاتی ہے - تو لوگ خود بخود دُعا کے لئے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں - عشاء ربّانی کی میز پر جب ایک خاموشی کے عالم میں روٹی اور مَے تقسیم ہو رہی ہوتی ہے - تو ہر ایک سوچ سمجھ والا آدمی دُعا میں مشغول ہوتا ہے - مگر اور حالتوں کی نسبت بستر مرگ پر خاص طور پر وہ برمحل ہوتی ہے - اُس وقت ہم خواہے نخواہے سب دُنیاوی اشیاء سے جُدا ہو رہے ہوتے ہیں - دوست اور رشتہ دار - مال و دولت - گھر کی آسائش اور زمین کی صورت - سب ہم سے رخصت ہوتے ہیں - ایسی حالت میں اُس کی طرف دل لگانا جو اکیلا ہمارے ساتھ رہیگا بالکل طبعی بات ہے - اور یہ بات

دُعا سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہی خدا کا دامن پکڑتی ہے ✤

اُس وقت دُعا مانگنا ایسی طبعی بات ہوتی ہے کہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ دُعا کو آخری گھڑی کا ایک ضروری جُز سمجھنا چاہئے۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ بستر مرگ خدا کے بغیر ایک نہائت خوفناک نظّارہ ہے۔ مگر ایسا اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ دل کے تمام خیالات کا زمین کی طرف ایسا پُرزور میلان ہوتا ہے کہ اُس وقت بھی اُنہیں اُدھر سے ہٹانا ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے بستر مرگ بھی ہیں جہاں خُدا کا خیال کرنے سے بھی دہشت دامنگیر ہوتی ہے۔ اور اس لئے مرنے والا حتےّ الامکان اُسے اپنے سے دُور رکھنا چاہتا ہے۔ اور بعض وقت اُس کے دوست بھی اس امر میں اُس کی مدد کرتے ہیں۔ اور کسی آدمی کو نہ تو ملنے دیتے ہیں۔ اور نہ کوئی ایسا کلمہ زُبان سے نکالتے ہیں۔ جس سے خواہ نخواہ اُسے خدا یاد آجائے۔ دُعا اگرچہ طبعی امر ہے۔ مگر یہ فقط اُنہی لوگوں کے لئے جنہیں اِس سے پہلے اِس کی عادت ہو رہی تھی۔ یسُوع کے واسطے تو یہ اُس کی روزمرّہ کی زبان تھی۔ وہ ہمیشہ بلاتوقّف دُعا مانگتا رہتا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ہو۔ یا لوگوں کے مجمع گاہوں میں۔ اکیلا ہو۔ یا دوسروں کی صحبت میں۔ اور دم مرگ اگر وہ خدا کی طرف متوجّہ ہؤا تو یہ اُس کی زندگی بھر کی عادت اُسے کھینچ رہی تھی ✤

اگر ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے آخری الفاظ دُعا پر مبنی ہوں۔ تو ہمیں ابھی سے دعا کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بستر مرگ پر خدا کا چہرہ ہم پر منوّر ہو تو ہمیں ابھی اُس کے ساتھ صلح وواقفیت پیدا کرنی چاہیئے اگر ہم مرتے ہوئے مسیح یا مرتے ہوئے اولیاء اللہ پر نظر کرکے یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کاش میں بھی راستبازوں کی موت مروں اور میرا انجام

بھی ویسا ہی ہو"۔ تو ہمیں ابھی سے چاہئے کہ راستبازوں کی زندگی اختیار کریں۔ اور اُنہیں کے نمونہ پر چلیں +

۲

مرتے ہوئے نجات دہندہ کا آخری کلمہ پاک نوشتوں میں سے لیا گیا تھا +

یہ پہلا مرتبہ نہ تھا کہ ہمارے خداوند نے صلیب پر نوشتوں کی عبارت نقل کی۔ "اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ کا بڑا النعرہ بھی عہد عتیق کے الفاظ میں تھا۔ اور اُس کے دوسرے کلمات میں بھی کتب مُقدّسہ کی آیات کا اشارہ پایا جاسکتا ہے +

اگر دعا مرگ ایک طبعی امر ہے تو ویسے ہی پاک نوشتہ بھی ہے۔ مختلف حالات اور مختلف ضروریات کے لئے مختلف زبانیں اور مختلف قسم کے لٹریچر خاص خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ مثلاً لاطینی قانون اور علم کی زبان ہے۔ جرمن فلسفہ کی۔ فرانسیسی گفتگو اور دربار کی۔ انگریزی تجارت کی۔ مگر زندگی کے نہایت پاک اوقات اور کاروبار کے لئے کوئی زبان بائبل سے بڑھ کر مناسب نہیں۔ خاص کر موت کے متعلق ہر امر کے لئے وہ بہت ہی مناسبت رکھتی ہے۔ مثلاً لوح قبر کے لئے کسی اَور جگہ سے فقرے نقل کرنا کیسا بے موقع معلوم ہوتا ہے۔ مگر پاک نوشتوں کی آئتیں کیسی برمحل ہوتی ہیں۔ اور بستر مرگ پر بھی اَور کوئی ایسے الفاظ نہیں۔ جو مرنے والے کی زبان پر ایسے برمحل ہوں +

یہ بات مفصلہ ذیل استنباط سے جو ایک شخص کے پرائیوٹ روزنامچہ (ڈائری) میں سے لئے گئے ہیں۔ بخوبی روشن ہوتی ہے۔

"مجھے یاد ہے کہ جب میں طالب علم تھا ایک شخص کو بستر مرگ پر دیکھنے گیا۔ وہ یونیورسٹی میں میرا رفیق تھا۔ مگر مجھ سے چند سال آگے تھا۔ اور جب وُہ کالج کی تعلیم بڑی تعریف کے ساتھ ختم کر چکا۔ تو وہ کسی نوآبادی کی یونیورسٹی میں پروفیسر فلسفہ مقرر ہو گیا۔ مگر چند ہی سال کے بعد اُس کی صحت بگڑ گئی۔ اور وہ سکاٹلنڈ کو جہاں اُس کا گھر تھا۔ اپنی زندگی کے آخری دن کاٹنے کو چلا گیا۔ موسم گرما کی ایک اتوار اور سہ پہر کا وقت تھا۔ جب میں اُسے دیکھنے گیا۔ اور ایسا اتفاق ہؤا کہ میں اُسے ہواخوری کے لئے باہر لے گیا۔ اگرچہ پہلے اُس کے بھاری جسم کو اُٹھا کر گاڑی میں بٹھانے کے وقت کچھ تکلیف ہوئی۔ مگر وہ بڑے آرام کے ساتھ گاڑی میں تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ اور تازہ ہوا کا لطف اُٹھانے لگا۔ اُس دن دو اَور دوست بھی اُس کے ہمراہ تھے۔ اور وہ بھی پُرانے کالج کے رفیق تھے۔ جو اُس کی ملاقات کو شہر سے آئے تھے۔ راستہ میں واپسی کے وقت وہ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ اور صرف میں ہی اُس کے ہمراہ تھا۔ اُس وقت اُس نے اُن کے دوستانہ سلوک اور مہربانی کا ذکر شروع کر دیا۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ 'کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ سارا دن کیا کرتے رہے ہیں؟' میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ وہ بولا 'وہ مجھے ایک کتاب پڑھ کر سناتے رہے ہیں۔ مگر آہ۔ میں اِس سے بالکل دِق آگیا۔' تب وُہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں میری طرف پھیر کر بولا 'یہ ایمان کی بات اور ہر طرح سے ماننے کے لائق ہے کہ مسیح یسوع گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دنیا میں آیا۔ جن میں سب سے بڑا میں ہوں'۔ اور پھر کہنے لگا۔ 'میرے لئے اب اَور کوئی چیز کسی کام کی نہیں'۔ میں نے خود اِس امر کا تذکرہ نہیں

چھیڑا تھا۔ شائد میں ایسے شخص سے جو مجھ پر اس قدر فوق رکھتا تھا۔ اس قسم کی گفتگو کرنے سے خائف تھا۔ مگر میرے یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ مجھے اِس امر سے کیسی خوشی ہوئی کہ مجھے ایسے بزرگ اور نیک دِل آدمی کے دل کا بھید معلوم کرنے کا موقع مل گیا" وہ کتاب جس کا اُس نے ذکر کیا ایک نہائت ہی عمدہ کتاب ہے۔ بہت تھوڑی کتابیں ہیں جو اُس پایہ کی ہیں۔ مگر زندگی میں ایسے مواقع ہیں۔ اور خاصکر وہ جو موت سے پہلے ہوتے ہیں۔ جب کہ ایسی کتاب بالکل بے محل معلوم ہوتی ہے۔ اور فی الحقیقت اَور کوئی کتاب اُس وقت سے ایسی مناسبت نہیں رکھتی۔ جیسی کہ وہ جس میں ابدی زندگی کی باتیں درج ہیں +

یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ یہ کلمات جنہوں نے اُس کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اُسے سہارا دیا عہد عتیق کے کون سے حِصّہ میں سے لئے گئے تھے۔ یہ عبارت اکتیسویں زبور میں ہے۔ دوسرا بڑا کلمہ بھی جس کی طرف میں نے اِشارہ کیا ہے۔ زبور کی کتاب میں سے یعنی بائیسویں زبور میں سے لیا گیا تھا۔ بلاشُبہ عہد عتیق کے تمام صحیفوں میں سے یہ صحیفہ نہائت ہی قیمتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ کتاب مُصنّف کے خُون سے لکھی گئی ہے۔ اِس میں انسان کے گہرے سے گہرے رنج وغم اور اعلےٰ سے اعلےٰ اُمنگوں اور ولولوں کا حال درج ہے۔ اِس میں روحانی تجربات کو نہائت صفائی اور پختگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب اولیاءاللہ کا ہمیشہ سے دستورالعمل اور ورد رہی ہے۔ اور اس کو پڑھنا اور اُس سے اُلفت رکھنا رُوحانی زندگی کی سب سے عمدہ علامات میں سے ہے +

یسوع خوب جانتا تھا کہ اُس کی زندگی کی مختلف ضروریات کے لئے

کتاب مُقدّس کا کونسا حِصّہ مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ عمر بھر بڑے شوق ومحنت سے کتاب مُقدّس کا مطالعہ کرتا رہا تھا اُس کے کان بچپن سے اُس سے برابر مانوس تھے۔ عبادت خانہ میں وہ اُسے سُنتا رہا تھا۔ غالباً وہ عبادت خانہ کے طومار لیکر علیحدگی میں بھی اُس کا مطالعہ کیا کرتا ہوگا۔ اس لئے جب اُس نے وعظ ونصیحت شروع کی۔ تو اُس کی زُبان میں اُسی کا چسکا پایا جاتا تھا۔ اور بحث مباحثہ کے وقت بھی وہ ایسی آئت موقعہ پر نقل کردیا کرتا تھا کہ اُس کے مخالفوں کا جنہیں اپنی علمیّت پر بہت گھمنڈ تھا۔ مُنہ بند ہو جاتا تھا۔ مگر وہ اپنے ذاتی کاموں میں بھی ہر ضرورت کے وقت اُس کا استعمال کرتا تھا۔ جب وہ بیابان میں تھا۔ تو اِسی کے ذریعہ اُس نے دُشمن کا مقابلہ کیا۔ اور اُس پر فتح حاصل کی۔ اور اب دمِ مرگ بھی اُس نے اُس کا اچھا سا تھدیا۔ اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے کلام الٰہی کو اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ اُنکی ہر ضرورت کے وقت وہ اُنکا مددگار ہوتا ہے۔ اگر ہم بھی چاہتے ہیں کہ وہ مرتے وقت ہمارا سہارا ہو۔ تو ہمیں چاہیئے کہ ہم زندگی بھر اُسے اپنا مشیر وصلاح کار بنائے رکھیں۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یسُوع نے زبور میں سے یہ آئت کس طرح نقل کی۔ اُس نے کچھ اُس کے شروع میں زیادہ کیا۔ اور آخر سے کچھ گھٹا دیا۔ شروع میں اُس نے لفظ "باپ" بڑھا دیا۔ یہ لفظ اِس زبور میں نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا تھا۔ عہد عتیق میں افراد انسانی نے ابھی تک خدا کو اپنا باپ کہنا نہیں سیکھا تھا۔ اگرچہ خدا کو چند مقامات میں ساری قوم کا مجموعی طور پر باپ لکھا گیا ہے۔ خدا کے ساتھ نیا تعلّق جو اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے وہ مسیح ہی کی ایجاد ہے۔ اور اس لفظ کو اس آئت میں ایزاد کرنے سے اُس نے اُس پر کچھ اور ہی رنگ چڑھا دیا۔ پر ہم بھی عہد عتیق کے ساتھ ایسا ہی

کر سکتے ہیں۔ ہم بھی عہد جدید کی معانی و مطالب کو اُس میں داخل کر سکتے ہیں۔
فی الحقیقت اِسی آئت کے متعلق ہمیں اِسی قسم کے سلوک کا ایک اور بڑا ثبوت
ملتا ہے ستفنس جو مسیحی دین کا پہلا شہید گذرا ہے۔ بہت سی باتوں میں اپنے اُستاد
کی مانند تھا۔ اور اُس نے اپنی شہادت میں بھی اُسی کی نقل کی چنانچہ موت
کے میدان میں اُس نے بھی اپنے دشمنوں کے لئے دعا کی "اے خداوند۔ یہ
گناہ ان کے حساب میں نہ لکھنا"۔ اسی طرح اُس نے مرتے وقت یہی الفاظ
نقل کئے۔ مگر ایک دوسری صورت میں۔ "اے خداوند یسوع۔ میری روح
کو قبول کر"۔ یعنی اُس نے آخری دُعا مسیح سے کی۔ جیسے کہ خود مسیح نے باپ
سے کی تھی[۱]۔ دوسری تبدیلی جو یسوع نے اِس آئت میں کی۔ وہ آخری الفاظ
کا اُڑا دینا تھا۔ جو یہ تھے کہ "کیونکہ تو نے مجھے خلاصی بخشی"۔ اُس کے لئے
ان الفاظ کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا۔ مگر ہمیں ان الفاظ کو چھوڑنا
نہیں چاہئے۔ اور اگر ستفنس کی مانند ہم بھی یہ دُعا مسیح سے کریں۔ تو ہمارے
لئے یہ الفاظ کیسے بیش قیمت اور رقّت انگیز ہونگے۔ اُس شخص سے بھی بڑھکر

[۱] کلام اللہ کے مفسّر کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دریافت کرے کہ ہر ایک آئت اور لفظ کے اُسوقت جبکہ وہ لکھا گیا اصل میں کیا معنی و مراد تھی اور اس اصلی استعمال کے دریافت کرنے میں بہت فائدہ ہوگا۔ لیکن اگرچہ شارح کا کام یہاں شروع ہوتا ہے۔ مگر یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بیبل ایک ایسی کتاب ہے جو ہر زمانہ اور قوم کے واسطے ہے۔ اور اُس پیغام کو دریافت کرنا جو وہ زمانہ حال کے لئے رکھتی ہے۔ یہ بھی شارح کا ایک ضروری فرض ہے۔ ایسے شارح بھی آج کل پائے جاتے ہیں جو اپنے قاعدے کو صحیح ٹھیراتے ہیں۔ اور جسکے رو سے پاک نوشتوں کا باغ محض سوکھی ہوئی نباتات کے نمونوں کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ پاک نوشتوں سے ایسا سلوک کرنا چاہئے۔ جیسے کہ ایک زندہ کلام سے کیا جاتا ہے +

جس نے پہلے پہل اُنہیں قلمبند کیا تھا +

۳

مرتے ہوئے نجات دہندہ نے یہ دُعا اپنی رُوح کی بابت کی تھی +

اکثر اشخاص مرتے وقت اپنے جسم کے لئے بہت فکرمند ہُوا کرتے ہیں۔ یہ شائد اُن کے جسمانی دُکھ اور تکلیف کی وجہ سے ہو۔ اور ڈاکٹر کی دوائیں بھی شائد اُن کی توجہ کو اپنی طرف لگائے رکھتی ہیں۔ بعض لوگ اپنے جسم کے لئے اِس قسم کی فکر بھی ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُس سے کیا کیا جائے۔ اور اِس امر کے لئے اپنی تکفین وتدفین کے لئے مفصّل ہدایات کرنے لگتے ہیں۔ اور اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرنے والے کا دل دم مرگ تک دُنیاوی کاروبار میں اُلجھا رہتا ہے۔ وہ اپنی جائداد کے بندوبست کے متعلّق ہدایات کرتے ہیں۔ اور اپنے خاندان کے لوگوں کی فکر اُنہیں لگی رہتی ہے۔ یسُوع کے نمونہ سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات کی طرف بستر مرگ پر توجہ کرنا نامناسب بات نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کا پانچواں کلمہ کہ "میں پیاسا ہُوں"۔ اُس کی جسمانی ضروریات کو ظاہر کرتا ہے۔ اور نیز جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا۔ تو اُس نے اپنی ماں کے آئندہ آرام وآسائش کا بندوبست کیا۔ مگر سب سے بڑی فکر اُسے اپنی رُوح کے متعلّق تھی۔ اور اُس نے اپنی آخری دُعا میں اُسی کی فکر کی +

رُوح کیا چیز ہے؟ وہ ہماری ہستی کا سب سے لطیف اور اعلےٰ اور پاک حِصّہ ہے۔ عموماً روزمرّہ کی زبان میں توہم جان کے لفظ سے اُسے یاد کیا کرتے ہیں۔ جیساکہ انسان کا ذکر کرتے ہوئے ہم کہدیا کرتے ہیں کہ وہ جسم وجان سے مرکّب ہے۔ مگر پاک نوشتوں کی زبان میں رُوح

کر سکتے ہیں۔ ہم بھی عہد جدید کی معانی و مطالب کو اُس میں داخل کر سکتے ہیں۔ فی الحقیقت اِسی آئت کے متعلق ہمیں اِسی قسم کے سلوک کا ایک اور بڑا ثبوت ملتا ہے ستفنس جو مسیحی دین کا پہلا شہید گذرا ہے۔ بہت سی باتوں میں اپنے اُستاد کی مانند تھا۔ اور اُس نے اپنی شہادت میں بھی اُسی کی نقل کی چنانچہ موت کے میدان میں اُس نے بھی اپنے دشمنوں کے لئے دعا کی " اے خداوند۔ یہ گناہ اِن کے حساب میں نہ لکھنا "۔ اِسی طرح اُس نے مرتے وقت یہی الفاظ نقل کئے۔ مگر ایک دوسری صورت میں۔ " اے خداوند یسوع۔ میری روح کو قبول کر "۔ یعنی اُس نے آخری دُعا مسیح سے کی۔ جیسے کہ خود مسیح نے باپ سے کی تھی[1]۔ دوسری تبدیلی جو یسوع نے اِس آئت میں کی۔ وہ آخری الفاظ کا اُڑا دینا تھا۔ جو یہ تھے کہ " کیونکہ تُو نے مجھے خلاصی بخشی "۔ اُس کے لئے ان الفاظ کا استعمال کرنا مناسب نہ تھا۔ مگر ہمیں ان الفاظ کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اور اگر ستفنس کی مانند ہم بھی یہ دُعا مسیح سے کریں۔ تو ہمارے لئے یہ الفاظ کیسے بیش قیمت اور رقت انگیز ہونگے۔ اُس شخص سے بھی بڑھکر

[1] کلام اللہ کے مفسر کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ دریافت کرے کہ ہر ایک آئت اور لفظ کے اُسوقت جبکہ وہ لکھا گیا اصل میں کیا معنی و مراد تھی اور اس اصلی استعمال کے دریافت کرنے میں بہت فائدہ ہوگا۔ لیکن اگرچہ شارح کا کام یہاں شروع ہوتا ہے۔ مگر یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بیئبل ایک ایسی کتاب ہے جو ہر زمانہ اور قوم کے واسطے ہے۔ اور اُس پیغام کو دریافت کرنا جو وہ زمانۂ حال کے لئے رکھتی ہے۔ یہ بھی شارح کا ایک ضروری فرض ہے۔ ایسے شارح بھی آج کل پائے جاتے ہیں جو اپنے قاعدے کو صحیح ٹھیراتے ہیں۔ اور جسکے رو سے پاک نوشتوں کا باغ محض سوکھی ہوئی نباتات کے نمونوں کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ پاک نوشتوں سے ایسا سلوک کرنا چاہئے۔ جیسے کہ ایک زندہ کلام سے کیا جاتا ہے +

جس نے پہلے پہل اُنہیں قلمبند کیا تھا +

۳

مرتے ہوئے نجات دہندہ نے یہ دُعا اپنی رُوح کی بابت کی تھی +

اکثر اشخاص مرتے وقت اپنے جسم کے لئے بہت فکرمند ہؤا کرتے ہیں۔ یہ شائد اُن کے جسمانی دُکھ اور تکلیف کی وجہ سے ہو۔ اور ڈاکٹر کی دوائیں بھی شائد اُن کی توجہّ کو اپنی طرف لگائے رکھتی ہیں۔ بعض لوگ اپنے جسم کے لئے اِس قسم کی فکر بھی ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ مرنے کے بعد اُس سے کیا کیا جائے۔ اور اِس امر کے لئے اپنی تکفین وتدفین کے لئے مفصّل ہدایات کرنے لگتے ہیں۔ اور اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرنے والے کا دل دم مرگ تک دُنیاوی کاروبار میں اُلجھا رہتا ہے۔ وہ اپنی جائداد کے بندوبست کے متعلّق ہدایات کرتے ہیں۔ اور اپنے خاندان کے لوگوں کی فکر اُنہیں لگی رہتی ہے۔ یسُوع کے نمونہ سے ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات کی طرف بستر مرگ پر توجہّ کرنا نامناسب بات نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کا پانچواں کلمہ کہ ” میں پیاسا ہُوں“۔ اُس کی جسمانی ضروریات کو ظاہر کرتا ہے۔ اور نیز جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا۔ تو اُس نے اپنی ماں کے آئندہ آرام و آسائش کا بندوبست کیا۔ مگر سب سے بڑی فکر اُسے اپنی رُوح کے متعلّق تھی۔ اور اُس نے اپنی آخری دُعا میں اُسی کی فکر کی +

رُوح کیا چیز ہے ؟ وہ ہماری ہستی کا سب سے لطیف اور اعلےٰ اور پاک حِصّہ ہے۔ عموماً روزمرّہ کی زبان میں توہم جان کے لفظ سے اُسے یاد کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ انسان کا ذکر کرتے ہوئے ہم کہدیا کرتے ہیں کہ وہ جسم وجان سے مرکبّ ہے۔ مگر پاک نوشتوں کی زبان میں رُوح

کو جان سے بھی تمیز کر کے اُسے باطنی انسان کا سب سے اعلےٰ اور لطیف حصّہ ظاہر کیا ہے۔ اُس کو ہماری فطرت کے باقی حصّوں سے وہی نسبت ہے۔ جو پھول کو پیڑ سے یا موتی کو سیپی سے ہے۔ وہ ہمارے باطن کی اُس چیز کا نام ہے۔ جو خصوصیّت کے ساتھ خدا اور ابدیّت سے متحد اور ملی ہُوئی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ یہی چیز ہے۔ جسے گناہ بگاڑنا چاہتا ہے۔ اور جسے ہمارے رُوحانی دشمن برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا تعجّب ہے کہ وہ آخری گھڑی میں اَور بھی زیادہ کوشش دکھاتے ہیں۔ کیونکہ یہ اُن کا آخری موقع ہوتا ہے۔ اور وہ بہت چاہتے ہیں کہ رُوح کو جسم سے نکلتے ہی گرفتار کر لیں۔ اور اُسے اُس کے اصلی رتبہ سے نیچے گرا کر ذلّت کی طرف لیجائیں یسوع جانتا تھا کہ اب وہ ابدیّت میں داخل ہونے کو ہے۔ اور اپنی رُوح کو اِن دشمنوں کے ہاتھوں سے چھین کر جو اس پر قابو حاصل کرنیکو آمادہ کھڑے تھے۔ اُس نے اُسے خدا کے ہاتھوں میں سونپ دیا۔ اور وہاں وہ بالکل سلامت تھا۔ کیونکہ اس ابدی و ازلی ذات کے ہاتھ مضبوط اور محافظ ہیں۔ مگر ساتھ ہی وہ ملائم اور پُر محبت بھی ہیں کیسی محبت و اُلفت کے ساتھ اِن ہاتھوں نے یسُوع کی رُوح کو قبول کیا ہو گا۔ خدا ایک قدیمی نبوّت کے صحیفہ میں اپنے ایک خادم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ "مَیں نے تجھے اپنے ہاتھوں کے سایہ میں ڈھانپ لیا ہے"۔ اور اب یسُوع اپنے سارے مرئی اور غیر مرئی دشمنوں سے رہائی پا کر جو اُسے گھیرے ہوئے تھے۔ اس نبوّت کی تکمیل اپنے حق میں ڈھونڈتا ہے +

یہ موت کا فن ہے۔ مگر کیا یہی زندگی کا فن بھی نہیں ؟ ہر ایک ابن آدم کی رُوح مرتے وقت طرح طرح کے خطرات سے گھری ہوتی ہے مگر زندگی بھر بھی یہی خطرات اُسے گھیرے رہتے ہیں۔ جیساکہ کسی کا قول

ہے کہ یہ رُوح ہمارا پھول اور ہمارا موتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ موت کے وقت سے بہت پہلے یہ پھول کُملا جائے۔ اور یہ موتی کھو بیٹھیں "جسم رُوح کے خلاف خواہش کرتا ہے"۔ اور ایسے ہی دنیا بھی آزمائشیں اُس پر حملہ کرتی ہیں۔ گناہ اُسے ناپاک کرتا ہے۔ اِس لئے زندہ آدمی کے لئے بھی اِس سے بڑھ کر اور کوئی عمدہ دُعا نہیں کہ وہ ہر صُبح اُٹھکر اپنے مُنجی کی یہی دُعا مانگا کرے۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش قسمت ہے جو اپنی رُوح کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ "میں اُسے جانتا ہوں جس پر ایمان لایا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری امانت کی اُس دن تک حفاظت کر سکتا ہے" +

۴

ہمارے نجات دہندہ کے آخری کلمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ موت کی نسبت کیا خیال رکھتا تھا +

وہ لفظ جو یسُوع نے اپنی رُوح باپ کو سونپنے میں استعمال کیا اُس سے یہ بھی مُراد ہے کہ وہ اپنی رُوح اُسے اس اُمّید سے دے رہا تھا کہ وہ پھر اُسے واپس مل جائیگی۔ وہ گویا ایک محفوظ جگہ میں اپنا خزانہ جمع کر رہا تھا۔ جہاں وہ موت کے بعد جا کر اُسے پھر حاصل کر لیگا۔ اس یُونانی لفظ کا یہی مطلب ہے۔ جیسا کہ مُقدّس پولُوس کے مذکورہ بالا قول سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے جسمیں وہ کہتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ خدا اس امانت کو جو وہ اُس کے سپُرد کرتا ہے (یہاں وہ وہی یونانی لفظ استعمال کرتا ہے جو یسُوع نے استعمال کیا تھا) اُس دن تک محفوظ رکھیگا۔ کس دن تک؟ ظاہر ہے کہ وہ کوئی وقت زمانہ مستقبل میں ہے۔ جبکہ

وہ جاکر خدا سے اُس چیز کا جو اُس نے اُس کے سپرد کی ہے۔ دعویدار ہوگا۔ اُس وقت مسیح کی نظر میں بھی کوئی ایسی ہی گھڑی تھی۔ جب اُس نے فرمایا کہ "اے باپ میں اپنی رُوح تیرے سپرد کرتا ہوں"۔ موت سے وہ تمام اجزا جن سے فطرت انسانی مرکّب ہے۔ جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ ایک جز یعنی رُوح خدا کے پاس جارہی تھی۔ دوسری جز آدمیوں کے ہاتھ میں تھی۔ جو اُس پر اپنی ساری شرارت کا زور خرچ کر رہے تھے۔ اور وہ اُس گھر کو جہاں سب نے ایک نہ ایک دن جانا ہے جارہی تھی۔ مگر یسوع ان متفرق اجزا کے دوبارہ اکٹھے آنے کا اُمیدوار تھا۔ جب کہ وہ ایک دوسرے کو پھر پالینگے۔ اور اُس کی شخصیّت کا اتحاد پھر بحال ہو جائیگا +

سب سے اہم سوال جو ایک قریب المرگ آدمی کو پوچھنا چاہیئے اور جو ایک زندہ آدمی موت پر غور کرکے پوچھ سکتا ہے۔ یہ ہے کہ "اگر آدمی مرجائے تو کیا وہ پھر زندہ ہوگا؟ کیا وہ سب کا سب مرجاتا ہے؟ اور کیا وہ ہمیشہ کے لئے مرجاتا ہے؟ آدمی کے دل میں اِس قسم کا سخت خوف و اندیشہ تو ہے کہ شائد ایسا ہی ہے۔ اور ایسے مُعلّم بھی ہمیشہ پائے جاتے ہیں۔ جو اس شُبہ کو ہمیشہ ایک مسلّمہ اور ثابت شدہ مسئلہ میں تبدیل کردیتے ہیں وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نفس ناطقہ فقط مادہ کی ایک طاقت کا نام ہے۔ اور اس لئے جب جسم کے اجزا پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ تو آدمی تحلیل ہوکر مادّی دنیا میں خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اَور لوگ ہیں۔ جو اگرچہ مادّہ اور نفس ناطقہ کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔ تو بھی یہ تعلیم دیتے ہیں کہ جب جسم مٹّی میں مل جاتا ہے۔ تو نفس ناطقہ بھی بحرِ ہستی میں جا ملتا ہے جہاں

اُس کی شخصیّت زائل ہو جاتی ہے۔ اور ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسا ایک قطرہ سمندر میں جا پڑتا ہے۔ اور پھر اِن دونو میں کوئی ملاپ ممکن نہیں ہے۔ مگر ہمارے باطن میں ایک اعلےٰ اور پاک چیز ہے۔ جو اس قسم کے مسائل کو قبول کرنا گوارا نہیں کرتی۔ اور بنی انسان کے بہترین مُعلّم ہمیشہ ہمیں حوصلہ دلاتے رہے ہیں کہ ہم اِس سے بہتر کسی چیز کی اُمّید کر سکتے ہیں۔ مگر جو یقین وہ ہمیں دلاتے ہیں۔ اُس کی بنا کسی پختہ بات پر نہیں ہُوا کرتی۔ اور اس لئے وہ بھی اِس میں کچھ ہچکچاتے نظر آتے ہیں۔ اور اُن کا اپنا یقین بھی کچھ دھندلا سا ہے۔ مگر اس امر کے لئے ہم مسیح کے پاس جاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں اُسی کے پاس ہیں۔ وہ اِس مضمون پر بغیر کسی پس وپیش کے بڑی صفائی کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اور اُس کے آخری کلمات ثابت کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ اوروں کو تعلیم دیتا تھا۔ آپ بھی اُس پر کامل یقین رکھتا تھا۔ مگر اُس نے اپنی تعلیم سے فقط حیات اور ابدیّت کو ہی آشکارا نہیں کیا۔ بلکہ وہ خود اپنی ذات میں اِس مسئلہ کی صداقت کا ثبوت و دلیل ہے۔ کیونکہ وہ خود ہماری غیر فانی زندگی ہے۔ چونکہ ہم اُس کے ساتھ متحد ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ ہم ہرگز ہلاک و فنا نہ ہونگے۔ کوئی چیز بلکہ موت بھی ہمیں اُس کی محبّت سے جُدا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اُس نے فرمایا ہے کہ "چونکہ میں جیتا ہوں۔ تم بھی جیو گے" +

مگر ہو سکتا ہے کہ اس کلمہ کے مطالعہ کرنے میں ہم نے لفظی طور پر مرنے کے فن کو سیکھ لیا ہے۔ کاشکہ ہمارے آخری الفاظ بھی یہی ہوں۔ بہت سے لوگوں کے یہی آخری الفاظ تھے۔ جب جان ہس

کو قتل گاہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ تو اُس کے سر پر ایک کاغذ لگا تھا۔ جس پر شیطانوں کی تصاویر کھینچی ہوئی تھیں۔ گویا کہ اُسکے دشمنوں نے اپنے زعم میں اُس کی رُوح کو اُنہیں کے سپرد کیا تھا۔ مگر وہ بار بار چلّاتا تھا "اے باپ۔ میں تیرے ہاتھوں میں اپنی رُوح کو سونپتا ہوں"۔ پولیکارپ اور جیروم۔ لوتھر۔ اور میلانکتھن اور اور بہت سے اصحاب کے آخری الفاظ یہی تھے۔ اپنی رُوح کے لئے خدا کے حضور جانے کو اس سے بہتر سواری کون ڈھونڈ سکتا ہے؟ لیکن خواہ ہم موت کے وقت اِس دُعا کا استعمال کر سکیں یا نہیں۔ مگر ہمیں چاہئے کہ بڑی کوشش کے ساتھ زندگی بھر اُس کا استعمال کرنے سے باز نہ رہیں۔ اُمید ہے کہ آپ بھی اِس کتاب کو بند کرنے سے پہلے یہی دُعا کرینگے کہ "اے باپ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔

اکیسواں باب

نشان اور علامتیں

اناجیل کے طرز بیان سے ظاہر ہے کہ اُن لوگوں میں سے بعض کو جنہوں نے اس میں حصّہ لیا۔ مسیح کا صلیب دیا جانا ایک ایسا معمولی واقع معلوم ہوتا تھا۔ جو کسی بات میں دوسرے ایسے ہی واقعات سے قابلِ امتیاز نہ تھا۔ برخلاف اس کے بعض اَور لوگ بھی تھے۔ جو اُس امر کے یقین کے لئے فکرمند نظر آتے تھے۔ کہ درحقیقت اس میں کوئی بات ایسی عجیب و غریب نہیں ہیں۔ جو اُسے قابلِ لحاظ بنا وے۔ مگر خدا نے اپنے بیٹے کو بالکل بغیر شہادت کے نہ چھوڑا۔ نجات دہندہ کی تکالیف کے خاتمہ کے ساتھ بعض ایسے نشان و علامات واقع ہوئیں۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ غیر مرئی دنیا میں اُن سے کیا اثر پیدا ہؤا ہے +

۱

پہلی علامت یہ تھی کہ ہیکل کا پردہ پھٹ گیا +

یہ ایک بھاری پردہ تھا۔ جو ہیکل کے مقامِ قُدس یا قدس الاقداس۔ غالباً مُؤخر الذکر کے دروازہ پر پڑا رہتا تھا۔ دونو دروازے اِس طور سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ اور یوسیفس مشہور یہودی مُؤرخ اِن پردوں کا مفصّل ذکر کرتا ہے۔ جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کے تھے

یہ پردہ پانچ ہاتھ لمبا اور سولہ ہاتھ چوڑا تھا۔ اور بابل کی ساخت تھا۔ اس میں نیلگوں سفید۔ سُرخ اور ارغوانی رنگ عجیب طور سے آمیز کئے گئے تھے۔ جو عالم کے چار عنصروں کا نشان تھے۔ یعنی سُرخ رنگ آگ کا۔ نیلگوں رنگ ہوا کا۔ سفید کتان زمین کا۔ اس لئے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے۔ اور ارغوان سمندر کا۔ اس لئے کہ وہ سمندر کی ایک قسم کی مچھلی سے نکلتا ہے +

یہ بات کہ یہ پردہ اُوپر سے نیچے تک پھاڑا گیا ہے۔ ظاہر کرتی ہے کہ یہ خدا کی اُنگلی سے پھاڑا گیا۔ لیکن یہ بات کہ آیا اُس میں کسی ظاہری وسیلہ کو بھی دخل تھا یا نہیں۔ ہم اس کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بعض کا خیال ہے کہ بھونچال جو اُس وقت واقع ہؤا۔ وہ اس کا وسیلہ تھا۔ اِس طور سے کہ اُس سے اُوپر کا شہتیر ہل گیا۔ یا اور کوئی اسی قسم کی بات واقع ہوئی۔ جس سے پردہ پھٹ گیا +

تاریخ میں ایسے عظیم واقعات کے موقعوں پر جب کہ لوگوں کے دلوں میں عجیب قسم کا اضطراب و تشویش پیدا ہو رہی ہوتی ہے ذرا ذرا سی باتیں بھی پُرمعنی سمجھی جانی لگتی ہیں۔ ایسے حادثات افراد انسانی کی زندگیوں کے عجیب و غریب انقلابات کے موقعوں پر بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کا مدار اور اثر زیادہ تر اُن جذبات پر موقوف ہوتا ہے۔ جو اُس وقت دیکھنے والوں کے دل پر مُتسلّط ہوتے ہیں۔ بلاشُبہ بعض لوگوں کو تو یہ پردے کا پھٹ جانا ایک معمولی سی بات معلوم ہوئی ہوگی۔ مگر دوسروں کے دلوں میں اس سے سینکڑوں طرح کے خیالات پیدا ہو گئے۔ مگر ہمارے نزدیک بلاشُبہ یہ واقعہ ایک اعلےٰ رُتبہ رکھتا ہے۔ اور الٰہی ہاتھوں کا

کرشمہ معلوم ہوتا ہے +

بادل اور آگ کے ستون کی طرح جو بیابان میں بنی اسرائیل کے ہمراہ رہتا تھا۔ اس کے بھی دو پہلو تھے۔ ایک عدالت کا۔ دوسرا رحمت کا +

یہ اس امر کا نشان تھا کہ یہ ہیکل ناپاک ہوگئی۔ اور الٰہی حضوری اُس میں سے نکل گئی ہے۔ اور اُس کا محل اور فائدہ اب بالکل جاتا رہا۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ اُس وقت نہ صرف عیسائیوں ہی کے دل اِس قسم کے خیالات سے بھرے ہوئے تھے۔ بلکہ یہودیوں کے بھی۔ یوسیفس یہودیوں کی ایک روائت بیان کرتا ہے۔ جس کی طرف رُومی مؤرخ ٹاکیٹس بھی اشارہ کرتا ہے کہ اس واقعہ سے چند سال بعد عید فسح کے موقع پر ہیکل کے اندرونی صحن کا مشرقی دروازہ جو ایسا بھاری تھا کہ اُس کے کھولنے کے لئے بیس آدمی درکار ہوتے تھے اور علاوہ بریں اُس وقت مُقفل ہو رہا تھا۔ دفعتاً آدھی رات کے وقت کُھل گیا۔ اور اُس کے بعد کی عید پنتیکوست کے موقع پر کاہن نے جس کا کام رات کے وقت صحن کی خبرداری کرنا تھا۔ پہلے تو ایک شور سُنا۔ جیسے کہ پاؤں کی آہٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر ایک بلند آواز سُنائی دی۔ گویا کہ بہت سی آوازیں کہہ رہی ہیں کہ آؤ۔ یہاں سے چل دیں"۔ لیکن فقط فلسطین ہی میں یہ خیال جاگزین نہ تھا کہ تاریخ میں ایک انقلاب واقع ہونے والا ہے۔ اور قدیم دنیا کا خاتمہ ہو چلا ہے۔ بلکہ پلوطارک بھی ایک روائت بیان کرتا ہے۔ جو اُس نے ایک شخص سے سُنی تھی کہ ایک دفعہ ایک شخص کسی جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ جو

ہوا تھم جانے کے سبب ایک ٹاپو کے پاس ٹھیر گیا۔ جب وہ وہاں ٹھیرا ہؤا تھا۔ تو اچانک ساحل پر سے ایک بلند اور صاف آواز سُنائی دی۔ جو جہاز کے ناخدا کا نام لیکر پُکار رہی تھی۔ دو بارہ تو وہ خاموش رہا۔ مگر جب تیسری دفعہ وہی آواز آئی۔ تو اُس نے جواب دیا۔ اِس پر وہ اور بھی بلند آواز سے کہنے لگی۔ کہ" جب تم گھر کو جاؤ تو کہہ دو کہ پان* مرگئی۔ پان قدیم علم الاصنام میں نیچر یعنی فطرت کے دیوتا کا نام تھا۔ اس لئے جس کسی نے یہ آواز سُنی۔ نہائت خوف زدہ ہو گیا۔ اور اُنہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کیا کہ آیا اس حکم کی اطاعت کی جائے یا نہیں۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ اگر واپسی کے وقت طوفانی ہوا چلتی ہو۔ تو اِس حکم کی اطاعت نہ کی جائے۔ اور اگر ہوا تھمی ہوئی ہو۔ تو کی جائے۔ ایسا اتفاق ہؤا کہ جب وہ وہاں پہنچے تو ہوا بالکل تھمی ہوئی تھی۔ اور اِس لئے ناخدا نے جہاز کے پتوار پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے وہی الفاظ کہے۔ جس پر نہ صرف اُس کی آواز کی گُونج اُٹھی۔ بلکہ ہوا بہت سے لوگوں کی چیخوں اور رونے چلّانے سے بھر گئی۔ یہ ناخدا قیصر طبریاس کے حضور میں طلب کیا گیا تھا۔ جس نے بڑی احتیاط سے اس واقعہ کی صحت کی تحقیقات کی +

اس واقعہ کے تاریک پہلو سے تو اِس پردہ کے پھٹنے سے یہ مطلب تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ دیوتاؤں کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور یروشلیم اب آئندہ کو بیت القُدس نہیں رہا۔ جہاں لوگ عبادت کو جایا کریں۔ مگر ساتھ ہی اِسکا ایک روشن پہلو بھی تھا۔ اور اسی پہلو کی وجہ سے یشوع کے رفیقوں نے اِس واقعہ کو اپنے دلوں

* PAN

میں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ مُقدّس پولُوس لکھتا ہے۔ اِس کا یہ مطلب تھا کہ وہ دیوار جو یہودیوں اور غیر قوموں کے درمیان حائل تھی۔ اب شکستہ ہو گئی۔ اور جیسا کہ عبرانیوں کے نام کے خط میں مفصّل طور پر بحث کی گئی ہے۔ اس سے یہ مُراد تھی کہ اب رسم و دستور اور درمیانیوں کا سلسلہ جس کے مطابق عہدِ عتیق کے رُو سے خدا پرست خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر پھر بھی اُس سے فاصلہ پر رہتے تھے۔ بیچ میں سے اُٹھا دیا گیا۔ خدا کا دل اب سب پر آشکارا ہو گیا۔ اور یہ دل محبّت سے معمور ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی انسان کا دل مسیح کی قربانی کے وسیلہ گُناہ آلود ضمیر سے رہائی پا کر جو وہ بیلوں اور بکروں کی قربانی سے کبھی حاصل نہ کر سکتا اب خوش و خرّم خدا کے حضور میں حاضر ہو سکتا اور ایک فرزند کی آزادی اور بے تکلّفی کے ساتھ وہاں آ جا سکتا ہے۔ "پس اے بھائیو! چونکہ ہمیں یسُوع کے خون کے سبب اُس نئی اور زندہ راہ سے پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے۔ جو اُس نے پردے یعنی اپنے جسم کو پھاڑ کر ہمارے واسطے مخصوص کی ہے۔ اور چونکہ ہمارا ایسا بڑا کاہن ہے۔ جو خدا کے گھر کا مُختار ہے۔ تو آؤ۔ ہم سچّے دل اور پورے ایمان کے ساتھ... خدا کے پاس چلیں" عبرانیوں ۱۰: ۱۹ - ۲۲ +

۲

دوسری علامت بعض مردوں کی قیامت تھی۔ "اور قبریں کھُل گئیں۔ اور بہت سے جسم اُن مُقدّسوں کے جو سو گئے تھے جی اُٹھے

اور اُس کے جی اُٹھنے کے بعد قبروں سے نکل کر مُقدّس شہر میں گئے اور بہتوں کو دکھائی دیئے"+

خواہ ہیکل کے پردہ کا پھٹنا بھونچال کے باعث ہو یا نہ ہو - مگر اس میں شک نہیں کہ یہ دوسرا نشان ضرور اُس سے تعلّق رکھتا تھا۔ فلسطین میں قبریں پہاڑوں کی غاروں میں ہوتی تھیں۔ جن کے مُنہ پر بڑے بڑے پتّھر رکھ دیا کرتے تھے۔ بھونچال کے سبب بعض قبروں کے پتّھر اپنی جگہ سے ہل گئے ہونگے۔ اور اجسام جو یا تو تختوں پر دھرے تھے۔ یا طاقوں یا محرابوں میں کھڑے کئے ہوئے تھے۔ اس سبب سے ہل جُل گئے ہونگے۔ مگر بعض میں اَور بھی ہل جُل واقع ہوئی - یعنے علاوہ بیرونی جنبش کے اُن کے اندر بھی خدا کے زندگی بخش دم نے حرکت پیدا کردی ہوگی +

بہت سے دیندار علما کے دل میں مختلف وجوہات سے اِس معجزہ نے طرح طرح کے شکوک پیدا کردئے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ یہ پاک نوشتوں کے دوسرے بیانات کے خلاف ہے۔ جن کے مطابق مسیح اُن کا جو سوتے ہیں پہلا پھل تھا۔ اگر یہ مُردہ اجسام اس بھونچال کے موقع پر پھر زندہ ہوگئے۔ تو وہ نہیں۔ بلکہ یہ پہلے پھل ٹھیرے۔ اِس کا یہ جواب ہے کہ مُقدّس متی نے اِس بارہ میں احتیاط کی ہے۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ وہ اپنی اپنی قبروں میں سے "اُس کے جی اُٹھنے کے بعد" نکلے - اِس لئے مُقدّس متی اس امر میں بھی مُقدّس پولُوس کے ساتھ متفق ہے اور مسیح ہی کو سب سے پہلے جی اُٹھنے والا ٹھیراتا ہے - مگر پھر یہ سُوال پیدا ہوتا ہے کہ زندگی حاصل کرنے اور جی اُٹھنے کے درمیانی عرصہ میں

اُن کی کیا حالت تھی؟ انجیل نویس کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہ وہ بھونچال کے وقت زندہ ہو گئے۔ مگر اس کے بعد تیسرے دن تک قبر سے نہ نکلے۔ جب تک کہ مسیح نہ جی اُٹھا۔ کیا یہ بات قابل یقین ہے؟ یا کیا یہ بھی کوئی ایسی ہی روائت ہے جیسی غیر مستند اناجیل میں پائی جاتی ہیں۔ جو کسی نہ کسی طرح انجیل متی میں گھُس آئی ہے؟ دوسرے انجیل نویس جب کہ مُقدّس متی کے ساتھ پردہ کے پھٹنے کے معاملہ میں اتفاق کرتے ہیں۔ اس امر کا کچھ بھی ذکر نہیں کرتے۔ اور پھر اُن کی رائے میں اس سارے بیان میں اُس احتیاط اور متانت کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ جو مسلّمہ اناجیل کے تصدیق شُدہ معجزات میں پائی جاتی ہیں۔ اور نیز وہ زمانہ بعد کے کلیسیا کے مشہور معجزوں سے مشابہ ہے۔ جو اکثر بعض بچّوں کا کھیل معلوم دیا کرتے ہیں ✢

اِس کے برخلاف یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدیم سے قدیم نسخے جو مُقدّس متی کی انجیل کے پائے جاتے ہیں۔ اُن میں سے کسی سے بھی یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ فقرات بعد میں کسی شخص نے ایزاد کر دئے ہیں۔ اور بہت سے باریک بین اُن کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ یہ فقرات درحقیقت اس کتاب ہی کا جُز ادر اپنی جگہ میں بالکل برمحل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ شخص جس نے اُس وقت صلیب پر جان دی۔ فی الحقیقت وُہی تھا۔ جو وہ اپنی نسبت دعوےٰ کرتا تھا۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ وہی تھا۔ تو ضرور ہے کہ اُس کی موت سے مُردوں کی سرزمین میں بھی بہت کچھ تحریک اور ہل چل پیدا ہو۔ دنیا کے زندہ مرد و عورت اُس واقعہ کی حقیقت سے جو اُن کی آنکھوں کے سامنے واقع ہو رہا تھا۔ محض

بیخبر معلوم ہوتے تھے۔ مگر غیر مرئی دنیا میں اس سے اس قدر تہلکہ مچ گیا کہ نہ ایسا پہلے کبھی ہؤا ہوگا۔ نہ پھر کبھی ہوگا۔ یہ کوئی غیر طبعی بات نہ تھی۔ بلکہ عین طبعی امر معلوم ہوتا ہے کہ بعض مردگان اس جوش اور شوق کی حالت میں اُس عالم کی حدود کو توڑ کر اِس دُنیا میں آجائیں۔ تاکہ وہ بھی وُہیں رہیں۔ جہاں مسیح تھا۔ اور یہ سؤال کہ زندہ ہونے۔ اور باہر نکل آنے کے درمیانی عرصہ میں وہ کیا کرتے رہے۔ ایک ایسی ہلکی سی بات ہے کہ بہت غور و فکر کے لائق نہیں ہے۔ بہر صورت وہ اپنے خداوند کے بعد جی اُٹھے۔ اور کیا یہ ایک مناسب امر نہ تھا کہ چالیس دن کے بعد جب وہ فرشتوں اور مُقرّب فرشتوں کے نعرہ ہائے خوشی کے درمیان آسمان پر چڑھ گیا۔ تو نہ صرف وہ خود ہی جسم میں ظاہر ہو۔ بلکہ اُس کے ساتھ ایسے نمونہ بھی پائے جائیں۔ جو اس امر کا ثبوت ہوں۔ کہ اُس کی قیامت کا نتیجہ آخر کار اُس کے مومنین کے حق میں کیا کچھ ہوگا۔ اگر کوئی یہ سؤال کرے کہ یہ مُبارک مُقدّسین کون تھے۔ جن کو یہ فوقیّت اور امتیاز بخشا گیا۔ تو ہم اِس کے جواب میں کہینگے کہ ہمیں معلوم نہیں۔ تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُن لوگوں کی خاک جنہیں خداوند اس قسم کی عزّت بخشنے سے خوش ہوتا ۔ وہاں سے بہت دور نہ تھی۔ مثلاً بزرگان مثل ابراہیم کے۔ شاہان مانند داؤد کے۔ انبیاء مثل یشعیاہ کے +

مگر اس نشان کی حقیقی مُراد اِس قسم کے خیالات پر منحصر نہیں ہے اگر کبھی یہ دریافت بھی ہو جائے کہ یہ فقرات مُقدّس متی کی انجیل میں بعد ازاں بڑھائے گئے ہیں۔ اور ہم کو یہ ماننا پڑے کہ یہ ابتدائی زمانہ کے مسیحیوں کی قوّت واہمہ کی ایجاد ہے۔ تو بھی ہمارے دل میں یہ سؤال

ضرور پیدا ہو گا کہ اِن لوگوں نے ایک ایسی بانتکیوں ایجاد کی - اور اِس کا جواب صرف یہی ہو گا کہ اس کا باعث وہ مضبوط یقین تھا - جو اُن کے دل میں شعلہ زن ہو رہا تھا کہ مسیح کی موت اور قیامت نے موت کے دروازے تمام مقدسین کے لئے کھولدئے ہیں - یہی وہ بزرگ اور جلالی ایمان تھا - جو اُن ناقابل فراموش دلوں کے تجربوں نے ایمانداروں کے دل میں پیدا کر دیا تھا - خواہ اس ایمان کے پیدا کرنے میں اِن جی اُٹھے مُقدسوں کے نظارہ نے حِصّہ لیا ہو - یا نہ لیا ہو - اور یہی اِس وقت بھی تمام کلیسیا اور بنی آدم کا ایمان ہے ٭

اگر اِس واقعہ کو بھی ایک دوسرے پردے کا پھٹنا کہیں بالکل بجا ہو گا - اگر قدیمی دُنیا میں خدا کے چہرہ پر ایک پردہ پڑا ہؤا تھا - تو ویسے ہی ابدیّت کا چہرہ بھی ایک پردہ سے ڈھنپا ہا تھا - اُن کے خیالات و عقائد اِس کی نسبت بالکل دھندلے سے تھے - وہ بالکل اِس امر کا یقین نہیں کر سکتے تھے کہ ہم محض مٹّی ہی ہیں - مگر مسیح سے الگ ہو کر سب سے بڑے داناؤں کے خیالات بھی دوسرے جہان کے متعلق کسی طرح سے صحیح یا یقینی کہلانے کے لائق نہیں ہیں - اور نہ اُن کو اِس سے بڑھ کر کچھ حیثیت حاصل ہے - جیسے دو بچّے اپنی ماں کے پیٹ میں اِس دُنیا کے حالات کے متعلق بحث کریں - بر خلاف اِسکے مسیح اِس غیر مرئی دُنیا کا ذکر ہمیشہ ایسی آزادی اور یقین کے ساتھ کیا کرتا تھا کہ گویا وہ وہاں کا رہنے والا ہے - اور اُس کے ذرّہ ذرّہ سے واقف ہے - اور اُس کی قیامت اور آسمان پر چلا جانا اُس عالم غیر فانی کا نہائت صحیح اور یقینی نظارہ ہے - جو مشکل سے کبھی اِس دُنیا کو

حاصل ہؤا ہوگا +

البتہ اس نشان میں اُس کی صحت کا تعلّق اُس کی موت کے ساتھ ہے - نہ اُس کی قیامت کے ساتھ - مگر مسیح کی قیامت اُس کی موت کے ساتھ نہائت ہی گہرا تعلّق رکھتی ہے - یہ عام طور پر گویا اُسکی راستبازی کا اعلان تھا - اس لئے چونکہ وہ فقط اپنے ہی لئے نہیں مرا بلکہ ایک پبلک یعنی عہدہ دار آدمی کی حیثیّت سے - اُس کا سرّی جسم (یعنی کلیسیا) قیامت کا ویسا ہی حقدار ہے - اور وقت مقرّرہ پر یہ ظاہر ہو جائیگا کہ چونکہ اُس نے اُن کی جانب سے ہر ایک دعوے پورا کر دیا ہے اس لئے موت کو اُن کے روک رکھنے پر کوئی اختیار نہیں ہے +

۳

پہلا نشان اِس مادّی یا طبعی دُنیا میں واقع ہؤا - دوسرا مردوں کے پاتال میں - مگر تیسرا نشان عام انسانی دنیا میں واقع ہؤا - اور یہ اُس صوبہ دار کے مُنہ سے جو اُس کے صلیب دینے پر مامور تھا - مسیح کا اقرار تھا +

ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ آیا اِس نشان کا تعلّق بھی کسی قدر بھونچال سے تھا یا نہیں - غالباً یہ بھی بھونچال کے سبب سے ہؤا - بھونچال سے جو حالت پیدا ہوتی ہے - غالباً دُنیا کی کسی اور چیز سے نہ ہوتی ہوگی - اور ایک معمولی سیدھے سادے آدمی پر جو اثر اُس کا پیدا ہوتا ہے - وہ یہ ہے کہ وہ خواہ مخواہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ خدا قریب ہے - اس لئے ظنِ غالب ہے کہ صوبہ دار نے اس بھونچال کو گویا اپنے خیالات کے لئے جو اُس کے دِل میں پیدا ہو رہے تھے - ایک قسم کی تائید ایزدی

سمجھا- اور اُس نے فی الفور سب کے سامنے اُس کا اقرار بھی کر دیا*

تاہم اُس کا یہ اقرار اُن باتوں کا نتیجہ تھا- جو وہ مسیح کے چال چلن میں عدالت میں پیش ہونے کے وقت سے لیکر آخری دم تک دیکھتا رہا تھا- اور اس سے ہمارے خداوند کے چال چلن کی خوبصورتی پر ایک نہائت عمدہ شہادت ملتی ہے- ممکن ہے کہ وہ مسیح کی گرفتاری سے لیکر آخری دم تک اُس کے ساتھ رہا ہو- اِن لاثانی گھڑیوں میں اُس نے اُس کے دشمنوں کے غضب اور بے انصافی کو ملاحظہ کیا ہوگا- اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ اُن کے مقابلہ میں وہ کیسا صابر- بُردبار- حلیم اور عالی حوصلہ تھا- اُس نے اُسے اپنے صلیب دینے والوں کے حق میں دُعا کرتے- چور کو تسلّی دیتے- اپنی ماں کے گذارہ کا بندوبست کرتے- اور خدا کی طرف لو لگاتے سُنا ہوگا- اِس سے اُس کے دل میں اُسکی طرف زیادہ زیادہ کشش پیدا ہوتی گئی ہوگی- اور اُس کا دِل اُس پر فریفتہ ہوتا گیا ہوگا- یہاں تک کہ وہ صلیب کے رُوبرُو کھڑے ہو کر بڑے غور سے اُس کی تمام باتوں کو سُنتا اور حرکات کو نگاہ رکھتا ہوگا- اور جب اُس کی آخری دُعا اُس کے مُنہ سے نکلی اور بھونچال نے گویا اُس کا جواب دیا- تو اُس کا یقین پھُوٹ نکلا- اور وہ اپنی شہادت کو ہرگز روک نہ سکا*

مُقدّس لوقا اُس کی زبانی صرف یہ الفاظ لکھتا ہے کہ "یہ ایک راستباز آدمی تھا"- مگر دوسرے انجیل نویس لکھتے ہیں کہ "یہ خدا کا بیٹا تھا" ہم کہہ سکتے ہیں کہ مُقدّس لوقا کے بیان میں دوسروں کا بیان بھی شامل ہے کیونکہ اگر صوبہ دار کے قول کا یہ مطلب تھا کہ یسُوع کا دعوےٰ حق تھا- تو

بتائیے اُس کے دعوے کیا تھے؟ پیلاطس کی عدالت کے سامنے اُس نے یہ بیان سُنا تھا کہ یسوع ابن اللہ ہونے کا دعویدار تھا۔ اور شائد اُس نے پیلاطس کے سامنے اُس کے سؤال کے جواب میں خود مسیح کو بھی اس امر کا دعوےٰ کرتے ہوئے سُنا ہو۔ اور وہ برابر سُنتا رہا تھا کہ جو لوگ صلیب کے پاس کھڑے تھے۔ وہ برابر یہ نام اور اور نام لے لے کر اُسے بُرا بھلا کہتے تھے ٭

لیکن جب اُس نے اس قسم کا اقرار کیا۔ تو اُس کا مطلب اس اقرار سے کیا تھا؟ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جو کچھ اُس کی مُراد ان الفاظ سے بحیثیت ایک بُت پرست ہونے کے ہو سکتی ہے۔ سو یہ ہو گی۔ کہ یسوع بھی کسی خُدا یا دیوتا کا بیٹا ہے۔ اُنہیں معنوں میں جن میں رومی اور یُونانی لوگ ہرکولیز۔ کاسٹر اور اور ایسے ایسے بہادروں کو دیوتاؤں کے بیٹے سمجھا کرتے تھے۔ یہ بات قرینِ عقل معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُس کی رُوح میں تحریک پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس کا ذہن کُھل گیا تھا۔ اور جب کہ ایک دفعہ اُس کا دل اس راستہ پر چل نکلا۔ تو اُس کا بعد ازاں مسیح کی معرفت میں ترقی کرنا آسان تھا۔ ایک روائت کے رو سے اُس کا نام لونگینس بیان کیا جاتا ہے۔ اور کہ وہ بعد ازاں کپادوقیہ کا بشپ ہو گیا۔ اور مسیح کے نام پر شہید ہوا[۱]

کیا یہاں ہم تیسرے پردے کا پھٹنا نہیں دیکھتے؟ خدا کے چہرہ پر ایک پردہ پڑا ہے۔ جو دور کیا جانا چاہئے۔ ابدیت کے چہرہ پر پڑا ہے جو دور کیا جانا چاہئے۔ مگر سب سے زیادہ مہلک اور خوفناک وہ پردہ ہے جو آدمی کے دل پر پڑا ہے۔ اور جو اُسے مسیح کا جلال دیکھنے سے روکتا ہے۔ یہ پردہ اُس دن قریباً اُس ساری گروہ کے دلوں پر تھا جو صلیب کے گرد

جمع تھی۔ یہ اُن بیچارے سپاہیوں کے چہروں پر تھا۔ جو مرنے والے نجات دہندہ سے چند ہی قدم کے فاصلہ پر بیٹھے جُوا کھیل رہے تھے۔ اِن کا پردہ بے پرواہی کا پردہ تھا۔ اُن مذہبی لوگوں اور عوام النّاس پر بھی پردہ پڑا تھا۔ مگر یہ تعصّب کا پردہ تھا۔ اور ایک عظیم الشّان نظّارہ جس سے بڑھکر دنیا کو کبھی دیکھنا نصیب نہیں ہؤا۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ مگر اُن کی آنکھیں بالکل اندھی تھیں *

اب انسان کی زندگی بھر اُس کے گہوارے سے لیکر قبر تک جو سب سے بڑا نظّارہ اُس کو نصیب ہو سکتا ہے۔ سو مسیح کے جلال کا نظّارہ ہے اور یہ اب بھی ہم سے ایسا ہی قریب ہے۔ جیسا کلوری کے مجمع کے قریب تھا۔ بعض اُسے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے چہرہ پر سے پردہ پھٹ گیا ہے اور وہ اِس نظّارہ کے سبب محوِ حیرت ہو کر کچھ اَور کے اَور ہی بن گئے ہیں۔ مگر اَور ہیں جو اس سے اندھے ہو جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی یسوع سے بالکل قریب ہو۔ اُس کے معاملہ میں شریک ہو۔ اُس کی زندگی اور تعلیم سے بھی خوب واقف ہو۔ مگر تو بھی اُس کے جاہ و جلال کا جو اُسکو مُنجی ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے۔ ذاتی طور پر دیکھنا نصیب نہ ہو۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی قدرت کے ایک نہائت ہی عالیشان اور خوب صورت منظر میں اپنی زندگی بسر کر دے۔ مگر اُس کے حُسن و خوبی کی اُسے خبر تک بھی نہ ہو۔ مگر وہاں ایک شاعر یا مصوّر کہیں سے آنکلتا ہے۔ اور وہ اِس حسن کی شراب کے جام پر جام لُنڈھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس سے سرمست ہو کر اُس کی ایسی عمدہ تصویر کھینچتا ہے۔ جو ایک گیت کی طرح ہمیشہ کے لئے لوگوں کے دلوں کو لُبھاتی رہتی ہے۔ اسی طرح

سے ہم میں سے بعض کو ایسا وقت یاد ہوگا - جب کہ ایک معنی میں تو وہ یسوع سے خوب واقف تھے - مگر اِس سے بڑھ کر وہ اُن کے لئے کچھ بھی نہ تھا - لیکن ایک موقع پر پہنچ کر ایسا معلوم ہُوا کہ گویا ایک پردہ پھٹ گیا ہے اور ایک عجیب تبدیلی واقع ہوگئی ہے - اور اُس وقت سے وہ جدھر دیکھتے ہیں اُدھر وہی اُنہیں نظر آتا ہے - وہ ستاروں اور پھولوں پر بھی اُسی کا نام لکھا پاتے ہیں - جب صبح کو اُٹھتے ہیں تو اُسی کے خیال میں اُٹھتے ہیں - اور جب سوتے ہیں تو اُسی کے خیال میں سوتے ہیں - گھر میں بھی وہی ہے اور باہر بھی وہی - اور وہی اُن کا سب میں سب کچھ ہے *

اِس پردہ کا پھٹنا سب سے بڑا اہم واقع ہے - کیونکہ جب یہ واقع ہوتا ہے - تو دوسری باتیں خود بخود اِس کے پیچھے پیچھے آجاتی ہیں - جب مسیح کے جلال پر نظر کرنے کے لئے ہماری آنکھیں کُھل جاتی ہیں - تو ہم بہت جلد باپ کو بھی دیکھ لیتے ہیں - اور ابدیّت کے چہرہ پر سے تاریکی اُٹھ جاتی ہے - کیونکہ ابدیّت ہمارے لئے ہمیشہ خداوند کے ساتھ رہنے کا نام ہے *

بائیسواں باب

مُردہ مسیح

عموماً موت کے بعد لاشیں فی الفور صلیب پر سے اُتاری نہیں جاتی تھیں۔ وہ وہیں صلیب پر لٹکتی رہتی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ سڑ گل کر اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر جاتی تھیں۔ یا پرند اور جنگلی جانور اُنہیں چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے۔ اور آخر کار شائد صلیب کے نیچے لکڑیاں رکھ کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ جس سے سب کچھ جل کر خاک ہو جاتا تھا۔ یہ تو رومیوں کا دستور تھا۔ مگر یہودی اس امر میں بہت محتاط تھے۔ اُن کی شریعت میں یہ حکم تھا کہ "اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو۔ جس سے اُس کا قتل واجب ہو۔ اور وہ مارا جائے۔ اور تو اُسے درخت میں لٹکا دے تو اُس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے۔ بلکہ تو اُسی دن اُسے گاڑ دے۔ (کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے۔ خدا کا ملعون ہے)۔ اس لئے چاہئے کہ تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے ناپاک نہ کی جاوے" (استثنا ٢١: ٢٢ و ٢٣)۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہودی ہمیشہ جب کبھی اُن کے رومی حاکم اِس قسم کی سزا دیتے تھے۔ تو وہ شریعت کے اس حکم کی تعمیل کرانے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر یہ طبعی بات تھی کہ وہ ایسی صورتوں میں جب کہ قتل مُقدس شہر کے قریب واقع ہو۔ یا عید فسح

کے موقع پر ہو تو وہ اس کی تعمیل کرانے کی کوشش کریں۔ موجودہ صورت میں ایک اور وجہ بھی تھی۔ کیونکہ دوسرا دن ایک بڑا سبت تھا۔ یعنی عید فسح کا سبت تھا۔ جسے ایک طرح سے دوہرا سبت کہنا چاہیئے۔ جس کی اس قسم کی ناپاک چیزوں سے۔ مثلاً لاش بے کفن و دفن پڑے رہنے سے ناپاکی اور بے حرمتی ہوتی۔ یہودی ان باتوں کے لئے بڑے غیرتمند تھے۔ اگر وہ کبھی کسی میت کو چھو بیٹھتے۔ تو اپنے کو ناپاک سمجھتے تھے۔ اور اس کے لئے اُنہیں بہت کچھ لمبی چوڑی طہارت کرنی پڑتی تھی۔ تب کہیں جاکر وہ اس ناپاکی سے پاک ہوتے تھے لیکن ایک فسح کے سبت کے موقع پر اگر کوئی مُردہ چیز اُن کی آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ یا اُن کے شہر کی زمین پر کھلی پڑی رہتی۔ تو وہ اِسے اور بھی زیادہ سخت ناپاکی سمجھتے تھے۔ اِس لئے اُن کے پیشواؤں نے رومی حاکم کے پاس جاکر یہ التجا کی کہ تینوں مصلوبوں کو لاٹھیوں سے ہلاک کردیا جائے اور سبت کے شروع ہونے سے پہلے اُن کی لاشیں گاڑ دی جائیں +

بعض کا خیال ہے کہ اس ظاہری پاکیزگی کے خیال کے پسِ پُشت اُن کی اصلی خواہش یہ تھی کہ اس طور سے یسوع کو اور بھی دُکھ دیں اور اُس کی بیحرمتی کرائیں۔ جسم کی ہڈیوں کا توڑنا اور اُنہیں لاٹھیوں سے چکنا چُور کردینا ایک نہایت خوفناک قسم کی سزا تھی اور رومی بعض اوقات اُسے عمل میں لایا کرتے تھے۔ وہ قریباً ایسے ہی بے رحمانہ اور بے حرمت کرنے والی بھی سمجھی جاتی تھی جیسے صلیب۔ مگر یہ بجائے خود ایک علیحدہ قسم کی سزا تھی۔ جو صلیب کے ساتھ شامل نہیں کی جاتی تھی۔ لیکن یہودیوں نے اِس صورت میں دونوں سزاؤں کو یکجا کرنے کی کوشش کی

تاکہ یسوع علاوہ صلیب دیئے جانے کے گویا اس طور سے بھی ایکدوسری موت مرے۔ تاہم انجیل نویس کہیں اُن کی اس قسم کی منشاء کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ بلکہ صاف یہی لکھتا ہے کہ اُن کی غرض اِس سے سبت کو بیحرمتی سے بچانا تھی۔ اور اگرچہ اُن کی عداوت سے یہ اُمّید ہوسکتی ہے کہ اُنہوں نے محض کینہ کی روسے اُس کو جلد مار ڈالنے کے لئے ہڈی توڑنے کی صلاح دی ہو۔ توبھی اس امر سے انکار کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس بارہ میں اُن کا مذہبی پاکیزگی کا خیال محض بناوٹی نہ تھا۔ یہ ایک بڑی عجیب مثال اس امر کی ہے کہ کس طرح آدمی کا ضمیر اُسے دھوکے میں ڈال دیتا ہے۔ اِن لوگوں کو دیکھو جو ابھی ایک نہائت خوفناک جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اور اُن کے ہاتھ ابھی ایک بیگناہ کے خون سے تر ہو رہے تھے۔ اور اُن کے ضمیر پر اِس کا توکچھ اثر نہ ہؤا۔ مگر وہ اس امر کے لئے اِس قدر فکرمند ہیں کہ وہ سبت کو لائق طور پر منا سکیں۔ اور اُن کی زمین رسمی ناپاکی سے محفوظ رہے۔ یہ ایک بہت بڑی مثال اس امر کی ہے کہ انسان دین کی ظاہری باتوں کے لئے تو ایسا غیرتمند ہو۔ مگر دین کی رُوح وحقیقت کی اُس میں بوبھی پائی نہ جائے ؞

اِس سے ہمیں ایک عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب ہم مذہب کے متعلق کسی بیرونی رسم و دستور کو ادا کر رہے ہوں۔ تو اُس کے ساتھ ہی ہمارا دل بھی خدا کی طرف لگا ہو۔ اور نیز یہ سبق بھی حاصل کریں کہ اگر ہم اپنے بھائی کو جسے ہم نے دیکھا ہے۔ محبّت نہیں کرتے۔ تو خدا سے بھی جسے ہم نے نہیں دیکھا۔ محبّت نہیں کرسکینگے ؞

پیلاطس نے یہودیوں کی درخواست منظور کرلی - اور اسی کے مطابق سپاہیوں کو حکم دیا گیا- اب یہ خوفناک کام شروع ہؤا- اُنہوں نے پہلے اُس آدمی کی جو مسیح کی ایک جانب تھا- دونو ٹانگیں توڑیں- اور پھر دوسرے کی- تائب چور بھی اس سزا سے نہ بچا- مگر اُس کی توبہ نے اُس کے حق میں کس قدر فرق پیدا کر دیا- اُس کے ہمراہی کے لئے یہ امر فقط اُس کی سزا اور بیحرمتی میں ایک اور ایزادی تھی- مگر اِس چور کے لئے ان ٹانگوں کا توڑا جانا ایسا تھا جیسے گویا اُس کی بیڑیاں کٹ گئیں- اور اُس کی روح کو آزادی مل گئی کہ وہ پرواز کر کے بہشت کو جائے- جہاں مسیح اُس کے ملنے کے لئے کھڑا تھا +

اب یسُوع کی باری آئی- لیکن جب سپاہیوں نے اُس کی طرف نظر کی تو معلوم کر لیا کہ اُس کا کام تمام ہو چکا ہے- موت اُن سے پہلے ہی اُس کی ملاقات کر چکی تھی- اور اُس کے جُھکے ہوئے سر اور مرجھائے جسم سے ظاہر تھا کہ وہ مر چکا ہے- مگر اس بات کو اور بھی یقینی طور پر معلوم کرنے کے لئے اُن میں سے ایک نے اپنی برچھی اُس کے جسم میں گھسیڑ دی- اور ایسا بڑا زخم لگایا کہ جب مسیح جی اُٹھا تو وہ شک کرنے والے توما رسول سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنا ہاتھ اُس میں ڈال دے- اور جب یہ ہتھیار باہر نکالا گیا- تو لہو اور پانی اُس میں سے بہ نکلا +

مُقدس یُوحنّا جو وہاں موجود تھا- اور جس نے یہ سب کچھ واقع ہوتا دیکھا- اُس نے اس واقعہ کو غیر معمولی عظمت کی نظر سے دیکھا- کیونکہ وہ اپنے بیان کے ساتھ ہی اِن الفاظ میں اُس کی تصدیق کرتا ہے- گویا کہ وہ ایک سرکاری کاغذ پر اپنی مُہر ثبت کر رہا ہے کہ "جس نے یہ

دیکھا ہے۔ اُسی نے گواہی دی ہے۔ اور اُس کی گواہی سچّی ہے۔ اور وہ جانتا ہے کہ سچ کہتا ہوں۔ تاکہ تم بھی ایمان لاؤ"۔ بھلا کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی کہانی کا سلسلہ توڑ کر جملہ معترضہ کے طور پر اس امر کا یقین دلانے کو ٹھہر جاتا ہے؟

بعض کا یہ خیال ہے کہ اُس نے ایسا اس لئے کیا کہ وہ ایک بدعت کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو قدیم کلیسیا میں رواج پا گئی تھی کہ مسیح فے الواقع انسان نہ تھا۔ اور وہ یہ کہتے تھے۔ کہ اُس کا جسم محض ایک خیالی یا ہوائی جسم تھا۔ اور اس لئے اُس کی موت ظاہری ہی میں ایسی معلوم ہوتی تھی۔ اِس خیال کی تردید میں یُوحنّا رسول ان تفصیلی باتوں کا ذکر کرتا ہے۔ جن سے یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ حقیقی انسان تھا اور کہ اُس کی موت واقعی موت تھی۔ البتہ یہ قدیم بدعت عرصہ ہؤا کہ مر چکی ہے۔ اور اِس وقت مشکل سے کوئی ایسا ہوگا۔ جو یسوع کی حقیقی انسانیت سے منکر ہو۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس میلان طبع کا کہ اُس کی زندگی کے واقعات کو کسی نہ کسی طرح سے اُڑا دیا جائے۔ اس کا ظہور ہمیشہ وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ زمانۂ حال میں متقدمسیحی معلّم یورپ میں ایسے موجود ہیں۔ جو مسیح کی قیامت کے ساتھ اُسی قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ جو یہ لوگ اُس کی موت کے واقعہ سے کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ محض استعارہ کے طور پر ہے۔ اور اِسے لفظی طور پر صحیح نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اِن کے مقابلہ میں کلیسا اُس کی قیامت کے واقعات کو پیش کرتی ہے۔ جیسے کہ مُقدّس یُوحنّا نے ہمارے نجات دہندہ کی موت کے واقعات کو پیش کیا تھا۔ ہمارے زمانہ میں ہر قسم

کے معلّم پائے جاتے ہیں۔ جو اپنی تعلیم میں مسیح سے سند لیتے ہیں۔ اور اُسی کو علم الٰہی کا مرکز ٹھیراتے ہیں۔ مگر ہم اُن سے سُؤال کرتے ہیں کہ یہ کونسا مسیح ہے؟ کیا یہ وہ مسیح ہے۔ جس کا ذکر پاک نوشتوں میں ہے۔ وہ مسیح جو ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ جو مجسّم ہوُا۔ جو جہان کے گُناہوں کے لئے مرگیا۔ مُردوں میں سے جی اُٹھا۔ اور ہمیشہ کے لئے سلطنت کرتا ہے؟ ہمیں محض لفظوں سے اپنے کو دھوکا نہیں دینا چاہئیے۔ فقط وہی مسیح جس کا ذکر پاک نوشتوں میں ہے۔ ہمیں وہ نجات جو پاک نوشتوں میں لکھی ہے۔ عطا کرسکتا ہے ؛

بعض کا یہ خیال ہے کہ اس واقعہ سے جو تعجّب وحیرت مُقدّس یُوحنّا کے دل میں پیدا ہوئی اُس کا باعث عہدِ عتیق کی دو آیتوں کا پُورا ہونا تھا۔ جنہیں وہ نقل کرتا ہے۔ ظاہراً یہ محض ایک اتفاقی بات معلوم ہوتی تھی کہ سپاہی یہودیوں کی منشاء کے خلاف یسُوع کی ہڈیاں توڑنے سے باز رہے۔ مگر پاک کلام میں جس کی اُنہیں کچھ بھی خبر نہیں تھی۔ اِس سے سینکڑوں سال پہلے لکھا جاچکا تھا کہ "اُس کی ہڈی توڑی نہ جائیگی"۔ یہ بھی ایک اتفاقی امر معلوم ہوتا تھا کہ ایک سپاہی نے یسُوع کے پہلو میں برچھی کھبودی۔ مگر ایک قدیمی پیشین گوئی جس سے وہ محض نابلد تھا۔ کہہ چکی تھی کہ "وہ اُس پر جسے اُنہوں نے چھیدا نظر کرینگے"۔ اس طرح سے خدا کے مقرّرہ ارادے کے مطابق یہ سپاہی اپنی وحشیانہ حرکات سے بھی پاک نوشتوں کے بیانات کو پُورا کر رہے تھے۔ اور جنہوں نے اِس امر کو دیکھا اور نیز پاک نوشتوں سے بھی واقف تھے۔ اُنہوں نے جان لیا کہ الٰہی اُنگلی

یسوع کو صاف صاف خدا کا بھیجا ہؤا ابتا رہی ہے +

پہلی آئت کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خروج کی کتاب میں سے لی گئی ہے۔ جہاں فسح کی رسم کا حال درج ہے۔ اور دراصل فسح کے برّہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس کی بابت یہ حکم تھا کہ وہ ثابت کھایا جائے اور اُس کی ہڈی نہ توڑی جائے۔ مُقدّس یُوحنّا کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ یسُوع عہد جدید کا برّہ ہے۔ اور اس لئے انتظام الٰہی یہ تھا کہ اُس کی کوئی ہڈی نہ توڑی جائے تاکہ اصل نمونہ کے ساتھ مشابہت میں فرق نہ آئے۔ اور ہڈی توڑنے کی صورت میں یہ مشابہت قائم نہ رہتی۔ یہودی تاریخ کے تمام زمانوں میں عید فسح ایک عظیم الشّان عید سمجھی جاتی تھی۔ اِس سے غرض یہ تھی کہ اُسکی یاد آوری سے لوگ اُس عجیب وغریب زمانہ کو یاد رکھیں۔ جب خدا نے اپنے فضل وقدرت سے اُن کو ایک مستقل قوم بنا دیا۔ اور اپنے دست قدرت سے مصریوں کی غلامی سے رہا کر کے مصر سے باہر نکال لایا۔ اور اِس عید کی خاص رسم فسح کے برّہ کا ذبح کرنا اور کھانا تھا۔ اس سے وہ یاد کرتے تھے کہ کس طرح مصر میں اِس برّہ کے خون کے سبب جو اُن کے گھروں کے دروازوں پر چھڑکا گیا تھا۔ وہ فنا کرنے والے فرشتے کے ہاتھ سے جو ملک میں سے گزر رہا تھا محفوظ رہے۔ اور کس طرح اس برّہ کا گوشت ایسی حالت میں جب اُن کی کمریں کسی ہوئی تھیں۔ اور لاٹھیاں اُن کے ہاتھ میں تھیں۔ کھایا گیا تھا۔ اور اس کے گوشت سے اُنہیں اس خوفناک سفر کے لئے قوت حاصل ہوئی۔ اس طرح تمام زمانوں میں اس رسم سے دو باتیں اُن کے ذہن نشین کی جاتی تھیں۔ اوّل یہ کہ گذشتہ گناہوں کی معافی ملنی چاہئے۔ اور دوسری

کہ آئندہ سال کے لئے جو اس نئی فسح کے بعد شروع ہوتا تھا۔ اُنہیں عالم بالا سے زور و قوّت عطا ہونی چاہئے۔ اسی طرح عہد جدید میں ہمارے دل ہمیشہ خدا کے فضل اور قدرت کے اُس عجیب و غریب مکاشفہ کی طرف لگائے جاتے ہیں۔ جس سے مسیحی دین پیدا ہؤا۔ اور یہاں بھی عین وسطی جگہ اُس ذبح شدہ برّے کو حاصل ہے۔ جو ہمارے گذشتہ گناہوں کا کفّارہ ہے۔ اور جس سے آئندہ جدّ و جہد اور سفر دنیا کے لئے ضروری طاقت عطا ہوتی ہے۔ "اگر ہم نور میں چلیں۔ جس طرح کہ وہ نور میں ہے۔ تو ہماری آپس میں شراکت ہے۔ اور اُس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہ سے پاک کرتا ہے" +

دوسری پیشین گوئی جو مُقدّس یُوحنّا کے نزدیک اِس واقعہ سے پُوری ہوئی یہ تھی کہ "وہ اُس پر جسے اُنہوں نے چھیدا نظر کرینگے"۔ یہ آئت ذکریاہ نبی کے صحیفہ میں درج ہے۔ اور جو ایسی عجیب و غریب ہے کہ اُسے تمام و کمال یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ "اور میں داؤد کے گھرانے پر اور یروشلم کے باشندوں پر فضل اور مناجات کی روح برساؤنگا اور وے مجھ پر جسے اُنہوں نے چھیدا ہے۔ نظر کرینگے۔ اور وے اُس کے لئے ماتم کرینگے۔ جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے ماتم کرتا ہے۔ اور وے اُس کے لئے تلخ کام ہونگے۔ جس طرح سے کوئی اپنے پہلوٹے کے لئے تلخ کامی میں پڑتا ہے" +

یہوواہ اُس مخالفت کو جو اُس کے اور اُس کے خادموں کے درمیان واقع ہوئی۔ استعارہ کے طور پر اپنے چھیدنے اور دُکھ دینے سے تعبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم بھی جب کوئی ہماری بےعزّتی کرے۔ کہا کرتے

ہیں کہ اُس نے میرا دل چھید دیا۔ مگر مسیح کی موت میں یہ استعارہ ایک حقیقت میں تبدیل ہو گیا۔ ابن اللہ کے جسم پاک پر برچھی کا وار کیا گیا اور اُسے چھید اگیا۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مُقدّس یُوحنّا اُسے رومی سپاہیوں کی طرف نہیں۔ بلکہ یہودی قوم کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مگر نبوّت میں نہ صرف لوگوں کے خدا کو چھیدنے کا۔ بلکہ اپنے اس کام پر شرمساری اور اشکباری کے ساتھ نظر کرنے کا بھی ذکر ہے۔ یہ بات عید پنتیکوست پر پوری ہونی شروع ہوئی۔ اور اُس وقت سے لیکر ہر زمانے میں یہودی قوم میں ایسے آدمی پائے گئے ہیں۔ جو اس کارروائی کے متعلق اپنے جرم کا اقرار کرتے رہتے ہیں۔ لیکن پورا اقرار ابھی تک معرض التواء میں ہے۔ مگر خدا کی یہ قدیم اُمّت جب کبھی رجوع لاویگی تو اُس کا آغاز اِسی گریہ و فریاد سے ہونا چاہیئے۔ درحقیقت ہر ایک انسان جب اُس کو اپنے حقیقی رشتہ کی جو وہ مسیح سے رکھتا ہے خبر ہوتی ہے۔ تو وہ بھی یہی اقرار کرتا ہے۔ یہ فقط چند رومی سپاہی یا ایک خاص قوم کے سر برآوردہ لوگ ہی نہیں تھے۔ جنہوں نے مسیح کی طرف سے اپنے دل کو سخت کر لیا تھا۔ بلکہ سارے بنی انسان کا یہی حال تھا۔ یہ ساری دنیا کا گناہ تھا۔ جس نے اُسے صلیب پر چڑھایا۔ اور اُس کا خون بہایا۔ اس لئے ہر ایک گنہگار کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ وہ بھی اس میں شریک تھا۔ اور صرف اُسی وقت جب ہم اپنے گناہ کی نسبت یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ گویا خدا کے بیٹے کی ذات میں خود ذات الٰہی پر حملہ کرتا ہے۔ تو ہم اُس کی حقیقت اور بڑائی کو سمجھ سکینگے +

بہت سے اور لوگ ہیں۔ جو یُوحنّا کی حیرت و تعجّب کا باعث اِس

امر کو سمجھتے ہیں کہ اُس نے مسیح کے پہلو سے خون اور پانی بہتا دیکھا۔ ایک لاش کو اگر چھیدا جائے۔ کم سے کم اگر اُسے مرے کچھ وقت ہو گیا ہو۔ تو عموماً اُس میں سے کچھ نہیں بہا کرتا۔ جس بات نے اُسے فریفتہ کر لیا۔ وہ یہ تھی کہ نجات دہندہ کا جسم گویا چھیدنے سے ایک چشمہ بن گیا۔ جس میں سے یہ دو قسم کی رطوبت خارج ہوئی۔ جب بیابان میں موسٰے نے اپنا عصا چٹان پر مارا۔ تو اُس میں سے پانی بہ نکلا۔ جس سے ہلاک ہوتی ہوئی جماعت کو زندگی مل گئی۔ مگر یہ دو چیزیں جو یسوع کے پہلو سے بہ نکلیں۔ وہ یوحناؔ کی نظر میں گویا اس سے بھی کہیں بہتر تھیں۔ کیونکہ اُس کے نزدیک خون گویا صلح و کفارہ کی علامت تھا۔ اور پانی مسیح کی روح کی۔ اور ان دونو باتوں پر ساری نجات کا مدار ہے۔ اسی کے مطابق ہم اپنے ایک مشہور گیت میں گایا کرتے ہیں۔ ؎

آب و خوں جو بہے تھے ۔ تیرے چھدے پہلو سے
وہ گناہ کی دوا ہو ۔ دوزخ سے بچانے کو

اگرچہ مُقدّس یُوحنّا نے شائد اس امر پر غور نہیں کیا کہ مسیح کے زخمی پہلو سے ان دو چیزوں کے بہ نکلنے کی کیا وجہ تھی۔ مگر اور لوگوں نے اس امر کی طرف توجّہ کی ہے۔

بعض نے تو اس بات کو ایک بالکل غیر طبعی واقع سمجھا ہے۔ اور اُنھوں نے اِس کو اِس امر پر محمول کیا ہے کہ ہمارے خداوند کی انسانیت ایک خاص قسم کی تھی۔ اگرچہ وہ مر گیا۔ مگر اور انسانوں کی طرح اُس کا جسم سڑا نہیں۔ اُس کا جسم سڑا نہیں۔ اُس کا جسم چند ہی گھنٹہ بعد مُبدّل اور جلالی ہو کر موت کے پنجہ سے نکل گیا۔ یہ تبدیلی کا سلسلہ جو آخر کار

اُس کی قیامت پر ختم ہؤا۔ اُس کی موت ہی کے وقت سے شروع ہو گیا تھا۔ اور اس برچھی کے زخم نے جو گویا اس تبدیلی کے اثناء میں لگایا گیا۔ جسم کی بالکل غیر معمولی بناوٹ کو ظاہر کر دیا *

دوسروں نے مسلّمہ واقعہ ہی پر لحاظ کر کے اس امر کے لئے اِس سے بالکل مختلف مگر نہائت ہی دلچسپ وجہ ٹھیرائی ہے۔ اُنہوں نے مسیح کی موت کے دفعتًا واقع ہونے پر خاص طور پر توجّہ کی ہے۔ جو لوگ صلیب دئے جاتے تھے۔ وہ عمومًا کئی کئی دن تک اُس پر جیتے لٹکے رہتے تھے۔ مگر وہ چھ گھنٹہ سے بھی زیادہ نہ جیا۔ مگر موت کے عین پیشتر وہ بار بار بلند آواز سے چلّاتا رہا۔ گویا کہ اُس کی جسمانی قوّت ہرگز زائل نہیں ہو گئی تھی۔ لیکن دفعتًا ایک بلند چیخ کے ساتھ ہی اُس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ اِس کا کیا باعث ہو سکتا ہے؟ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ بعض اوقات جسمانی اور ذہنی دباؤ کی سختی کی وجہ سے دل پھٹ جایا کرتا ہے۔ اور مریض چلّاتا ہے۔ اور موت ناگہاں واقع ہو جاتی ہے۔ ہم عمومًا کہا کرتے ہیں کہ فلاں آدمی تو دِل کے ٹوٹنے سے مر گیا۔ لیکن یہ بات محض استعارہ کے طور پر ہوتی ہے۔ مگر بعض اوقات یہ امر لفظی طور پر بھی صحیح ہوتا ہے۔ دل سچ مچ غم کے مارے شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جب موت اِس طور سے واقع ہوتی ہے۔ تو خون جو دل میں بھرا ہوتا ہے۔ ایک اَور تھیلی میں جو دل کو گھیرے رہتی ہے بہ جاتا ہے۔ اور یہاں وہ دو اجزا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ ایک تو پھٹکی دار چیز جو خون کے رنگ کی ہوتی ہے۔ اور دوسری شفاف بیرنگ چیز جو پانی کی مانند ہوتی ہے اور اِس حالت میں اگر اُس تھیلی کو برچھی یا کسی اَور چیز سے چھیدا جائے

تو اِن دونو اشیاء کی ایک بڑی مقدار بہ نکلیگی۔ جسے ایک معمولی دیکھنے والا جو علمی اصطلاح سے واقف نہیں۔ خون اور پانی سمجھیگا +

یہ مسئلہ پچاس سال ہوئے ایک انگریز ڈاکٹر سٹرؤڈ صاحب نے ثابت کیا تھا۔ اور اُس وقت کے بعد بہت سے دوسروں ڈاکٹروں نے بھی جو علم و حکمت میں اُس سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ اُس کے ساتھ اتفاق رائے ظاہر کیا ہے۔ مثلاً پروفیسر سِمپسن مرحوم اور سر جیمس سِمپسن صاحبان موخرالذکر ڈاکٹر صاحب اپنی ایک کتاب میں نجات دہندہ کی موت کا سال نہائت دردناک اور موثر الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ "کم سے کم مجھے بحیثیت ڈاکٹر ہونے کے ہمیشہ یہ خیال گذرتا ہے کہ وہ طریق جس سے مسیح کی جسمانی موت وقوع میں آئی۔ ہمارے خیالات اور تصوّرات کو اس بارے میں بہت ہی گہرا کردیتا ہے کہ وہ کتنی بڑی قربانی ہوگی۔ جو اُس نے صلیب پر ہمارے گنہگار ابنائے جنس کے لئے گذرانی۔ اس سے بڑھکر اَور عجیب و غریب کیا بات ہوگی کہ کس طرح ہماری خاطر ایک نہائت بیچارگی کے عالم میں خدا نے انسان بنکر اپنے انسانی جسم کو صلیب کے دُکھوں اور عذابوں کے حوالہ کردیا۔ لیکن اس قربانی کی عظمت کی نسبت ہمارا تعجب اَور بھی ترقّی کر جاتا ہے۔ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ جب وہ اس طرح ہمارے گناہوں کے لئے نہائت سخت بے رحمانہ تکلیف دِہ جسمانی موت کا متحمّل ہو رہا تھا۔ تو وہ آخرکار اپنی جسمانی تکالیف کی سختی کے سبب سے نہیں ہلاک ہؤا۔ بلکہ اپنے دل کے دُکھ کے سبب جو اس سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ اس کے دل کی گوشتین دیواریں جو اُس کی جسمانی ہیکل کے پردہ کی طور پر تھیں۔ پھٹ گئیں۔ جب کہ

اُس نے ہمارے لئے اپنی جان کو موت میں لنڈھا دیا۔ اور اِس طور سے اُس کی جان کا دُکھ اس گھڑی میں ایک ناقابلِ بیان تلخی سے معمور اور اُس کے جسم کے دُکھوں سے کہیں زیادہ دردناک تھا"[1]

ہم اس باب میں زیادہ تر خیالات اور مفروضات کے عالم میں پھرتے رہے ہیں۔ اور ہم مستقل طور پر یہ تحقیق نہیں کرسکے کہ کونسی بات قابلِ تسلیم ہے۔ اور کونسی نہیں۔ یہ ایک پُراسرار موقع ہے۔ اور جس طرف ہم مُنہ کرتے ہیں۔ دُھندلے مگر دلکش معانی پردہ کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے اس نظّارہ کا نام مُردہ مسیح رکھا ہے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ مُردہ مسیح ایسا عجیب اور دلچسپ اِسی وجہ سے ہے کہ وہ زندہ مسیح بھی ہے؟ وہ زندہ ہے۔ وہ یہاں موجود ہے۔ وہ اِس وقت ہمارے پاس ہے۔ مگر اس کا برعکس بھی صحیح ہے۔ زندہ مسیح ہمارے لئے ایسا عجیب اور قابلِ پرستش معلوم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ مُردہ مسیح بھی ہے۔ یہ بات کہ وہ زندہ ہے ہم میں اُمّید اور قوّت پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ اُس کی موت کی یادگار ہے۔ جس کے لحاظ سے وہ ہمارے بوجھ سے لدے ہوئے ضمیر اور ہمارے دردمند دلوں کی محبّت کا سہارا ہے۔

[1] یہ عبارت حنا صاحب کی کتاب موسومہ "خداوند کے دُکھوں کا آخری دن" سے نقل کی گئی ہے۔

تئیسواں باب

تدفین

صرف سخت دل اور تنگ خیال لوگ ہی موت کے بعد جسم انسانی کو بے پروائی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور تکفین و تدفین کے متعلق ہر قسم کی رسوم و دستورات کو حقیر اور غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر بنی آدم کی فطرتی خواہش ان لوگوں کی نسبت زیادہ دانا ہے۔ قدیم زمانہ میں مناسب طور سے دفن نہ کیا جانا نہائت بدقسمتی کی بات سمجھا جاتا تھا۔ اور اگرچہ اس خیال کے ساتھ بہت سے باطل توہمات بھی ملے ہوئے تھے مگر تو بھی اُس کی تہ میں ایک صحیح انسانی جذبہ تھا۔ جسم کو بھی رُوح کی طرح ایک قسم کا رتبہ و عزت حاصل ہے۔ خاصکر جب کہ اُسے رُوح القدس کی ہیکل مانا جائے۔ اور موت میں بھی ایک عظمت کا خیال ہے۔ جس کی طرف سے بے پروائی کرنے میں زندوں کا سخت نقصان متصوّر ہے[1]۔ اور جب ہم کسی جنازہ کی بابت دیکھتے ہیں کہ اُس کی تیاری میں جلدی اور بے پروائی سے کام لیا گیا ہے۔ تو ہمیں بُرا معلوم ہوتا

---

[1] مختصر سوال و جواب کی کتاب میں اِس خیال کو نہائت خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے "اور اُن کے اجسام جو اب بھی مسیح سے متحد ہیں۔ قیامت کے دن تک قبروں میں آرام کرتے ہیں"۔

ہے۔ اور ایسا خیال گزرتا ہے کہ گویا فطرت انسانی کی بیحرمتی کی گئی ہے۔ برخلاف اس کے ہمیں ایک طرح کی تسکین حاصل ہوتی ہے جب ہم کسی جنازہ کو بڑی سنجیدگی اور تحمل کے ساتھ لے جاتے دیکھتے ہیں۔ اور جب کوئی ایسا شخص گزر جاتا ہے۔ جس کی زندگی کارہائے نمایاں اور فیاضی و عالی حوصلگی سے بھری تھی۔ اور جس نے اپنی قوم کی بہبودی اور بنی انسان کے فائدے کے لئے عمدہ عمدہ کام سرانجام دئے تھے۔ تو جب اُس کی لاش ایک عالم کے نوحہ اور ماتم کے درمیان مدفن کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور گھنٹے بجتے ہیں۔ اور توپیں داغی جاتی ہیں۔ اور گلیوں میں دورویہ لوگوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ اور علما و شرفا اُس کی قبر کے گرداگرد کھڑے ہوتے ہیں۔ تو جس شخص کے دل پر اس دلکش نظارہ کا کچھ بھی اثر نہ ہو۔ ہم کہینگے کہ اُس کا دل کسی مرض میں گرفتار ہے۔ یا وہ ابھی تک بالکل کندۂ ناتراشیدہ ہے۔ عظیم اور دانا اور نیکوکار لوگوں کی تدفین اِسی طور سے ہونی چاہئے۔ تو آؤ۔ ہم دیکھیں کہ وہ جس کے سبب سے زیادہ عظیم اور دانا اور نیکوکار ہونے کا سب کوئی قائل ہے۔ کِس طور سے دفن کیا گیا۔

۱

شام کے قریب تینوں لاشیں صلیب پر سے اُتار لی گئیں پیشتر اِس کے کہ یہودیوں کا سبت۔ جو غروب آفتاب کے وقت سے شروع ہوتا تھا۔ آوے۔ غالباً دونو چور اُسی مقام پر مع صلیب کی لکڑی اور دوسری چیزوں کے دفن کر دئے گئے ہونگے۔ یا اُن کی لاشیں اُٹھا کر کسی گمنام گوشہ یا خندق میں جہاں مجرموں کی لاشوں کو زمین میں گڑھے

کھود کر ڈال دیا کرتے تھے۔ لیٹے ہوئے ہونگے +

یسوع کی لاش کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا۔ اگر ایک شخص۔ جس کے آنے کی ہرگز کسی کو پہلے توقع نہ تھی۔ آکر مداخلت نہ کرتا۔ رومیوں کے درمیان یہ ایک اچھی رسم تھی کہ مجرموں کی لاشیں اُن کے دوستوں کو اگر وہ درخواست کریں تو دے دی جایا کرتی تھیں۔ اور اِس وقت یسوع کی لاش کے لئے بھی ایک شخص دعویدار ہوا۔ جسے پیلاطس نے بلا تامل لاش حوالہ کردی +

یہ پہلا موقع ہے کہ ہم انجیل کی تاریخ میں یوسف ارمتیا کا نام پڑھتے ہیں۔ اور اُس کے ماقبل کی زندگی کا ہمیں کچھ حال معلوم نہیں ہے بلکہ وہ شہر جس کے نام سے وہ کہلاتا ہے۔ اُس کا بھی صحیح طور پر ابھی پتہ نہیں چلا۔ اس بات سے کہ یروشلم کے نواحی میں ایک باغ اور مکان اُس کی ملکیت تھا۔ یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ وہ وُہیں کا باشندہ تھا۔ کیونکہ ہر ایک دیندار یہودی کے دل میں بڑی خواہش تھی کہ بیت المقدس کے گرد و نواح میں مدفون ہوں۔ اور اب بھی اگر دیکھا جائے۔ تو شہر کا گرد نواح قبروں اور مقبروں سے بھرا پڑا ہے +

یوسف ایک دولتمند آدمی تھا۔ اور اس سے پیلاطس کے نزدیک اُس کی درخواست کے مقبول ہونے میں بھی مدد ملی ہوگی۔ جن لوگوں کے پاس مال دولت یا مرتبہ یا لیاقت ہے۔ وہ کئی طرح سے مسیح کی خدمت بجا لاسکتے ہیں۔ جو غریب اور نادار لوگوں کی بساط سے باہر ہوتی ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ یہ خدمات مسیح کے نزدیک مقبول ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ وہ لوگ جنہیں یہ قابلیتیں حاصل ہیں۔ اُس کی خاطر سے اُنہیں نقصان

اور کوڑا سمجھیں۔

یوسف ایک مشیر تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ آرمتیا کی کونسل کا مشیر تھا۔ مگر اس بیان میں کہ "اُس نے اُن کی صلاح اور کام کو منظور نہ کیا تھا" ظاہراً صدر مجلس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً اسی مجلس کا مشیر تھا۔ بلاشبہ وہ جان بوجھ کر اُس اجلاس سے جس میں یسوع پر فتوے لگایا گیا۔ غیر حاضر رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ ساری کارروائی دردناک اور نفرت انگیز ہوگی۔ کیونکہ "وہ ایک نیک اور راستباز آدمی تھا"۔

لیکن اُس کی نسبت ہمیں اس سے بھی زیادہ کچھ بتایا گیا ہے کہ "وہ خدا کی بادشاہت کا منتظر تھا"۔ یہی فقرہ ایک اور موقع پر عہد جدید میں اُس زمانہ کے فلسطین کے دیندار لوگوں کے حق میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس سے ایک عجیب طور پر اُن کی دینداری کی خصوصیت بھی آشکارا ہوتی ہے۔ وہ زمانہ رُوحانی طور پر مُردہ تھا۔ مذہبی جماعت میں یا تو فریسیوں کی طرح احکام شرع کی ظاہری پابندی نظر آتی تھی۔ یا صدوقیوں کی طرح وہ بالکل بے اعتقاد تھے۔ عبادتخانوں میں لوگ روٹی کے اُمیدوار ہو کر جاتے تھے۔ مگر وہاں اُنہیں پتھر ملتے تھے۔ فقیہہ لوگ بجائے اس کے کہ بیبل کی سچائیوں کے خالص اور شفاف دریا کو ملک میں بہنے دیں۔ اُسے اپنی بیجان تفسیروں اور شرحوں کی ریت سے اٹ رہے تھے۔ مگر بُرے سے بُرے زمانوں میں بھی نیک لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور اس وقت فلسطین میں بھی سچے دیندار کہیں کہیں موجود تھے۔ وہ اُن روشنیوں کی مانند تھے جو تاریکی میں کہیں کہیں ٹمٹماتی نظر آیا کرتی ہیں۔ یہ لوگ ضرور اپنے دل

میں محسوس کرتے ہونگے کہ وہ اپنے ملک اور اپنے زمانہ میں محض اجنبی اور مسافر کے طور پر ہیں۔ اور وہ گویا زمانہ ماضی اور مستقبل میں زندگی بسر کرتے تھے۔ انبیاء جن کا کلام اُن کی رُوحوں کی خوراک تھا۔ ایک ایسے اچھے آنے والے زمانہ کی پیشین گوئی کرتے تھے۔ جب کہ اُن لوگوں پر جو تاریکی میں بیٹھے ہیں بڑا نور چمکیگا۔ اور وہ اِسی بہتر زمانہ کی انتظار میں تھے۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ نبوّت کی آواز کو پھر ایک بار ملک میں گونجتا ہؤا سُنیں۔ جو لوگوں کو اُن کی رُوحانی نیند سے جگاوے اور سب سے بڑھ کر وہ ایک مسیح کے منتظر تھے۔ اور اس بات کے اُمّیدوار تھے کہ کاش وہ ہمارے ہی زمانہ میں جلوہ گر ہو +

ایسے ہی لوگ تھے۔ جن کے درمیان یُوحنّا اور یسُوع دونوں کو اپنے شاگرد ملے۔ ایسے لوگوں نے بپتسمہ دینے والے اور اُس کے جانشین کو بڑی خوشی سے قبول کیا ہوگا۔ کم سے کم اُنہیں اُن نبیوں میں سے سمجھا ہوگا۔ جو اُن کے زمانے کی بُرائیوں کے دفعیہ کے لئے مبعوث ہوئے ہوں۔ لیکن اس بارے میں کہ آیا یسُوع ہی وہ ہے۔ جو آنے والا تھا۔ یا اُنہیں کسی اَور کی راہ تکنی چاہیئے۔ وہ ابھی شبہ میں تھے۔ یُوسف بھی شائد ان لوگوں میں سے ہوگا۔ اُس کی بابت یہ لکھا ہے کہ وہ یسُوع کے شاگردوں میں سے تھا۔ مگر یہودیوں کے خوف سے اس بات کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ اُس کے پاس ایمان تو تھا۔ مگر یہ ایمان ایسا کافی نہ تھا کہ وہ یسُوع کا عام طور پر اقرار کر سکے۔ اور اُس سے جو کچھ مصیبت اُس پر پڑے۔ اُس کے اُٹھانے کو آمادہ ہو۔ یسُوع کی تحقیقات کے وقت بھی اُس نے اپنی ضمیر کی تلافی کے

لئے یہی کافی سمجھا ہوگا کہ صدر مجلس سے غیر حاضر رہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی جگہ پر حاضر ہوتا اور علانیہً اپنے یقین و عقیدہ کا اظہار کرے۔

اُس وقت تو وہ اسی حالت میں رہا۔ لیکن اب باوجود خوف و خطر کے اُس نے اپنے کو یسوع کے پیروؤں میں سے ظاہر کر دیا۔ اس امر پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ کیا بات تھی۔ جس نے اُسے اِس فیصلہ پر آمادہ کیا۔ یہ اُس کے ہم جلیسوں کی حد سے بڑھ کر شرارت اور بے انصافی تھی۔ جو اُن سے اس موقع پر ظاہر ہوئی۔ جس نے اُسے اِس بات پر آمادہ کیا ہوگا کہ اب زیادہ تامل کرنا مناسب نہیں بعض اوقات مذہبی اُمور میں کامل طور پر فیصلہ کرنے کے لئے اِسی قسم کے واقعات ممد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جو دو رائیوں کے درمیان میں ٹھیرا ہؤا ہوتا ہے۔ یا اُسے اپنے یقین کا عام طور پر اقرار کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔ ایک دن جب کہ وہ اپنے ہم مشرب لوگوں میں بیٹھا ہؤا ہوتا ہے۔ تو مذہبی اُمور پر بات چیت چھڑ جاتی ہے۔ اور بعض لوگ اُس کی مسخری اُڑاتے اور مسیح کے بندوں پر ہنسنے لگتے ہیں۔ اُس کی تعلیم و مسائل پر ٹھٹھا کرتے اور اُس کے نام پر کفر بکتے ہیں۔ لیکن آخرکار وہ اس امر میں حد سے بڑھنے لگتے ہیں۔ تب یہ خاموش اور نیم اعتقاد شاگرد اپنے کو ضبط نہیں کر سکتا۔ وہ غضب ناک ہو کر بول اُٹھتا ہے۔ اور اس طرح سے اُس کا مسیحی ہونا طشت ازبام ہو جاتا ہے۔ یُوسف کے دل میں کسی ایسے ہی طور سے یہ تبدیلی پیدا ہوئی ہوگی۔ اُسے سارے صدر مجلس کی

مخالفت کرنی پڑی - اور خود اُس کی جان بھی معرض خطر میں تھی - مگر اب وہ باز نہ رہ سکا - اور سب خوف و خطر کو پس پُشت ڈال کر وہ بذاتہ خود پیلاطس کے پاس گیا - اور یسُوع کی لاش مانگی +

۲

مسیح کا دلیری سے علانیہ اقرار کرنے سے دو نتیجے پیدا ہؤا کرتے ہیں +

ایک طرف تو اِس سے مخالف دب جاتے ہیں - یہ نہیں لکھا کہ اس موقع پر ایسا کرنے سے یوسف کو کچھ نقصان پہنچا - یا یہ کہ صدر مجلس والوں نے فی الفور اُس کے ستانے اور ایذا دینے پر کمر باندھی - وہ درحقیقت بڑے جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے - اور اُسکے مقابلہ میں ستّر اور ایک کی نسبت رکھتے تھے - مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک اکیلا دلیر آدمی اس سے بھی زیادہ مضبوط مخالفت کو نیچا دکھا دیتا ہے - یہ تو یقینی بات ہے کہ اُن میں سے بہتوں کے ضمیر اُنہیں اس کام کے لئے نفرین کر رہے تھے - اور وہ اس امر کے لئے تیار نہ تھے کہ ایسے مستقل مزاج اور معقول آدمی سے جس کے مزاج سے وہ خوب واقف تھے - خواہ مخواہ اس مُقدّمہ میں بحث مباحثہ کرنے پر آمادہ ہوں - جو لوگ مسیح کے اقرار پر کمر باندھ لیتے ہیں - اُنہیں ایک بڑا فائدہ یہ حاصل ہے - کہ اُن کے مخالفوں کا ضمیر بھی ایک طرح سے اُنہیں کا طرفدار ہوتا ہے +

مسیح کا دلیری سے اقرار کرنے کا دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اَور لوگ بھی جن کے سینے میں اتنی گرمی و حرارت نہیں ہوتی کہ وہ

خود بخود ایسا کرنے کی جرأت کریں۔ اُس کی مثال ونمونہ کو دیکھ کر اس امر کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں بھی یوسف کے نمونہ سے نقودیمس کو بھی اپنی وفاداری دکھلانے کی جُرأت ہوئی ؛

نقودیمس بھی وہی عہدہ رکھتا تھا۔ جو یوسف کا تھا۔ کیونکہ وہ بھی ممبر مجلس کا ممبر تھا۔ اور وہ بھی خفیہ طور پر مسیح کا شاگرد تھا۔ وہ انجیلی تاریخ کے صفحہ پر اس وقت پہلی دفعہ ہی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم پڑھتے ہیں کہ وہ یسُوع کے آغاز رسالت ہی میں اُس کی طرف کھینچا گیا تھا۔ یہاں تک کہ خفیہ طور پر اُس سے ملاقات بھی کر آیا تھا۔ جس کا تذکرہ انجیل یُوحنّا کا ایک قیمتی جُزو ہے۔ اور جس کو پڑھ کر نہ صرف ہزارہا ہزار آدمی یسُوع پر ایمان لائے ہونگے۔ بلکہ اُسکے گواہ بھی بن گئے ہونگے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام سے اُس شخص کو جس سے مخاطب ہو کر دراصل مسیح نے وہ کلام کیا تھا۔ اس قدر فائدہ حاصل نہ ہوا۔ جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔ نقودیمس کو مسیح کے سب سے پہلے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہونا چاہئے تھا۔ اور اُس کے مرتبہ اور مقام سے رسولوں کی باعث کو بہت ہی تقویت پہنچتی۔ مگر وہ شش و پنج میں تھا۔ اور اس لئے خفیہ طور پر شاگرد بنا رہا۔ ایک موقع پر وہ ضرور بول اُٹھا۔ یعنی اُس وقت جبکہ ایک نہائت ناواجب بات صدر مجلس کے سامنے مسیح کے حق میں کہی گئی تھی تو لکھا ہے کہ اُس نے یہ سُؤال کیا کہ "کیا ہماری شریعت کسی شخص کو مجرم ٹھیراتی ہے۔ جب تک پہلے اُسکی سُنکر جان نہ لے کہ وہ کیا

کرتا ہے"؟ لیکن جب اُنہوں نے غصہ سے یہ جواب دیا کہ "کیا تو بھی گلیلی ہے"؟ تو وہ دب گیا اور بالکل خاموش ہو رہا۔ بلاشبہ یوسف کی طرح وہ بھی اُس جلسہ سے جس میں یسُوع پر فتوےٰ لگایا گیا غیر حاضر رہا ہوگا۔ مگر صدر مجلس کی بے انصافی ایسی سخت درجہ کی تھی کہ وہ عام طور پر اُس کے خلاف کہنے کو آمادہ تھا۔ لیکن شائد وہ اپنے یقین کے مطابق کبھی عمل نہ کرتا۔ اگر یوسف اُس کی اس طرف رہنمائی نہ کرتا +

مگر نقودیمس میں یہ امر قابل تعریف ہے کہ وہ ایک ترقی کرنے والا آدمی تھا۔ اگرچہ وہ کچھ عرصہ کے لئے رُکا رہا۔ لیکن آخرکار وہ نکل ہی آیا۔ اور دیر سے آنا نہ آنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جب وہ یُوسف سے ملاقی ہوُا۔ تو اُس کے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کی گھڑی سمجھنی چاہئے بہت سے دوستوں کے مجمعے ایسے ہیں۔ جن میں سب کے سب نہ دل سے سچّائی پر یقین رکھتے اور اُسی کی طرف مائل ہیں۔ اور اگر اُن میں سے ایک بھی دلیری کرکے نکل آتا ہے۔ تو باقی بڑی خوشی سے اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یوسف اور نقودیمس کے ہاتھ مُنجی کی لاش پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ جب اُنہوں نے مل کر اُسے اُٹھایا۔ اور کوئی ایسی محبّت یا دوستی مضبوط یا گہری نہیں ہوگی جیسی کہ وہ جس کا مدار مسیح کے رشتہ اور تعلّق پر ہو +

۳

مُصوّروں نے خداوند کی تدفین کا نقشہ بڑی تفصیل کے ساتھ کھینچا ہے۔ مگر وہ زیادہ تر قوّتِ واہمہ پر مبنی ہے۔ اُنہوں نے اِسے مختلف سینوں پر تقسیم کیا ہے +

پہلے صلیب پر سے اُتارا جاتا ہے۔ جس میں علاوہ یوسف اور نقودیمس کے کم سے کم مُقدّس یُوحنّا اور بعض اوقات اَور لوگ بھی دکھائے جاتے ہیں۔ جو میخیں نکالتے اور لاش کو نیچے اُتارتے ہیں اور صلیب کے نیچے مُقدّس عورتیں۔ جن میں مُقدّس کنواری مریم اور مریم مگدلینی خاص طور پر دکھائی جاتی ہیں۔ جو نیچے سے اس قیمتی بوجھ کو پکڑتی ہیں *

ایک اَور تصویر میں عورتوں کے لاش پر ماتم کرنے کا نظّارہ دکھایا جاتا ہے۔ اس میں مُقدّس ماں عموماً اپنے بیٹے کا سر گود میں لئے ہوتی ہے۔ اور دوسری عورتیں ہاتھوں کو پکڑے ہوتی ہیں پھر سب مل کر اُسے قبر کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور آخر کار اُسے دفن کرتے ہیں۔ جس کی تصویر مختلف طور پر کھینچی جاتی ہے *

اِن نظّاروں کے کھینچنے پر مشہور و معروف مصوّروں نے اپنی ساری حکمت اور صنعت خرچ کی ہے۔ مگر اناجیل کا بیان بالکل مختصر اور سادہ ہے۔ اُس میں مُقدّس کنواری کا نام بھی نہیں لیا۔ اگرچہ دوسری مُقدّس عورتوں کا وہاں موجود ہونا لکھا ہے۔ مگر اس کا کہیں اشارہ بھی نہیں کیا کہ اُنہوں نے اُس کی تدفین میں کسی قسم کی امداد کی۔ بلکہ صرف یہ کہ وہ لاش کے پیچھے پیچھے گئیں۔ اور جہاں وہ دفن ہؤا تھا۔ اُس مقام کو دیکھا۔ فقط یوسف اور نقودیمس کا خاص طور پر ذکر پایا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ فرض کر لینا بھی قرینِ قیاس ہے کہ اُن کے نوکروں نے اس کام میں اُن کی مدد کی ہوگی اور سپاہیوں نے لاش کے اُتارنے میں ہاتھ بٹایا ہوگا *

خداوند کی لاش ایک نئی قبر میں جو ایک چٹان میں سے تراشی گئی تھی۔ اور یوسف نے بعد مُردن اپنے دفن کئے جانے کے لئے تیار کروائی تھی۔ رکھی گئی۔ وہاں پہلے کبھی کوئی لاش نہیں رکھی گئی تھی ایک خارج شدہ اور مصلوب آدمی کے لئے یہ ایک بڑا احسان سمجھنا چاہئے۔ اور یہ بہت مناسب تحفہ بھی تھا۔ کیونکہ یہ واجب تھا کہ پاک اور بیگناہ آدمی کی لاش جو سب چیزوں کو نئے سر سے بنانے آیا تھا۔ اور اگرچہ مُردہ تھی۔ مگر سڑنے والی نہیں تھی۔ ایک ایسی ہی پاک قبر میں رکھی جائے۔ ایسے ہی نیا کتانی کپڑا بھی جو یوسف اُس کی لاش کو لپیٹنے کے لئے لایا تھا۔ بالکل برمحل اور مناسبِ موقع تھا۔ مگر نقودیمس بھی اظہار محبّت و عقیدت میں پیچھے نہ رہا۔ وہ مُر اور لوبان کا مرکب لایا۔ جس کا وزن قریباً "پچاس سیر تھا"۔ یہ مقدار بہت ہی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ مگر اُس زمانہ میں مصالحوں کی ایسی ہی بڑی بڑی مقداریں استعمال کرنے کا رواج تھا۔ مثلاً لکھا ہے کہ ہیرودیس کے جنازہ پر جو مصالح استعمال کئے گئے۔ وہ پانچ سو آدمی اُٹھا کر لائے تھے۔

یہ قبر ایک باغ میں تھی۔ اور اس سے بھی ایک مناسبت اور خوب صورتی ظاہر ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جگہ صلیب کے مقام سے بہت دور نہ تھی۔ لیکن اس امر پر شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ اس قدر قریب تھی۔ جیسی کہ وہ جگہ ہے۔ جو روائت کے مطابق ٹھیرائی گئی ہے۔ مرقدِ مُقدّس کا گرجا جو اس وقت یروشلم میں موجود ہے اُس کے احاطہ میں نہ صرف قبر کی جگہ بلکہ وہ سُوراخ بھی جس میں صلیب کی لکڑی گڑی تھی۔ پایا جاتا ہے۔ اور دونو ایک دوسرے سے فقط

تیس گز کے فاصلہ پر ہیں۔ مگر اس امر میں شبہ ہے کہ آیا ان دونو مقاموں کا صحیح طور پر دریافت ہونا ممکن ہے۔ تاہم زمین کا یہ ٹکڑہ دنیا بھر میں نہائت ہی مشہور مقام ہے۔ مسیحی دنیا نے اس روائت کو جو شہنشاہ قسطنطین کے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ صحیح مان لیا ہے اور اُس وقت سے لیکر حاجی لوگ برابر اُس مقام کی زیارت کو جاتے رہے ہیں۔ اسی مقام پر قبضہ کرنے کی غرض سے مشہور ومعروف صلیبی جنگ واقع ہوئے تھے۔ اور آج کے دن بھی... مسیحیوں کی مختلف کلیسائیں وہاں فٹ فٹ بھر جگہ حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑتی ہیں +

اگرچہ ہمیں ان حاجیوں اور زجوں کے ساتھ کچھ بھی ہمدردی نہ ہو۔ اور ان پاک مقاموں کے اصلی موقع کو دریافت کرنے میں کچھ بھی دلچسپی نہ ہو۔ مگر مرقدِ اقدس کی طرف خواہ مخواہ ایماندار کا دل کھنچا جاتا ہے۔ گذشتہ زمانوں میں دیندار لوگ قبرستان میں جاکر غور و فکر کیا کرتے تھے۔ مگر زمانہ حال کے دیندار زیادہ خوشنما مقامات کو اس غرض کے لئے انتخاب کرنا پسند کرتے ہیں۔ اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ اس طور سے بھی روحانی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک آدمی جس کے دل میں طبعی محبّت جاگزین ہے۔ وہ ضرور اپنے محبوب اور رشتہ دار کی قبر کے پاس ٹھیرنا دوست رکھتا ہے۔ اور ہر ایک سنجیدہ مزاج آدمی کو کبھی کبھی اپنی قبر کا ضرور خیال آتا ہوگا اور ایسے موقعوں پر اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز سے مدد مل سکتی ہے کہ ہم عالم خیال میں اُس شخص کی قبر کا حج کیا کریں۔ جس

نے یہ فرمایا تھا کہ "قیامت اور زندگی میں ہی ہوں" +

دُنیا کے بڑے بڑے آدمیوں کے مقابلہ میں یسوع کا جنازہ ایک معمولی غریب آدمی کا جنازہ تھا۔ لیکن اُن لوگوں کی حیثیت کے لحاظ سے جن کو اُس کے آخری کفن ودفن کی عزّت ملی۔ کوئی اِس سے بڑھ کر نہ کرسکتا۔ اور جو کچھ اُنہوں نے کیا دِلی محبّت و اُلفت سے کیا۔ گو ظاہراً دھوم دھام کا وہاں کچھ نام ونشان نہ تھا۔ اس طور سے آخرکار وہ اُس نئی قبر میں۔ جس میں پہلے کوئی نہیں رکھا گیا تھا۔ خوشبودار مصالحوں کے انبار میں۔ اور مہکے ہوئے پھولوں کے باغ کے درمیان رکھا گیا۔ اُس کا جسم سفید کتان میں لپٹا ہوا تھا۔ اور اُس کے سر پر رومال بندھا تھا۔ جو اُس کے سر کے کانٹوں کے زخموں کو چھپائے ہوئے تھا۔ اور قبر کے دروازے پر ایک بڑا پتھر رکھا تھا۔ اور یہ اُس کی آرامگاہ تھی۔ شام کا وقت تھا۔ اور سبت شروع ہو چکا تھا۔ اُس کا کام تمام ہو چکا تھا۔ ایذا اور دشمنی اب اُس کا پیچھا نہیں کرسکتی تھی۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا تھا جہاں شریر دُکھ دینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور تھکے ماندے آرام کرتے ہیں +

زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ۔ اس دلچسپ کتاب میں اول مسیحیوں کے ایمان کی اصل بنیاد پر بحث کی ہے۔ اور پھر یہ دکھایا ہے کہ چاروں اناجیل کے حق میں اُن کے پاس کیا ثبوت موجود ہیں۔ قیمت ۱۲ آر

حیات المسیح۔ یسوع مسیح کی زندگی اور اُس کے کاموں اور تعلیمات پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۱۱ ار

عیسیٰ کی سیرت۔ اس کتاب میں ہمارے خداوند یسوع مسیح کی عادات وخصائل۔ اُس کی رُوحانی تعلیم۔ اُس کی کرامات ومعجزے اور دیگر باتوں کا ذکر ہے۔ قیمت ار

مسائل دین کی تفسیر۔ انگلستانی کلیسیا کے ۳۹ مسائل دین کی تفسیر مؤلفہ پادری شرف صاحب۔ یہ پہلی کتاب ہے جو اس مضمون میں اُردو زبان میں شائع ہوئی ہے۔ قیمت ۱۴ ر

مسیح کا نمونہ۔ مُصنفہ ڈاکٹر اسٹاکر صاحب۔ جس میں مسیح کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو لے کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ کس طور سے مومن زندگی کے تمام تعلقات میں اپنی زندگی کو خداوند یسوع مسیح کے نمونہ پر ڈھال سکتا ہے۔ نہائت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۸ ر مجلد ۱۲ ر

مسیح کی پیروی۔ یہ نہائت مشہور کتاب ہے۔ دنیا کی جتنی زبانوں میں بائبل کا ترجمہ ہؤا ہے۔ قریباً اُتنی ہی زبانوں میں اس کا بھی ترجمہ موجود ہے۔ ایک عاشق اپنے معشوق حقیقی کے سامنے اپنے دل کا حال کھول کر بیان کرتا اور اُس کے شیریں کلام سے حظ اٹھاتا ہے۔ جو شخص ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھتا ہے۔ اُس کا ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ اُسے ہمیشہ حرزِ جان بنا کر رکھتا ہے۔ بہت سے غیر مسیحی اصحاب جن کو عشق الٰہی

نہائت دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۸ ر۔ مجلد ۱۲ ار

مسیح کی پیروی - یہ نہائت مشہور کتاب ہے۔ دنیا کی جتنی زبانوں میں بیبل کا ترجمہ ہؤا ہے۔ قریباً اتنی ہی زبانوں میں اس کا بھی ترجمہ موجود ہے۔ ایک عاشق اپنے معشوق حقیقی کے سامنے اپنے دل کا حال کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اُس کے شیریں کلام سے حظ اُٹھاتا ہے۔ جو شخص ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھتا ہے۔ اُس کا ایسا گردیدہ ہو جاتا ہے کہ اُسے ہمیشہ حرز جان بنا کر رکھتا ہے۔ بہت سے غیر مسیحی اصحاب جن کو محبت و عشق الٰہی کا مزہ پڑ چکا ہے۔ اُس کی حیات بخش تعلیم سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ قیمت مجلد ۱۲ ار۔ سٹف کور ۸ ر

رُوح القُدس سے معمور زندگی - مصنّفہ پادری مکنل صاحب جس میں بڑے پُرزور دلائل اور کتاب مُقدّس کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر ایک مسیحی کا حق اور فرض ہے کہ رُوح القدس سے معمور ہو کر رُوحانی صفات سے ملبّس ہو۔ رُوحانی زندگی کے متعلق اُس کے مطالعہ سے گہرے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ قیمت ۴ر

مکتب مسیح میں دُعا کی تعلیم - مصنّفہ پادری انڈریو مرے صاحب جس میں دُعا کے متعلق ہر ایک پہلو سے بحث کرنے کی عملی ہدایات درج کی ہیں۔ مہینہ کے ہر روز کے لئے ایک سبق ہے ٭ قیمت ۶ر مجلد ۱۳ ار

طریق تسلیم - مصنّفہ پادری انڈریو مرے صاحب جس میں اپنے آپ کو رضاء الٰہی کے تابع کرنے اور اپنا سب کچھ اُسی کے حوالے کرنے کی نسبت عملی طور پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۶ر۔ سٹف کور ۸ ر۔ مجلّد ۱۲ ار

تمام درخواستیں بنام اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی انارکلی لاہور آنی چاہئیں